حق ۱۴ معصومین

یا رسول اللہ ادرکنی

یا اللہ مدد

یا علیؑ ادرکنی فی سبیل اللہ

فرمایا رسولِ خدا نے کہ:
"میرے اہلِ بیتؑ کی مثال
کشتی نوحؑ کی مانند ہے
جو اس میں سوار ہوا نجات
پا گیا جو رہ گیا ہلاک ہوا، او
غرق ہو گیا" (ارجح المطالب ص۳۱۰)

انتظامِ مصطفےٰؐ پائندہ باد

نظامِ الٰہیہؐ زندہ باد

مکمل کلمۂ ایمان:

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہِ

عَلِیٌّ وَلِیُّ اللہِ وَصِیُّ رَسُوْلِ اللہِ وَخَلِیْفَتُہٗ بِلَا فَصْل

اے علیؑ تو اور تیرے شیعہ کامران ہیں

شیعہ مذہب حق ہے

مصنف: عبدالکریم مشتاق

قاضی مظہر حسین صاحب کی کتاب سُنی مذہب حق ہے کا مسکت جواب

یہ کتاب

اپنے بچوں کے لیے scan کی بیرونِ ملک مقیم ہیں

مو منین بھی اس سے استفادہ حاصل کرسکتے ہیں.

منجانب.



سبیلِ سکینہ

یونٹ نمبر ۸ لطیف آباد حیدر آباد پاکستان

۷۸۶

۱۱۰-۹۲

یا صاحب الزماںؑ ادرکنی

DVD Version

لبیک یا حسینؑ

خصوصی تعاون: نذر عباس
رضوان رضوی

اسلامی کُتب (اردو) DVD

ڈیجیٹل اسلامی لائبریری ۔

www.ziaraat.com

NOT FOR COMMERCIAL

SABIL-E-SAKINA
Unit#8,
Latifabad Hyderabad
Sindh, Pakistan.
www.sabeelesakina.page.tl
sabeelesakina@gmail.com

شیعہ مذہب حق ہے

مصنّف:

عبدالکریم مشتاق

اطلاع عام

یہ کتاب قاضی مظہر حسین صاحب بانی تحریک خدام اہل سنت پاکستان چکوال ضلع جہلم کی شائع کردہ کتاب "سنی مذہب حق ہے" جو بقول مؤلف مصنف کتاب ہذا کے دس سوالات کا جواب ہے کی تردید میں جواباً پیش کی جارہی ہے۔ یہ بات فطری ہے کہ ایسے مناظرانہ مباحث میں جذبات ایمانیہ کا غلبہ اکثر مقامات پر مشاہدہ کیا جاتا ہے۔ لہٰذا ہر خاص و عام کو مطلع کیا جاتا ہے کہ متعصب الذہن افراد اور ایسے حضرات جو اپنے مذہب پر تنقید پسند نہیں کرتے اس کتاب کا مطالعہ ہرگز نہ فرمائیں۔ البتہ کشادہ ذہن اور غیر جانبدار متلاشیان حق کے لیے یہ کتاب راہ حق کا چراغ اور سنگ راہ باطل ثابت ہوگی۔

وما علینا الا البلاغ

(مصنف)

سکینہ
حیدرآباد لطیف آباد

فہرست مضامین

ہدیۂ تشکر

احقر حضرت علامہ پروفیسر سید علی حسنین صاحب شیفتہ کا تہ دل سے ممنون ہے کہ انہوں نے عدیم الفرصتی کے باوجود کتاب ہذا پر نظر ثانی فرما کر میری حوصلہ افزائی کی۔ ربّ العزت ان کی توفیقات میں برکت عطا کرے۔ آمین

مشتاق

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقصد

حمد و صلوٰۃ اللہ ہی کے لئے حمد ہے۔ کہ اس پاک ذات نے صادقین کا ساتھ دینے کی نصیحت فرمائی اور کاذبین سے بیزاری اختیار کرنے کی تلقین کی۔ صداقت و امانت کا نمونہ اس نے اپنے رسولؐ کے اسوۂ حسنہ کو ٹھہرایا اور اعلان فرمایا کہ رسولؐ کی اطاعت ہی دراصل ربِّ رسولؐ کی فرماں برداری ہے۔ الٰہی! رحمت و برکت نازل فرما تا رہ محمدؐ و آلِ محمدؐ (علیہم السلام) پر کہ انھوں نے دُنیا کو حق و باطل کی پہچان کرنے کا سلیقہ تعلیم فرمایا۔ پروردگار لعنت فرما ان تمام کاذبین پر جنہوں نے تیرے ان محبوب ہادیوں سے بغض و عناد رکھا۔

غرضِ تحریر اس کتاب کا مقصدِ تحریر یہ ہے کہ حال ہی میں "تحریکِ خدّام اہلِ سنّت" چکوال ضلع جہلم پاکستان کی شائع کردہ ایک کتاب "سنی مذہب حق ہے" بازار میں لائی گئی ہے۔ اس کتاب کے مؤلف مولوی قاضی مظہر حسین صاحب بانی تحریک خدام اہل سنت پاکستان نے صفحہ ٹائیٹل پر سُرخی جمائی ہے کہ

"شیعہ مصنف عبدالکریم مشتاق کے دس سوالات کا جواب"

پڑھ کر خوشی محسوس ہوئی کہ خدا خدا کر کے کفر ٹوٹا۔ چلئے سکوت تو ختم ہوا۔ غلط یا صحیح کم سے کم جواب دینے کی سعی تو فرمائی لہٰذا میں اس میدان میں اٹھائے گئے اقدام جرأت مندانہ کی قدر کرتے ہوئے جناب مولوی قاضی مظہر حسین کو مستحق مبارکباد قرار دیتا ہوں اور کشادہ دلی سے ان کو خوش آمدید کہتا ہوں کہ انھوں نے اپنے اختیار کردہ مذہب کے تحفظ کی خاطر عملی حرکت کا آغاز فرمایا تاکہ طالبان تحقیق کو منزل مقصود پر پہنچنا آسان ہو جائے۔

حق سائل

بحیثیت سائل مجھے حق حاصل ہے کہ مجیب کے جوابات پر اپنی جوابی رائے کا اظہار کروں اور بے لاگ تبصرہ کر کے حق و باطل کا فیصلہ کرنے کی ذمہ داری قارئین کے لئے باقی چھوڑ دوں کیونکہ صحیح و غلط کا فیصلہ ناظرین ہی کی فراست علمی پر منحصر ہے۔

میرے لئے یہ شرف باعث افتخار ہے کہ خاطی و گنہگار کو سفینہ نجات میں سوار ہونے کی سعادت نصیب ہوئی۔ فلک النجاۃ میں مجھے پناہ گاہ حاصل ہو جانے کی خوش بختی کچھ لوگوں کو ناگوار گزر رہی ہے۔ خبر نہیں حسد کے باعث یا عداوت کی وجہ سے۔ لیکن خیال ہے کہ یہ ناگواری شاید اس لئے شدت اختیار کر رہی ہے کہ میں نے مثالی کشتی نوح میں سوار ہوتے ہی از راہ ہمدردی عوام الناس کو بھی اس کشتی میں بیٹھنے کا مشورہ اور دعوت جوش و خروش سے دینا شروع کر دیا ہے۔ کیونکہ میرے نزدیک ڈوبتے کو بچانا نیکی ہے۔ اسی لئے بے لوث محض اخروی نجات کی خاطر خلوص نیت سے ان جان لوگوں کو ہلاکت سے حفاظت کی طرف بلاتا ہوں۔ اللہ کی برکت سے عاقل افراد کان لگا کر میری آواز سنتے ہیں اور بفضل ربی جوق در جوق اس بیڑے میں سوار ہو رہے ہیں جس کا پار لگنا یقینی ہے۔

منادی

لیکن دوسری طرف میرے اس ڈھنڈورہ سے ان کشتی والوں کا

وہ صندرا مانند بڑا لگا ہے جنہوں نے شکستہ و ناقص کشتیوں کو نا تجربہ کار ناخداؤں کی نگرانی میں محض دنیوی دولت کی خاطر حقیقی سفینۂ نجات کے مقابلے میں لا کھڑا کر رکھا ہے چنانچہ میری یہ آواز کہ "اہل بیت کی مثال نوح کی کشتی جیسی ہے کہ جو اس میں سوار ہوا نجات پا گیا جو رہ گیا غرق ہوا ہلاک ہو گیا۔" حریص جعلی اور اناڑی ملاحوں اور ان کے بہی خواہوں کے کانوں میں چھری جیسی لگتی ہے۔ اپنے ناجائز کاروبار کو چمکانے کی غرض سے اس قماش کے لوگ اسی کوشش میں ہمہ تن مصروف ہیں کہ میری آواز دبا دیں کیونکہ اگر یہی صورت حال برقرار رہی تو اندیشہ ہے کہ وہ قلاش ہو جائیں گے پھر مطلع کرنے پر ان جعلی کشتیوں میں بیٹھے ہوئے سادہ لوح مسافروں نے کھلی آنکھ اٹھانا شروع کر دیا ہے گروہ در گروہ اصلی سفینے کی جانب آ رہے ہیں کیونکہ ان کو یقین ہو گیا ہے کہ بلاشبہ یہی بیڑہ پار لگے گا۔ ایسے حالات میں بھلا مجھے چپ کرانا کیوں ضروری سمجھا نہ جائے گا؟ لہٰذا طرح طرح کے طریقے اختیار کئے جا رہے ہیں کہ میرا منہ بند ہو جائے۔ ان ہی کوششوں کے سلسلے کی ایک کڑی قاضی مظہر حسین صاحب کی زیر بحث کتاب ہے جسکے بارے میں انھوں نے دعویٰ کیا ہے کہ یہ مشتاق شیعہ کے دس سوالات کا جواب ہے۔

مضمون خط

خود قاضی صاحب موصوف اپنی اس کتاب کی اشاعت کا باعث اس طرح بیان کرتے ہیں کہ سید باقر شاہ صاحب نامی کسی شخص نے میری کتاب "ہزار تمھاری دس ہماری" میں شائع شدہ دس ہزار روپئے کے دس سوالات نقل کر کے ایک سنی المذہب مولوی محمد یعقوب شاہ صاحب خطیب اہل سنت دولیہ ضلع گجرات کو ارسال کئے۔ مولوی یعقوب شاہ صاحب نے اظہار عجز فرماتے ہوئے یہ سوالنامہ قاضی مظہر حسین صاحب کو حوالہ کر دیا۔ اور قاضی صاحب نے اس سوالنامے کا جواب باقر صاحب

کو بھیجدیا۔ اسی جواب کو کتابی شکل دے کر "سُنّی مذہب حق ہے" کے نام سے شائع کردیا گیا ہے۔ قاضی صاحب نے باقر صاحب کو جو خط تحریر کیا ہم اس کے کچھ اقتباسات اُن کی کتاب سے نقل کر رہے ہیں تاکہ معاملہ کی تفصیلات سے عام قارئین آگاہ ہو سکیں۔ قاضی صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ

بخدمت سید باقر حسین شاہ صاحب سبزواری

سلام مسنون۔ آپ نے مولانا محمد یعقوب شاہ صاحب خطیب اہل سُنّت بھالیہ ضلع گجرات کے نام جو سوالنامہ ارسال کیا تھا وہ انھوں نے جواب کے لئے میرے پاس بھیجدیا ہے۔

آپ نے اپنے خط میں لکھا ہے کہ

مندرجہ ذیل دس سوالات سید عالم عبدالکریم مشتاق صاحب نے اہل السنّت والجماعت سے پوچھے ہیں اور تحریر و تقریر ہی طرح کہا ہے کہ جو سُنّی مولوی ان دس سوالات کے جواب صحیح دے گا اس کو میں مبلغ دس ہزار روپئے بطور نقد انعام پیش کروں گا اور اپنا شیعہ مذہب ترک کر کے سُنّی مذہب قبول کر لوں گا بصورت دیگر علمائے اہل سُنّت کو دعوت دی جاتی ہے کہ عقیدہ باطل چھوڑ کر مذہب شیعہ حق قبول کر کے سعادت دارین حاصل کریں[1] اور آپ نے اس خط کے آخر میں یہ لکھا ہے کہ

"میں سید باقر حسین شاہ آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ مندرجہ بالا سوالات کے جوابات شافی جتنا جلد ممکن ہو سکے جلد از جلد میرے ذریعہ ذیل پتہ پر ارسال کریں۔ ورنہ میں اور میرے دیگر ہم خیال جنکے پاس ان سوالات کا کوئی شافی جواب نہیں ہے کہ تعداد تقریباً دو ہزار نفوس

[1] یہ عبارت لفظی طور پر مجھ سے منسوب کی گئی ہے حالانکہ کتاب میں ایسی عبارت بایں الفاظ کہیں نہیں لکھی ہے۔

پر مشتمل ہے مذہب اثنا عشریہ حقہ قبول کر لیں گے۔ فی الحال ہم سب آپ کے جوابات کا انتظار کر رہے ہیں۔ اگر آپ کا جواب 78-۱۵-۱۴ تک نہ ملا تو پھر ہم سب کے لئے اعلانیہ مذہب شیعہ حقہ کو قبول کرنا ضروری ہو جائے گا۔"

چار ہزار اکھڑے پیر قاضی صاحب کی تحریر کردہ اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ چار ہزار اثنا عشری افراد کی جماعت کے چار ہزار اکھڑے پیر اور اتنی سراری نظری کا اہل سنۃ والجماعۃ سے منہ موڑ لینے کا ارادہ قاضی صاحب کے لئے باعث پریشانی ہوا اور یہی بات ان کے جواب تحریر کرنے کی محرک ٹھہری۔ لہٰذا غافل و ناواقف سنیوں کو محو خواب خرگوش رکھنے کی غرض سے قاضی صاحب کو یہ پوری کتابی صورت میں سنانے کی ضرورت پیش آ گئی۔ قاضی صاحب کی تحریر سے اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے میری اصل کتاب "ہزار تمہاری دس ہماری" کے مطالعہ کی زحمت نہیں اٹھائی اور صرف باقر صاحب کے ارسال کردہ سوالنامہ ہی کو پیش نظر رکھتے ہوئے جواب لکھ مارا جسے میرے نزدیک جواب کہنا ہی "لاجواب مذاق" ہے۔ لیکن قابل افسوس بات یہ ہے کہ کتاب کی طباعت و اشاعت سے قبل قاضی صاحب تک میری اصل کتاب پہنچ چکی تھی جس کا ثبوت خود ان کا اپنا یہ اقرار ہے کہ "جناب شاہ صاحب یوسف (یعقوب شاہ) کے اجازت نامہ کے بعد ان ہی ایام میں ہمیں شیعہ مصنف عبدالکریم صاحب مشتاق کی ایک مطبوعہ کتاب دستیاب ہوئی جس کا نام ہے "ہزار تمہاری دس ہماری" ۱۹۷۶ء کی اس مطبوعہ کتاب کے آخر میں بھی زیر بحث دس سوالات لکھے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دس سوالات پہلے سے شائع شدہ ہیں اس لئے ان کے جواب بنام "سنی مذہب حق ہے" کی اشاعت کی ضرورت اور زیادہ محسوس کی گئی ہے۔" صفحہ

پس جب جوابی کتاب طبع ہونے سے قبل سائل کی کتاب مجیب کو دستیاب

پرچہ بھی قرآن کی بنیادی ذمہ داری یہ تھی کہ اس کا بغور مطالعہ فرما کر اپنا جواب چھپوائیے کیونکہ جو کچھ انھوں نے جواباً تحریر کیا ہے اس کا لفظ لفظ پہلے اسی کتاب میں ادا کیا جا چکا ہے مگر قاضی صاحب نے اس کو باقر شاہ اور ان کے دو ہزار ساتھیوں کا انحراف باختہ کہہ کر ٹال کر ذمہ داری کیسے محسوس ہو سکتی تھی۔

۱۵/۷/۷۸ کی تاریخ کا تقریر یعقوب شاہ صاحب کا اظہار عجز اور دو ہزار نفوس کا جماعتی نقصان وغیرہ ایسی باتیں تھیں کہ قاضی جی کی نیند حرام ہو چکی ہو گی لہٰذا گھبراہٹ بلکہ بوکھلاہٹ میں جو کچھ سوجھا سپرد قلم فرما دیا۔

میرا مسلمان بھائیوں کو "تمسک بالثقلین کا حکم رسول یاد کرانا اور یقینی پار لگنے والے بیڑے میں سوار ہو جانے کی علانیہ نصیحت کو دہرانے رہنا دیگر جعلی ملاحوں کی طرح قاضی صاحب کو بھی دونوں آنکھوں میں کھٹکا لہٰذا اپنے سے بدظن لوگوں کی ڈھارس بندھانے کی غایت سے میرے متعلق تحریر کیا کہ

مشتاق بر شکوہ بیجا

"مولوی مشتاق صاحب شیعہ کی چند دیگر تصانیف بعد دو رسالے میں شیعہ کیوں ہوا؟ فروع دین وغیرہ بھی بعض احباب کے ذریعہ پہنچی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ مشتاق صاحب موصوف کا محبوب ترین مشغلہ سنی مذہب کی مخالفت ہے اور ہر ممکن کوشش سے نبی کریم رحمت للعالمین خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس جماعت صحابہ کرام اور خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کی جلیل شخصیتوں کو مجروح کرنا ان کی زندگی کا نصب العین ہے۔ مشتاق صاحب غالباً شیعہ علماء کے زمرہ میں شامل نہیں ہیں ان کے نام کے ساتھ ادیب فاضل لکھا ہے۔ معلوم نہیں وہ کون ہیں۔ کہاں کے ہیں اور کن کن شیعہ علماء و مجتہدین سے استفادہ کرتے ہیں۔ بہر حال ان کے نام سے متعدد کتابیں

ملک میں اشاعت پذیر ہیں۔"

عبدالکریم کی صفائی

میں قاضی صاحب سے بصد معذرت گذارش
کروں گا کہ مجھے سُنی مذہب سے نہ کوئی ذاتی عداوت
ہے اور نہ ہی کچھ مخالفت کیونکہ میں تو خود ایک سُنی گھرانے میں پیدا ہوا اور یہیں
پروان چڑھا میرے والد بزرگوار تاحال اپنے مسلک پر قائم ہیں مگر معاملہ
دین کا ہے سوال نجات کا ہے۔ لہٰذا ہر شخص کو چاہیئے کہ عاقبت اندیشی کو ملحوظ
رکھے چونکہ مذہب سنیہ میں اچھے و بُرے میں تمیز کرنے پر پابندی ہے اور سب کو
عادل و ناجی ماننے کی مجبوری ہے لہٰذا مجھے اس قید بلا جواز سے اتفاق نہیں ہوا۔
اس لیئے جُدائی اختیار کرنے میں اپنا بھلا محسوس کیا میں نے ان ہی بزرگوں کو
واجب الاطاعت تسلیم کیا جنکی پاکیزگی و راست بازی کو اُمت کے ہر طبقہ سے تائید
حاصل ہے مجھے ارضی فتوحات میں کوئی کشش و جاذبیت محسوس نہ ہوئی
اور نہ ہی ملک گیری و خونریزی کو میں نے علامت حق قبول کیا کیونکہ کافر، مشرک
فاسق اور فاجر بادشاہوں کے جارحیت و تاراجی کے کارنامے مسلمان سلاطین
سے کہیں بڑھے ہوئے ہیں مگر ان کی یہ ہوس ملک گیری اُن کے امام و ہادی ہونے
کی دلیل نہیں بن سکی لہٰذا میں نے اُن روحانی بادشاہوں کی چوکھٹ پر اپنی
پیشانی جھکا دینا سعادت مندی سمجھا ہے کہ جن کی حکومت مسلمانوں کے دلوں پر
ہے بظاہر وہ تاج و تخت اور سلطنت سے محروم ہیں لیکن ان کا سکہ ہر صاحب
ایمان کے قلب پر چل رہا ہے۔

محترم قاضی جی! میں سیدھا سادہ، ناتجربہ کار ایک نوجوان مسلمان ہوں
آپ نے یہ بات بجا ارشاد فرمائی ہے کہ بندۂ عاجز کا شمار علماء کے زمرے میں نہیں
ہے فی الحقیقت میں ایک بے مایہ، بے بضاعت، کم علم طالب ہوں۔ مگر

علم و حکمت کے گھر کے دروازہ کا گداگر ہوں۔ اس گداگری نے مجھے تمام دوسرے دروازوں سے بے نیاز کر دیا ہے کہ ظرف و حاجت کے مطابق بھیک ٹکڑے ہاتھوں ملتی رہتی ہے۔ مذہب شیعہ حق ہے یا نہیں مجھے اس سے فی الحال سروکار نہیں مگر یہ بات یقینی ہے کہ اس مذہب سے وابستگی جنت کی ضمانت ہے کیونکہ جن ہادیوں کو اس مذہب میں پیشوا تسلیم کیا جاتا ہے جنت کی سرداری ان ہی کے ہاتھوں میں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سنی کتب کے مطابق حضرت فاطمہؑ جنت کی عورتوں کی سردار ہیں۔ حسنؑ و حسینؑ جنت کے جوانوں کے سید ہیں اور ان کے والد ان سے افضل ہیں لہٰذا بات جب جنت پر ہی ختم ہوتی ہے تو پھر سرداران جنت ہی سے کیوں نہ تمسک رکھا جائے جب کہ صحابہ کا جنت میں جانا ضروری نہیں ہے۔ کیونکہ صحاح میں کتاب الفتن اور کتاب الحوض میں مرقوم روایات کے مطابق اصحاب کا مستقبل مخدوش اور غیر یقینی ہے۔ سنی مذہب ایسے گروہ کو مطاع ماننے پر مصر ہے جن کا اپنا حشر قطعی نیک نہیں ہے۔ جبکہ شیعہ اُن لوگوں کو امام و ہادی مانتے ہیں جن کو رسولؐ نے جنت کے سردار و امیر ہونے کا اعزاز عطا فرمایا ہے۔ اور خود حضرت ابوبکر کا قول ہے کہ "کوئی شخص اس وقت تک پُل صراط پار نہ کر سکے گا جب تک کہ علیؑ اس کو پروانہ راہداری نہ دے دیں"۔ پس میں نے حضرت صدیق اکبر کی زبان کا اعتبار کر لیا۔ علیؑ کی غلامی کو دنیا کی شاہی پر فوقیت دی آپ نے مجھ پر یہ الزام دھر دیا کہ میں صحابہ کی جنتی شخصیتوں کو مجروح کرتا ہوں لیکن اُن کو جنتی ثابت کرنے سے گریز فرمایا جبکہ خود مذہب سنیہ کے مطابق صحابہ کا جنتی ہونا کوئی ضروری بات نہیں بلکہ کئی اصحاب کا جہنمی ہونا ثابت شدہ امر ہے۔ ایک مثال بطور ثبوت لکھتا ہوں، جو اس شخص کی ہے جو نہ صرف صحابی تھا بلکہ خدمت گار پیغمبر خدا

بھی تھا۔

دوزخی صحابی

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک غلام تحفۃً دیا جس کا نام "مدعم" تھا وہ ایک سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری پر پالان کس رہا تھا کہ اسے اچانک نا معلوم تیر لگا اور وہ ختم ہو گیا لوگ یہ حالت دیکھ کر کہنے لگے۔ زہے نصیب اسے تو جنت حاصل ہو گئی (کیونکہ ایک تو اللہ کے رسول کا صحابی تھا دوسرے خادم تھا تیسرے اسے شہادت حاصل ہوئی) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "ہرگز اس کی مغفرت نہیں ہوئی۔ اس ذات پاک کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے وہ چادر جو کہ اس نے خیبر والے دن مال غنیمت میں سے تقسیم ہونے سے پہلے لے لی تھی وہ اس پر آگ بن کر بھڑک رہی ہے۔ جب یہ بات لوگوں نے سنی تو ایک آدمی (صحابی) جوتی کا ایک تسمہ یا دو تسمے لیکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے فرمایا تیرے لئے آگ کا ایک تسمہ یا دو تسمے ہیں۔" (متفق علیہ از مشکوۃ شریف)

بارگاہ رسالت میں گذارش

اس روایت کی روشنی میں گنہگار مشتاق بارگاہ رسالت میں عرض کرتا ہے کہ یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں صحابی "مدعم"، کہ سرکار کا خدمتگذار ساتھی خیبر کے مال میں سے ایک چادر کے غصب سے مغفرت سے محروم ہے تو پھر بعض صحابہ نے فدک وغیرہ غصب کیا ان کے لئے کیا حکم ہے۔؟ الغرض سیدھی بات ہے کہ لوگ ہیر پھیر کر کے جب سنی پیروں، مرشدوں اور اماموں کی خود اپنی آخرت مشکوک ہے تو پھر ان کی مریدی

اختیار کرنے سے کیا حاصل ہے۔ شیعہ مذہب اختیار کرکے کم سے کم اتنا تو بھروسہ ہوتا ہے کہ پیر کامل ہیں۔

اگر شیعہ مذہب حق نہ ہو تو

حضرت قاضی صاحب ایس نے شیعہ مذہب قبول کرنے سے قبل اپنی خداداد دقت وفراست کو پوری طرح استعمال کیا ہے۔ مکمل غور وخوض اور سوچ وبچار کے بعد اس راہ کو نجات کی راہ متعین کیا ہے کیونکہ کسی بھی صورت سے اس مذہب میں مجھے اپنی عاقبت خراب نظر نہیں آتی ہے زیادہ سے زیادہ اگر بازپرس کا خوف ہے تو وہ اعمال وافعال کے لئے ہے اعتقاد وایمان کے اعتبار سے قطعاً کوئی خطرہ نہیں ہے کیونکہ بفرض محال اگر شیعہ مذہب حق نہیں ہے اور سنی مذہب حق ہے تو ان دونوں مذاہب کا بنیادی طور پر صرف ایک اختلاف ہے۔ اگر یہ ایک اصولی اختلاف ختم ہو جائے تو دونوں مذہبی بھائیوں کا ملاپ ہونا عین ممکن ہے۔ مذکورہ اختلاف حضرات ثلاثہ کی عزت واحترام کا ہے۔ سنی حضرات ان تینوں بزرگوں کو خلفاء راشدین اعتقاد کرتے ہیں جبکہ شیعہ لوگ حضرت علیؑ کو خلیفہ بلافصل مانتے ہیں تمام مسلمانوں کا متفقہ عقیدہ ہے کہ یہ تینوں بزرگ نہ ہی معصوم خلیفے تھے اور نہ ہی منصوص۔ نیز ان کی خلافت، امامت یا صحابیت پر ایمان لانا مسلمان ہونے کے لئے ضروری نہیں ہے البتہ مسلک سنیہ ان حضرات کے احترام وتعظیم کا تقاضا ضرور رکھتا ہے اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ یہ بزرگ صحبت رسولؐ کے حلقہ دار تھے حضورؐ کے یاران وفادار تھے۔ لیکن شیعہ اس مطالبہ کو نظر انداز کرتے ہوئے بھی اپنی عاقبت سے مطمئن ہیں کیونکہ ان کی عزت وتکریم صرف نسبت رسولؐ سے وابستہ ہے اگر وہ حضرات فی الحقیقت سچے وفادار ان رسولؐ تھے تو بھی شیعہ آن سے لاتعلقی

کے الزام سے بری قرار دیئے جائیں گے اور نجات کے سلسلے میں اس الزام پر اُن کو کسی سزا کا مستحق قرار نہیں دیا جائے گا اس لئے کہ شیعہ اگر اُن اصحاب سے کدورت رکھتے ہیں تو محض محبّت رسُولؐ و آل رسُولؐ کی غایت سے چنانچہ میں نے ایک روز عالمِ تخیل میں سوچا کہ اگر روزِ قیامت اُن اصحاب نے جن سے میں عقیدت و محبت نہیں رکھتا بارگاہ خداوندی میں یہ شکایت دائر کر دی کہ شیعہ ہمارے ساتھ معاندانہ رویہ رکھتے تھے تو میں کیا جواب دوں گا کہ اپنی خلاصی کراؤں گا چنانچہ جواب معلوم ہوا کہ بارگاہ احکم الحاکمین میں یہ عرض کروں گا کہ رب العزت میرا اس معاملہ میں رتی بھر بھی قصور نہیں ہے اگر اجازت ہو تو عرض کروں کہ تو نے جتنا علم و فہم مجھے عطا کیا اس کے مطابق بصد ادب مختصراً اپنی صفائی کا بیان پیش کرتا ہوں کہ

بارگاہِ الٰہی میں جواب

جس زمانہ میں سیدۃ النساء، صدیقۃ الکبریٰ حضرت فاطمہ زہرہ سلام اللہ علیہا اور سیدالاولیاء شیرِ خدا حضرت علی علیہ السلام اور حضرات ثلاثہ میں معاملات واقع ہوئے میری مشت خاک کا وجود اس دُنیا میں نہ تھا تیرے پیارے رسُولؐ کی وفات کے ڈیڑھ دو سو سال بعد مسلمان علماء نے ان واقعات کو سپرد قلم کیا پھر تو ڈیڑھ ہزار برس بعد تو نے ان تحریروں کو پڑھنے کی توفیق بخشی ان عقلاء اسلام نے جو مذہبی لحاظ سے حضرات ثلاثہ کے گرویدہ، مداح و معتقد تھے اپنے خلفاء کی تصویروں کو ایسے بدنما خطوط سے بنایا کہ جس کو دیکھتے ہی بخیر جانبدار اور آزاد ذہن ناظر کے جی میں نفرت کے جذبات بھڑک اُٹھتے ہیں۔ باوجودیکہ میں نے پوری احتیاط اور باریک بینی سے ان تصویروں کی ہیئت و شمائل کو دیکھا مگر مصوروں نے ایسے کانپتے ہاتھوں سے ان کو بنایا تھا کہ کوئی ایسا مقام

دلفریب نظر نہ آیا کہ جہاں نگاہ نظارہ ٹھہر کر دلکشی سے لطف اندوز ہوتی بلکہ مجبور
ہو کر ان تصویروں کو پس پشت ڈال دیا تو خود منصف ہے ایسی مکروہ تصاویر
پر کب تک نگاہ ٹھہر سکتی ہے ان تصویروں میں ہم نے دیکھا کہ کہیں "ثُمَّ لَہُم
ھدا بین"، کا نقشہ دکھایا گیا تھا کس طرح یہ جاں نثاری کے دعویدار میدان جہاد
سے دُم دبا کر فرار ہو گئے رہے رسولؐ نرغۂ اعداء میں پکارتے رہے کسی نے
جواب دینا تو درکنار پلٹ کر دیکھنا بھی گوارہ نہ کیا۔ ویسے ہمارے زمانے میں
ان کے بارے میں بہت سے جھگڑے زیر بحث رہے مگر اصولی تنازعہ خلافت کا تھا
میرے شیعہ بھائی خلافت کا حقدار حضرت علیؑ کو سمجھتے تھے کیونکہ شیعہ و سنی تمام
علماء نے تسلیم کیا تھا کہ غدیر پر رسولؐ کریم نے خلافت کی پگڑی جناب امیرؑ کے
سر پر خود باندھ کر تمام مومنین و مومنات کا مولا قرار دیا تھا لیکن ان حضرات ثلاثہ
کے طرفدار خلاف رسولؐ یہ مشہور کیا کرتے تھے کہ حضورؐ نے کسی کو بھی خلیفہ مقرر
نہیں کیا بلکہ یہ معاملہ مسلمانوں کی صوابدید پر چھوڑ دیا تھا چنانچہ مسلمانوں نے حضرت
ابوبکر کو اپنا سردار مان لیا۔ حضرت ابوبکر نے حضرت عمر کو نامزد کیا اور جناب عمر
نے بذریعۂ پنچائت یہ امر حضرت عثمان تک منتقل کر دیا اس کے بعد غلبہ و تسلط
پر جواز خلافت ہوا۔ جس سے معاویہ، یزید، مروان، عبدالملک اور ولید وغیرہم
سب کے سب جائز خلیفے اور نائب رسولؐ مانے گئے۔ خالق دو جہاں! تو نے
مجھے عقل و دانش کا عطیہ دیا تھا اور غور و فکر کرنے کا حکم بھی تیری جانب سے
صادر تھا لہٰذا جب میں نے تدبر کیا تو یہ طریقہ مجھے پسند نہ آیا۔ عقلاً یہ بات
کیسے درست ہو سکتی ہے کہ ناقص الرائے جماعت کو عنان ہدایت سونپ
دی جائے حالانکہ ہدایت کا بندوبست ابتداء سے تا ہنوز تو نے اپنے ہاتھ میں رکھا
اور خود اپنے مصطفٰے بندوں کو اس کام پر مامور کیا کبھی جمہور کو یہ اجازت نہ دی کہ

ایک سکینڈ کے لئے بھی اپنے میں سے کسی والا و لائق شخص کو نبیؑ یا رسولؐ بنا کر اس سے ہدایت لینا شروع کر دیں۔ پس جب نبی بنانا عوام کے اختیار میں نہیں تو وصی اللہ کا انتخاب کرنا کیونکر خلائق کے ہاتھوں میں دیا جا سکتا ہے حضرات ثلاثہ کا تعارف اس انداز سے کرایا گیا کہ ان لوگوں نے اپنی مرضی سے چنا جبکہ شیعہ کے نزدیک خلیفۃ الرسول کا منصوص و معصوم ہونا لازمی ہے پس میں نے الناس کے بنائے ہوئے افراد پر اعتبار کرنے کی بجائے تیرے مقرر کردہ ہادیوں کو اپنا پیشوا تسلیم کیا بحمد رب میں نے ان حضرات کے مریدوں کی مشہور کتابوں میں وہ نامحمود طریقے پڑھے کہ جس طرح حضرت اوّل بر سر اقتدار آئے تو میرے پیروں تلے سے زمین نکل گئی یہ تو تیرا فضل خاص ہے تو نے میرے ایمان و اسلام کی حفاظت کی ورنہ بھی تقریباً ہوتا تھا کہ ایسے اسلام کو سات سلام کر کے غیر مسلم بن جاؤں میں نے ان حضرات کے عقیدت مندوں کی صحیح کتابوں میں یہ منظر دیکھے کہ یہ بزرگ اپنے محسن رسولؐ کو بلا کفن و دفن چھوڑ کر سقیفہ بنی ساعدہ میں اقتدار کے بٹوارے کے لئے چلے گئے وہاں صرف ابو عبیدہ بن جراح اور عمر بن خطاب کی رائے سے ابو بکر صاحب بادشاہ بن گئے۔ انصار صحابہ جن کو اس امارت سے اختلاف ہوا مار پیٹ کر نکال دیئے گئے رسولؐ کے خاندان کو اس مشورہ میں ہرگز شریک نہ کیا گیا۔ عقل دنگ ہے میرے مالک! کہ ایک ایسا فرد جس کو ایک سورہ کی تبلیغ کرنے سے معزول کر دیا گیا تھا وہ ہادی برحق کا مسند نشین کس اہلیت و استحقاق کی بنا پر بنا دیا گیا۔

یارانِ ثلاثہ کی گواہی

اے میرے پروردگار! تو ہر شئے سے واقف ہے۔ تجھے معلوم ہے قرآن شریف کے بعد یارانِ ثلاثہ بخاری شریف کو اصح الکتب مانتے ہیں میں نے اس قدر صحیح کتاب میں لکھا ہوا بھی ان گنہگار آنکھوں سے پڑھا کہ تیرے محبوب رسولؐ کی چہیتی و اکلوتی

بیٹی جس کے بارے میں محبوبؐ ربانی نے فرمایا تھا کہ "فاطمہ میرے جگر کا ٹکڑا ہے" جس نے اسے ناراض کیا اس نے مجھے ناراض کیا اور جو رسول کو ناراض کرے گا۔ ربّ رسولؐ تو اس سے بغیر پوچھے ہی ناراض ہو جائے گا۔ ایسی لخت جگر پیغمبرؐ یعنی رسولؐ خاتونِ جنّت بتول بنت رسول حضرت ابوبکر سے اس قدر ناراض ہوئیں کہ تا دم انتقال ان سے کلام نہ کیا اسی طرح چاریاری مذہب کی دوسری بڑی کتاب صحیح مسلم میں یہ مطالعہ کیا کہ بی بی پاک صلوٰۃ علیہا نے اس شدت غضبناکی کا اظہار فرمایا کہ حضرت ابوبکر وغیرہ کو اپنے جنازہ پر آنے سے روکنے کی خصوصی وصیّت فرمائی اور ان ہی چاریاری مذہب کی مستند یہ جاری کتب میں ہم نے یہ بھی پڑھا کہ فاطمہؑ کے گھر جہاں تیرے حکم سے فرشتے چکیاں پیسنے آتے تھے اور تیرا رسولؐ اس دروازے پر روزانہ سلام رحمت پڑھا کرتا تھا۔ حضرت عمر صاحب نے اس رشک جنت مکان کو آگ لگانے کا قصد فرمایا بعض سُنّی علماء نے یہاں تک لکھا کہ سیّدہ کے پہلو پر دروازہ پھینک کر آپ کو زخمی کر دیا گیا اسی جماعت کے مقتدر علماء نے اپنی تالیفات و تصنیفات میں حضرت عثمان کی کنبہ پروری اور قرآن سوزی کے واقعات قلمبند کئے اور کیا عرض کروں میرے مالک تو جانی جان ہے۔

تیرے علم میں ہے کہ میں نے کچھ ایسی ویسی باتیں اپنی کتاب "فروع دین" میں نشان کر دی ہیں لہٰذا مشہور و معتبر امام اہلسنّت کی صحیح مسلم سے حضرت علیؑ کی زبان سے بیان کردہ الفاظ نقل کر کے اپنی صفائی کے بیان کو سمیٹتا ہوں کہ بمطابق مسلم شریف حضرت عمر کے بقول حضرت علی نے حضرت ابوبکر و عمر کو "کاذب"، "غادر"، "خائن"، اور "آثم"، قرار دیا۔ اب تو خود انصاف والا ہے بھلا "لسان اللہ"، کے دہن مبارک سے نکلے ہوئے یہ الفاظ حقیقت پر مبنی تھے یا نہیں۔ میرے لئے سکوت بہتر ہے علی ھٰذا القیاس اسی طرح کی ہزاروں باتیں تھیں جو یہ ثابت کرنے کے لئے کافی ہیں

کہ فرمودات علمائے اہل سنت ہی کے مطابق یہ حضرات دشمنانِ رسولؐ و آلِ رسولؐ نظر آتے تھے لہٰذا میں نے محبت کا تقاضہ پورا کرنے کے لئے محبوب کے دشمنوں سے نفرین کرنا وہ فاشعاری سمجھا میں نے صرف تیرے رسولؐ کی محبت اور تیرے نبی کی عترت کی مودۃ کے بپیش نظر ان حضرات کو دشمنانِ رسولؐ و اہل بیت سمجھتے ہوئے اپنے دل میں کوئی جگہ نہیں دی ورنہ میری نہ تھا کوئی ان سے ذاتی پرخاش تھی اور نہ ہی خاندانی رنجش اور رقابت میری اس مخالفت کی وجہ محض حمایت خاندانِ رسولؐ تھی۔

کاش سُنی علماء اپنے ان بزرگوں کے متعلق ایسی توہین آمیز اور نفرت انگیز باتیں اپنی کتابوں میں نہ لکھتے تو میرے لئے اور میرے شیعہ بھائیوں کے لئے یہ ممکن نہ ہوتا کہ ان حضرات سے بدگمان ہو جاتے اعمال کا انحصار نیتوں پر ہوتا ہے اور تیری ذات دلوں کے راز بہتر جانتی ہے کہ ہمارا البغض صرف محبت رسولؐ کے باعث تھا۔ ورنہ یہ کیونکر ہو سکتا تھا کہ ہم ان کو دوستِ رسولؐ سمجھتے ہوئے اپنا دوست نہ رکھتے۔ ہمیں کسی کی ذات یا خاندان سے کوئی پرخاش نہیں یہی وجہ ہے کہ اگر ہم حضرت ابوبکر کا کوئی مقام تسلیم نہ کرتے تھے تو ان کے فرزند حضرت محمد بن ابوبکر رحمت اللہ علیہ کی تعظیم و تکریم بطور آلِ رسولؐ کی حیثیت سے کرتے تھے۔ یزید پر ہم صبح و شام لعنت بے شمار کرتے تھے مگر اس کے بیٹے معاویہ ثانی سے کوئی رنجش دل میں نہ رکھتے تھے۔ ابوسفیان و معاویہ سے عداوت رکھتے تھے مگر ان کی بیٹی و بہن حضرت اُم المومنین اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا کو محترمہ و معظمہ سمجھتے تھے۔

دستاویزی ثبوت

پس اے عادل العادلین حاکم اگر یہ حضرات بے خطا و بے قصور ہیں تو ہمیں ان بے چاروں سے کوئی عداوت نہیں۔ جو کچھ ہم سے ہوا۔ ہوا ہوا اور ان کے دوستوں کی باتوں سے مجبور ہو کر ہوا۔ لہٰذا ہم قطعاً بے قصور ہیں اس لئے التماس کرتے ہیں کہ وہ تمام سُنی کتب ان بزرگوں

کو دکھا دی جاویں جن میں ان کے حامی علمائے اہلسنت نے ایسے مضامین درج کئے ہیں جن سے ان بے چاروں کا ظلم و جبر بحق محمد و آل محمد علیہم السلام ہونا پوری طرح ثابت ہوتا ہے۔ جب یہ حضرات بچشم خود ان تحریروں کا معائنہ فرمائیں گے تو ان کی ہمدردیاں بھی ہم شیعوں کو حاصل ہوں گی اور خدا کے سامنے برملا اعتراف کرلیں گے بے شک شیعہ بے قصور ہیں ہمیں خود ہمارے ہی مریدوں نے ان سے بے عزت و بے وقعت کروایا ہے ہمارے گھر کو ہمارے گھر کے چراغوں ہی نے پھونکا ہے۔

فیصلۂ خداوندی

پس اللہ تعالیٰ کی ذات غفار و رحیم ہمارے لئے حکم صادر فرمائے گی کہ

"شیعیانِ اہلبیتؑ بے قصور ہیں"

یقین محکم

چنانچہ بہ ہیں کے اسی یقین محکم کے ساتھ بندۂ عاجز نے اپنے پرانے مذہب کو ترک کر دینے میں اپنی بہتری سمجھی اور فرمان رسولؐ کے مطابق متمسک بالثقلین ہونے کا مصمم قصد کر لیا اس صحیح فیصلے پر نہ ہی مجھے کوئی پشیمانی ہے اور نہ ہی کسی ملامت کرنے والے کی پرواہ ہے کیونکہ معاملہ آخرت کا ہے۔ اور روز محشر محمدؐ کے گھر کے علاوہ کسی دوسری جگہ سایۂ شفاعت نصیب نہیں ہو سکے گا۔ یہی پیغام میں شائع کرنا اپنی زندگی کا مشن سمجھتا ہوں۔ جب تک مولا کو منظور ہے آواز حق بلند کرتا رہوں گا۔ اور رسولؐ برحق کا پیغام دہراتا رہوں گا کہ

"حق علیؑ کے ساتھ ہے اور علیؑ حق کے ساتھ ہے۔ اے اللہ! پھیر دے حق کو ادھر جدھر علیؑ پھر جائے"

یعنی بمطابق ارشاد پیغمبرؐ "حق" تابع ہے "امام برحق علی ابن ابیطالبؑ کا"

پس اگر علیؑ کو چھوڑ کر حق تلاش کیا جائے گا تو وہ حق نہیں باطل ہوگا۔ جھوٹ ہوگا ضلالت و گمراہی ہوگا۔ یہی "تشریحِ حق" اس کتاب کا نفسِ مضمون ہے۔

ہر لب پہ خفی جلی ہے
شور یہ ہی گلی گلی ہے
حق یہی ہے علیؑ ولی ہے
علیؑ علیؑ ہے، علیؑ علیؑ ہے

دعاگو

عبدالکریم مشتاق

کتاب "ہزار تمہاری دس ہماری" میں مطبوعہ سوالات

دس ہزار روپیہ کے دس سوال

ہزار سوالات کے جوابات دینے کے بعد اب ہم مذہب شیعہ کی طرف سے صرف دس سوالات دریافت کرتے ہیں اور اعلان کرتے ہیں کہ جو کوئی غیر شیعہ مسلمان بھائی ان سوالات کا تسلی بخش جواب دے گا اس کی خدمت میں مبلغ دس ہزار روپیہ صرف بطور انعام پیش کیا جائے گا۔ مجیب کے لئے ہماری یہ پیشکش غیر مشروط ہو گی مگر جوابات بمطابق سوالات ہونے چاہئیں۔ اور غیر متعلقہ یا خارج الموضوع مباحث سے اجتناب کیا جائے ظنی استدلالات اور نامکمل جوابات ناقابل قبول ہوں گے۔

سوال نمبر ۱۔ آپ حضرات خود کو "سنی" یا "اہل سنۃ والجماعت" کہلواتے ہیں۔ براہ مہربانی کتب صحاح ستہ میں کوئی ایسی روایت دکھائیے جس میں حضرات ثلاثہ (ابوبکر، عمر، عثمان) میں سے کسی ایک نے بھی یہ کہا ہو کہ "میں سنی ہوں" یا "میرا مذہب اہل سنۃ والجماعۃ ہے"، حوالہ مکمل دیجئے۔ اور پیش کردہ روایت کی توثیق بھی تحریر فرمائیے۔

سوال نمبر ۲۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے لکھا ہے کہ "افعال قبائح کی قدرت و تمکین بندے کو بخشنا اسی (خدا) کا کام ہے"۔ (تحفہ اثنا عشریہ) جب ہم اس جملے کا تجزیہ کرتے ہیں تو نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ اہل سنۃ صدور برائی کو اللہ تعا

سے تجویز کرتے ہیں۔ اس تجویز سے ذاتِ خداوندی کی بے ادبی ظاہر ہوتی ہے۔
عقلاً جواب دیجئے کہ یہ عقیدہ کیونکر معقول ہے؟

سوال نمبر ۳۔ "رنگیلا رسول" نامی ایک کتاب شانِ رسالت مآبؐ کی گستاخی میں لکھی گئی اس میں تمام روایات معتبر کتب سُنیہ سے نقل کی گئی ہیں۔ کیا کوئی سنی المذہب صاحب یہ ثابت کر سکتے ہیں کہ گستاخ رسولؐ مصنف نے کوئی ایک ہی بات کسی شیعہ کتاب سے نقل کی ہو۔ ؟ اگر جواب بن پڑے تو مکمل حوالہ درکار ہے۔

سوال نمبر ۴۔ خلافت ثلاثہ کی تائید میں اکثر آپ کی طرف سے قرآن مجید کی آیتِ استخلاف سے استدلال پیش کیا جاتا ہے کیا صحاح ستہ میں کوئی ایک بھی روایت ایسی ملتی ہے جو مرفوع و متواتر ہو۔ اور اس کے تمام راوی ثقہ ہوں جس میں اصحاب ثلاثہ میں سے کسی ایک نے دعویٰ کیا ہو کہ آیت استخلاف ہماری خلافت کی دلیل ہے۔ اگر کوئی ایسی روایت ہے تو اس شرط کے ساتھ مکمل نشاندہی کرائیے کہ سلسلہ رواۃ میں ثلاثہ میں سے کوئی ایک صاحب ضرور موجود ہوں۔

سوال نمبر ۵۔ حافظوا علی الصلوٰۃ والصلوٰۃ الوسطیٰ وقوموا للّٰہ قانتین" (البقرہ ع ۲۳۸) یعنی تمام نمازوں کی عموماً اور درمیانی نماز کی خصوصاً حفاظت کرو۔ اور اللہ کے آگے قنوت میں کھڑے رہو۔ یہ حکم قرآن مجید میں موجود ہے لیکن جب ہم کسی سُنی المذہب کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہیں تو وہ ہمیں قنوت میں کھڑا نظر نہیں آتا ہے۔ بتائیے آپ کی نماز قرآن کے مطابق کیوں نہیں پڑھی جاتی؟

سوال نمبر ۶۔ اتقان جلد ۱ صفحہ ۶۰ پر علامہ سیوطی نے لکھا ہے کہ حضرت

عثمان نے اقرار کیا کہ ان کے جمع کردہ قرآن میں غلطیاں ہیں مگر ان کی تصحیح عرب خود ہی کر لیں گے۔ جواب دیجئے اس قول کی موجودگی میں قرآن کو غلطیوں سے پاک ماننے کا عقیدہ آپ کے مذہب کے مطابق کس طرح درست ہوا۔؟

سوال نمبر ۷۔ آپ حضرات کو امام مہدیؑ کی غیبت پر اعتراض ہے۔ بتایئے شیطان غائب ہے یا ظاہر؟ اگر غائب ہے تو معلوم ہوا کہ وہ عالم غیبت میں گمراہی پھیلاتا ہے لہٰذا جواب دیجئے کہ جب عالم غیبت میں گمراہی پھیلائی جا سکتی ہے تو ہدایت کا سلسلہ کیوں جاری نہیں رہ سکتا۔؟

سوال نمبر ۸۔ کیا آپ کسی معتبر تاریخی حوالہ سے یہ بات ثابت کر سکتے ہیں کہ جب حضرات شیخین نے جنازۂ رسولؐ بلا دفن چھوڑ کر سقیفہ بنی ساعدہ روانہ ہونے کا ارادہ کیا تو انھوں نے حضرت علیؑ یا حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب کو اپنے عزائم سے آگاہ کیا؟ اگر جواب اثبات میں ہے تو ثبوت فراہم کریں۔

سوال نمبر ۹۔ قرآن مجید کے پانچویں پارہ کی ابتدا میں آیت متعہ موجود ہے۔ آپ کا یہ دعویٰ ہے کہ "متعہ" زنا ہے۔ مہربانی کر کے آیت میں مستعمل لفظ متعہ کا ترجمہ ان ہی معنوں میں کیجئے۔

سوال نمبر ۱۰۔ قرآن کی اس آیت کا نشان بتایئے جس میں حکم ہو کہ —— "ماتم شبیرؑ کرنا حرام ہے"

والسلام

آپ کا خیر اندیش

عبدالکریم مشتاق

قاضی مظہر حسین صاحب کے جوابات بنام سید باقر حسین صاحب

سائل کے سوالات کا لاجواب ہونا مجیب کی اس خاموشی سے ثابت ہو جاتا ہے کہ موصوف نے ان پر اعلان کردہ انعامی رقم مبلغ دس ہزار روپیہ کا مطالبہ کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی اور نہ ہی اخلاقی طور پر یہ ضروری جانا کہ اپنے جوابات سے سائل کو براہ راست مطلع کرتے لیکن چونکہ اپنی ساکھ برقرار رکھنے اور اپنے مذہبی وقار کو بحال کرنے کی ذمہ داری کو محسوس کرتے ہوئے انہوں نے ڈوبتے کو تنکے کا سہارا دینے کی کوشش فرمائی ہے لیکن وہ ایک جھوٹ کو سچ ثابت کرنے کی سرتوڑ کوشش کے باوجود بھی کامیابی سے ہمکنار نہیں ہو سکے کہنے کو تو انہوں نے ان سوالات کو غیر علمی قرار دے دیا لیکن جواب دیتے ہوئے وہ اس قدر گھبرائے ہوئے معلوم ہوتے ہیں جیسے ایک کمزور طالب علم امتحانی پرچہ دیکھکر خوف زدہ ہو جاتا ہے بالکل بچوں کی طرح قاضی صاحب نے بھی اس سوالنامہ کو امتحانی پرچہ سوالات محسوس کیا ہے۔ اور ان کو حل کرنے کے لئے پہلے آسان سوالوں کو انتخاب کیا ہے چنانچہ سائل کی ترتیب سوالات کے برعکس قاضی صاحب نے سب سے پہلے تیسرا سوال منتخب کیا ہے اور اس کا جواب یوں دیا ہے۔ جو ہم ہو بہو روایت لفظی میں نقل کر رہے ہیں۔ تاکہ قارئین کو غلط و صحیح کا فیصلہ کرنے میں آسانی ہو جائے۔ پہلے ہم سوال نقل کریں گے اس کے بعد مطلوبہ امور کی نشاندہی کریں گے پھر قاضی جی کا جواب نقل کر کے اس پر اپنا جوابی تبصرہ پیش خدمت کریں گے۔

سوال نمبر ۳۔ "رنگیلا رسول" ناجی کتاب شان رسالت مآبؐ کی

کی گستاخی میں لکھی گئی۔ اس میں تمام روایات معتبر کتب سُنیہ سے نقل کی گئی ہیں۔ کیا کوئی سُنّی المذہب (صاحب) یہ ثابت کر سکتا (سکتے) ہیں کہ گستاخ رسولؐ مصنف نے کوئی ایک (ہی) بات بھی (×) کسی شیعہ کتاب سے نقل کی (ہو) ہے؟ اگر جواب بن پڑے تو مکمل حوالہ درکار ہے؟

(ط)۔ قاضی صاحب کا اصل کتاب کے مطالعہ کی ذمہ داری کو نظرانداز کرنا اس بات سے بھی ثابت ہے کہ سوالات کی عبارت لفظی اعتبار سے صحیح نقل نہیں کی گئی ہے۔ چنانچہ خطوط و حدانی میں ہم نے کتاب میں مندرج اصل الفاظ نشان کر دیئے ہیں۔

مطلوب:۔ سائل نے اس سوال میں صرف اتنی بات دریافت کرنے کی جسارت کی ہے کہ آیا کتاب "رنگیلا رسول" میں کوئی ایسی بات نقل کی گئی ہے جو شیعہ کتب میں سے منقول ہو۔ اگر مجیب کا جواب اثبات میں ہو تو اس کا ثبوت پیش کر دے۔ بس!

قاضی صاحب کا جواب:۔ (۱) سائل پر لازم تھا کہ وہ رنگیلا رسول میں صحیح حوالے کے ساتھ کسی مستند کتاب اہل سُنّت کی قابل اعتراض عبارت پیش کرتے۔ بلا ثبوت محض الزام سازی کی تو کوئی حیثیت نہیں ہے۔

(۲) آریہ پنڈتوں اور عیسائیوں (پادریوں) نے اسلام، قرآن اور حضور خیرالانام صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی اعتراضات وارد کئے۔ کیا پنڈت دیانند نے اپنی کتاب ستیارتھ پرکاش میں قرآن مجید پر اعتراضات وارد نہیں کئے؟ تو کیا ان اعتراضات پر قرآن آپ کے نزدیک مشکوک ہو جائے گا۔

(۳) اگر رنگیلا رسول کے مصنف نے اس میں کسی شیعہ مذہب کی کتاب کا

حوالہ نہیں پیش کیا تو اس کی وجہ یہ نہیں کہ شیعہ مذہب کی کتابوں میں قابل اعتراضات باتیں نہیں ہیں۔ بلکہ اس کے نزدیک اور عام غیر مسلم معترضین کے نزدیک چونکہ سواد اعظم اہل السنت والجماعت ہی اسلام کے نمائندے ہیں اور سنی مذہب کے خلفائے راشدین حضرت ابوبکر صدیق رض۔ حضرت عمر فاروق رض۔ حضرت عثمان ذوالنورین رض اور حضرت علی المرتضےٰ رض میں سے پہلے تین خلفاء رض نے نبی کریم خاتم النبین صلی اللہ علیہ (و آلہ) وسلم کے بعد روم وایران کی طاغوتی سلطنتوں کو نیست و نابود کیا ہے اور ان کی ہی مجاہدانہ قربانیوں سے نور اسلام نے اطراف عالم کو منور کیا ہے یہود و نصاریٰ نے ان کی اسلامی عظمتوں کا لوہا مانا ہے۔ اس لئے وہ دین اسلام کو مجروح کرنے کے لئے مذہب اہل السنت والجماعت پر ہی حملہ آور ہوتے ہیں شیعہ مذہب تو کتمان حق اور تقیہ کے پردوں میں لپٹا ہوا ہے۔ غیر مسلم معترضین کو اس پر حملہ آور ہونے کی کیا ضرورت ہے۔

سائل کا جوابی تبصرہ

اس سوال زیر بحث سے متعلق جو امر جواب طلب تھا ہم نے مطلوب کے ذیل میں واضح کر دیا۔ اب ناظرین خود سمجھ سکتے ہیں کہ مجیب نے مطلوبہ امر کا کیا جواب دیا میرے نزدیک وہ میرے سوال کا جواب دینے سے قطعی طور پر عاجز اور بے بس ہیں کیونکہ انھوں نے ایک بھی عبارت ایسی نشان نہیں کروائی کہ جو مصنف "رنگیلا رسول" نے کسی شیعہ کتاب سے نقل کی ہو بلکہ حسب عادت ظنی طور پر اعتراف کیا ہے کہ غیر مسلموں کے نزدیک شیعہ مذہب قابل اعتراض نہیں ہے۔ کیونکہ وہ تقیہ کے پردوں میں لپٹا ہوا ہے اور سنیوں کی کشتی اور آپ تلوار کے پھر انے والے وہ اب لے رہے

ہیں۔ سائل نے سوالات دریافت کرنے سے قبل ہی عرض کر دیا تھا کہ جوابات بمطابق سوالات ہونے چاہئیں۔ اور غیر متعلقہ یا خارج الموضوع مباحث سے اجتناب کیا جائے۔" مگر مجیب نے ہماری اس گزارش کو پس پشت ڈالتے ہوئے اصل بات سے ہٹ کر اپنے بزرگوں کی زور آزمائی خونریزی اور کشور کشائی کی ڈھینگیں ہانک کر اپنے حلقہ احباب سے داد تحسین حاصل کرنے کی بھونڈی کوشش کی ہے۔ مگر اصل جواب دینے میں بُری طرح ناکام ہوئے ہیں۔ میں پھر اُن کے لئے یا دیگر صاحبان کے لئے اپنا یہ سوال بار دیگر برائے جواب پیش کرتا ہوں کہ اگر کوئی ایسی عبارت کسی کو مل سکے جو کتب شیعہ سے اس کتاب میں منقول ہو تو بڑے شوق سے ظاہر فرما کر ہدیہ تشکر قبول کر کے انعام وصول کریں۔ اب اصل موضوع سے ہٹ کر جو کچھ مجیب نے تحریر کیا ہے اس پر میری جوابی معروضات حسب ذیل ہیں۔

۱۔ سائل کے جواب میں مجیب نے اپنے اول پیرا میں مطالبہ کیا ہے کہ مجھ پر لازم تھا کہ میں "رنگیلا رسول" میں صحیح حوالہ کے ساتھ کسی مستند کتاب اہل سنت کی قابل اعتراض عبارت پیش کرتا۔ بلا ثبوت محض الزام سازی کی تو کوئی حیثیت نہیں ہے۔

اس ضمن میں میری گزارش یہ ہے کہ رسوائے زمانہ کتاب "رنگیلا رسول" فرنگی حکومت کے دور میں آریہ پستک کالیہ لاہور کی جانب سے مئی ۱۹۲۴ء میں راجپال نے شائع کی تھی۔ راج پال کو لاہور کے ایک نوجوان مرد مسلم غازی علیم الدین شہید نے کیفر کردار تک پہنچایا۔ اور وہ خود عشق رسول میں تختہ دار پر چڑھ کر حیات دوام پا گیا۔ انگریزی حکومت نے اس کتاب کو بحق سرکار ضبط قرار دیا۔ لیکن اس کی شہرت پورے متحدہ ہندوستان

"ں ہوئی ہر کوئی مسلمان خواہ اس نے اس کتاب کو پڑھا ہے یا نہیں اس حقیقت سے بخوبی واقف ہے کہ اس نے تمام تر مواد کتب اہل سنت سے اخذ کیا لہذا ایسی شہرت کی حامل چیز کے لئے بلا ثبوت الزام تراشی کا جھوٹا الزام لگانا قاضی جی کی انتہائی بے انصافی ہے مجھے افسوس ہے کہ میں گندی نالی میں اینٹ پھینک چھینٹے اڑانا نہیں پسند کرتا ورنہ مطلوبہ عبارتیں بطور مثال ضرور نقل کر دیتا زینب کا قصہ"، زید کی کہانی واقعہ افک، وغیرہ سے متعلقہ باتیں اس گستاخ مصنف نے کتب شیعہ سے نقل کیا ہے۔ ۴۲ صفحہ کی یہ مختصر سی کتاب صرف سنی روایات کا مجموعہ ہے۔ جسے شوق ہو کہیں سے حاصل کر کے خود مطالعہ کر سکتا ہے۔ بحیثیت سائل میری یہ ذمہ داری نہیں ہے کہ میں سنی روایات نقل کروں کیونکہ میرا مطالبہ صرف اتنا ہے کہ کوئی شخص کسی شیعہ کتاب کی عبارت اس بدنام کتاب میں ڈھونڈ کر دکھا دے۔ ہاں البتہ اگر انکار کر دیا جائے کہ اس میں سنی روایات نہیں ہیں تو اس دعویٰ کا ثبوت پیش کرنا بذمہ مدعی ہوگا۔

میرا مطالبہ محض یہاں تک محدود ہے کہ شیعہ کتب سے کوئی بات بتلائی جائے جو اس کتاب میں بطور اعتراض زیر بحث لائی گئی ہو۔ بس۔ اسکے علاوہ دیگر مباحث سے مجھے کوئی واسطہ نہیں ہے۔

اگر میں سنی رہتا!

۲۔ قاضی صاحب نے اپنے پیرا ۲ میں سوال کیا ہے کہ آریہ پنڈتوں اور عیسائی پادریوں نے جو اعتراضات اسلام، قرآن اور رسول پر وارد کئے ہیں کیا ان اعتراضات کی بنا پر آپ کے نزدیک قرآن مشکوک ہو جائے گا؟

تو میرا صاف جواب یہ ہے کہ اگر میں سنی بن جاؤں تو فی الحقیقت سنی مذہب کے پاس اس مذہب کی روشنی میں ان اعتراضات کا کوئی تسلی بخش جواب نہیں ہوگا اور سنی ہوتے ہوئے میرے نزدیک قرآن مشکوک ہی ہوگا کیونکہ ان کے مذہب سنیہ قرآن کا تعارف ہی ناقص ہے اس سلسلے کے کچھ اعتراضات میں اپنی کتاب "فروع دین" میں کر چکا ہوں اور عنقریب مولوی عبدالشکور لکھنوی کی مولفہ کتاب "افسانہ تحریف قرآن" کے جواب "حقیقت تحریف قرآن" میں مزید ثابت کروں گا۔ سنی مذہب کے نزدیک قرآن نامکمل اور محرف ہے۔ قرآن پر وارد کردہ غیر مسلموں کے اعتراضات کا جواب سنی المذہب علماء سے کبھی نہیں بن پڑا۔ اگر آپ بھولے ہوں تو یاد کیجئے کہ جب پادری عماد الدین سابق سنی المذہب نے عیسائی مذہب اختیار کر کے "ہدایۃ المسلمین" نامی کتاب لکھی تھی تو تمام سنی علماء کے سروں پہ پرندے بیٹھ گئے تھے بالآخر ایک شیعہ عالم علامہ سید محمد نے قرآن ناطق کی استمداد سے "تنزیہ الفرقان" لکھ کر مخالف کے دانت کھٹے کر کے سنی مجمع میں روح پھونک دی تھی پس اب چونکہ میں بحمد للہ متمسک بالثقلین ہوں جو بمطابق حکم رسول تمام گمراہیوں سے بچانے کا واحد طریقہ ہے لہذا ہر باطل پرست کا بخوبی مقابلہ کر کے فاتحانہ نعرہ "یا علی" بلند کر سکتا ہوں۔

اعتراف مجیب

۳۔ قاضی جی نے ص۳ تجلیات الحقیقت کو تسلیم کرتے ہوئے اعتراف کیا ہے کہ اگر "رنگیلا رسول" کے مصنف نے اس میں کسی مذہب شیعہ کی کتاب کا حوالہ نہیں پیش کیا تو اس کی یہ وجہ نہیں کہ شیعہ مذہب کی کتابوں میں قابل اعتراضات باتیں نہیں ہیں بلکہ اس کے نزدیک اور عام غیر مسلم معترضین کے نزدیک چونکہ سواد اعظم اہل السنت والجماعت ہی اسلام کے نمائندے ہیں اور سنی مذہب کے پہلے تین خلیفوں نے حضور

کے بعد لشکر کشی درپار حبیب کے ساتھ غیر مسلموں کی سلطنتوں کو تباہ کیا ہے لہٰذا اس وجہ سے منکوں میں انتقاماً سُنّی مذہب پر حملہ آور ہوتے رہتے ہیں جب کہ شیعہ مذہب تقیہ میں چھپا ہوا ہے اور کسی معترض کو اس پر حملہ کرنے کی ضرورت نہیں محسوس ہوتی۔

کون کہتا ہے شیعہ مذہب ظاہر نہیں ہے

اس بحث میں میرے جوابی معروضات یہ ہیں کہ یہ قاضی صاحب کی محض خوش فہمی ہے اور علامت عجز ولاجوابی ہے کہ ہاتھ نہ پہنچے تھو کڑوی۔ کون کہتا ہے کہ مذہب شیعہ ظاہر نہیں ہے۔ اگر یہ پوشیدہ مذہب ہے تو پھر آپ حضرات کو اس پر اعتراضات کرنے کا موقعہ کیسے ہاتھ آیا حقیقت یہ ہے کہ ایسی قابل اعتراضات باتیں مذہب شیعہ میں نہیں ہیں بلکہ اس کا عقیدہ عصمت اس قسم کی بیہودہ باتوں کو رد کر دینے کے لئے کافی ہے غیر مسلموں نے شیعہ اکابرین اسلام کی عظمت کا لوہا مانا ہے اور صدیوں سے شیعہ چشموں سے سیرابی حاصل کر رہے ہیں۔ جابر ابن حیان جیسے سائنسداں آج بھی ولد العلوم کے لقب سے آسمانِ علم و عرفان پر پوری آب و تاب سے درخشندہ ہیں آپ نے دل کو جھوٹی تسلّی دیتے ہوئے اور اپنے ہمنواؤں کو دھوکہ دہی کی خاطر یہ کہہ دیا کہ غیر مسلموں کو شیعہ مذہب سے واقفیت نہیں ہے اس لئے انھوں نے اس پر اعتراضات نہیں کئے حالانکہ اگر آپ نے "رنگیلا رسول" ہی کا مطالعہ کر لیا ہوتا تو اس غلط فہمی کا شکار نہ ہوتے۔ مثلاً اسی کتاب میں مصنف مسئلہ خلافت میں مسلمانوں کی سازشوں کے جال کی ایک تار کی جانب بڑا واضح اشارہ کرتے ہوئے لکھتا ہے جس سے اُس کی ریسرچ کا اندازہ ضرور قائم ہو جاتا ہے چنانچہ واقعہ افک کے ذیل میں تحریر کرتا ہے کہ

رنگیلا رسول اور مسئلہ خلافت

"اس بے رخی کے سلوک نے محمد کے دشمنوں اور بدگوؤں کو بھی طرح طرح کی غیبت کا موقع دیا۔ محمد کے نام پر دھبہ لگ گیا۔ رعب میں فرق آنے لگا آخر علی اور اسامہ سے مشورہ کیا۔ علی نے کہا عائشہ کی خادمہ سے واقعات کی کیفیت دریافت کرنی چاہیئے۔ صلاح نیک تھی مگر علی کے حق میں سم قاتل ہوئی عائشہ اس گستاخی کو مرتے دم تک نہ بھولی۔ کہ علی نے۔ محمد کے داماد علی نے اس کی عصمت پر شک کیا ہے اب علی سے اس کا جی جان کا بیر ہو گیا محمد کی بیٹی فاطمہ، مائی خدیجہ کی پیاری یادگار، فاطمہ علی سے بیاہی ہوئی تھیں ادھر فاطمہ کا خاوند اپنا داماد علی ہے ادھر چہیتی بیوی عائشہ ہے۔ محمد کدھر جائے گھر میں خانہ جنگی کی بنیاد پڑ گئی اسی خانہ جنگی نے محمد کی وفات کے بعد اسلام کی تاریخ کو متواتر خونریزیوں کی تاریخ بنا دیا۔ خلافت کے لئے شاید اس قدر خون خرابے نہ ہوتے اگر علی اور عائشہ کا دل ایک ہوتا اگر عائشہ کو علی سے خار نہ ہوتی"۔ (منقول بصد معذرت واستغفار "رنگیلا رسول" ص ۴۴)

سنی تلوار یا شیعہ قلم

منقولہ عبارت سے بخوبی معلوم ہوتا ہے کہ غیر مسلم معترضین اسلام پر اعتراض وارد کرتے ہوئے شیعہ و سنی کا امتیاز پیش نظر نہیں رکھتے بلکہ ان کا نشانہ صرف اسلام ہوتا ہے سنی خلفاء کی تلوار کے گھاؤ اگر ان معترضین کو دعوت انتقام دیتے ہیں تو اس میں اسلام کا کوئی دوش نہیں ہے کیونکہ اسلام کو فوج کشی فتوحات اور حدود سلطنت کی وسعت سے بنیادی اور اصولی طور پر کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ اسلام صرف دفاعی جہاد کرنے کی اجازت دیتا ہے اس نے جبر و اکراہ کے ساتھ اشاعت اسلام پر واضح پابندیاں عائد کی ہیں کیونکہ یہ عالمگیر

فطرت سے ہم آہنگ دین ہے۔ اس کی منطق و فلسفہ اس حقیقت سے انحراف نہیں کرتے کہ تلوار کی فتح عارضی اور غیر پائیدار ہوتی ہے اسی لئے اس کی تعلیم میں اس عنوان پر سیر حاصل روشنی ڈالی گئی ہے۔ کہ قلم کی طاقت تلوار سے زیادہ ہے"۔

قاضی صاحب جن خونریزیوں اور وحشت ناکیوں کو "مجاہدانہ قربانیوں" سے تعبیر دے کر نور اسلام کا اطراف عالم میں منور کرنا بتاتے ہیں ان ہی غلط اقدام نے اسلام کے ماتھے پر ایسا بدنما دھبہ لگایا ہے کہ جسے صاف کرنا انسانی بساط سے باہر ہے۔ ہر طرف اسلام پر الزام ہے کہ "اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے"، حالانکہ حقیقت میں یہ الزام ہرگز غلط ہے کہ اس میں شک نہیں کہ مسلمانوں کی سلطنت کو تلوار نے وسعت بخشی ہے مگر اسلام کی اشاعت میں تلوار کو دخل نہیں ہے۔ اسلام علم و حکمت کے مواعظ حسنہ سے پھیلا ہے اس کے عادلانہ اصولوں کی جاذبیت و کشش نے لوگوں سے اپنا لوہا منوایا ہے اس کی ہدایات عقلانی نے ذہن انسانی اور قلب بشری کو تسلیم و رضا میں جھکنے پر مجبور کیا ہے سلطنتوں کی تاراجی تو صرف چند سال کا سہانا خواب ثابت ہوئی۔ تھوڑے ہی عرصے میں آبدار تلوار کند ہو گئی۔ غالب مغلوب ہوئے ایسے مغلوب ہوئے کہ آج تک سر نہ اٹھا سکے یہود و نصاریٰ چند برسوں کے لئے زیر نگیں ضرور رہے ہیں مگر اب صدیوں سے مسلمانوں کے سینے پر مونگ دل رہے ہیں۔ ساری دنیا میں ان کی عظمت دکھائی دے رہی ہے اور مسلمان دست نگر و محتاج بھکاری کی طرح ان کے سامنے کاسہ لیس ہیں۔ اس تمام رسوائی اور ذلت کا واحد سبب یہی ہے کہ مسلمان علم و حکمت کے

کے دروازے کو چھوڑ کر تلوار کے سائے تلے فتح ہوئے۔

الغرض ایسی فتوحات اور نام نہاد مجاہدانہ قربانیاں اسلام کے کس کام آئیں؟ دین کو اس کا کیا فائدہ ہوا؟ وقتی طور پر جو علاقہ جات ارضی فتح ہوئے تھوڑے ہی عرصہ بعد ہاتھ سے جاتے رہے اور جن لوگوں نے خوف و ہراس سے کلمہ پڑھا وہ نہ ہی دین سے مخلص ہوئے اور نہ ہی دنیا کو اُن کی کلمہ گوئی سے کوئی منفعت حاصل ہوئی بلکہ الٹا جہالت و افلاس میں دن دگنا رات چوگنا اضافہ ہوا اگر صرف ملکوں کی فتوحات ہی اسلام ہے تو پھر چنگیز، ہلاکو اور ہٹلر تو بڑے مسلمان ہوں گے۔

جس مذہب کو قاضی صاحب تقیہ کے پردوں میں لپٹا ہوا بیان کر رہے ہیں اُس کی حقانیت و عظمت اور ظہور یوں ظاہر ہے کہ اُس کے آئمہ اطہار کے علمی خزانے آج بھی حاجت مندوں میں فراخ دلی سے لٹائے جا رہے ہیں۔ اس کنز علم و عرفان کا اعتراف مخالفین نے بھی کھلے الفاظ میں کیا ہے چنانچہ ابن تیمیہ کے خیال کو مردود قرار دیتے ہوئے شمس العلماء شبلی نعمانی سیرت النعمان میں لکھتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ لاکھ تقیہ سہی مگر امام جعفر صادق سے ان کی کیا نسبت تمام علوم و حکمت تو اہل بیت کے گھر ہی سے نکلتے ہیں مذہب شیعہ کے لئے اتنی ہی فضیلت اُسے دُنیا کے تمام مذاہب پر برتری دینے کے لئے کافی ہے اُن کے آئمہ علم و حکمت میں اپنا ثانی نہیں رکھتے خود دشمنی مذہب کے اماموں نے اُن کی شاگردی پر فخر و ناز کیا ہے ان کی تصانیف آج بھی ہر کس و ناقص کو فیض عام پہنچا رہی ہیں۔ ان کی کتابیں چودہ سو سال گزرنے کے بعد بھی دورِ جدید کا چیلنج قبول کرنے کو تیار ہیں ان کے بتائے ہوئے کلیات و جزئیات اس دور کے علوم و فنون میں داد تحسین حاصل کر رہے ہیں۔ اور

صرف اُن کا علم ہی اسلام کے برحق ہونے کی اکلوتی دلیل ہے۔ اگر ان کو اسلام میں سے نکال لیا جائے تو کفر اسلام سے بدرجہا بہتر ہوگا۔ میں نے اپنی کتاب "صرف ایک راستہ" میں عالمگیری نوعیت کا ایک دعوی پیش خدمت کیا ہے کہ کائنات کے تمام مادی و روحانی مسائل کا حل صرف یہ ہے انسان متمسک بالثقلین ہو جائے اور علم و عرفان کے ان بحار ذخار کی موجوں میں ڈوب کر سراغ زندگانی دوام حاصل کر لے۔

قاضی جی کے ممدوحین کی تلوار سے متاثر ہیں۔ گنہگار کے آئمہ معصومینؑ کا قلم بہت طاقتور اور موثر ہے کیوں کہ یہ قلم مکتب میں سرخی حیات کے تمام گوشوں کو قلمبند کرتا ہے اور میدان جہاد میں یہی قلم سیف اللہ کی شکل اختیار کر کے دشمن کے چھکے چھڑا دیتا ہے۔ قاضی جی کے خلیفوں کی تلواریں مدت ہوئی ٹوٹ گئیں۔ میرے اماموں کا قلم آج بھی کائنات کے مینارۂ ہدایت پر نصب لہرا رہا ہے۔ فتح تلوار کی ہے یا قلم کی؟ آپ دونوں اصحاب کی قسم صحیح جواب دیجئے۔

محترمی میں لڑائی جھگڑا دنگہ فساد، تیغ و تفنگ کی بات کرنا اوچھاپن سمجھتا ہوں۔ آپ کے بزرگوں نے ایران و روم کی طاغوتی سلطنتوں کو نیست و نابود کیا ہوگا مگر اس میں اپنے بھلے کی کیا بات ہے؟ خدا نزدیک یا گھونسہ ڈنڈا پر مستنڈوں کا۔ جس کی لاٹھی اس کی بھینس۔ کل آپ نے ان کو تابع کیا۔ آج وہ آپ پر سوار ہیں اس سے انسانیت کی کیا بھلائی ہوئی سوائے نفاق و انتقام کی چنگاریوں اور دائمی چپقلش و باہمی کشمکش کے۔ میں آپ کے پسندیدہ سلاطین کا احسان تب مانوں جب آپ اُن کے علمی شہ پاروں، ہمیشہ شاہکار عرفانی نظاروں سے آگاہ فرمائیں۔

علم الابدان، علم کیمیات، علم طبیعات، علم ہیئت الغرض کسی ایک ہی شعبہ
علم میں ان کی خدمات و تعارف ہے۔ ملاحظہ کریں محمد بشیر کو لاہور اردو میل
کے مفتوحہ علاقہ میں ان حضرات کے دور اقتدار میں ایک مقام تسکین بھی ہیں
نظر آیا جہاں قدم ثبات پر ایستادہ ہو کر ان بزرگوں نے کسی شخص کو "دین"
کے لفظ کی تعریف یا تشریح بتائی ہو۔ اگر آپ تینوں حضرات میں سے کسی
ایک کا کوئی قول مندرج کتب صحاح ستہ نکال دیں گے تو تا دم آخر ممنون
ہوں گا جب مجھے ان اصحاب کی زبان سے "دین" کا تعارف ہی دستیاب
نہیں ہو سکا تو پھر میں کیسے مان لوں کہ انھوں نے دین کی اشاعت کی
یا تبلیغ اسلام فرمائی؟ ہاں تلوار چلائی اور خوب چلائی یہاں تک چلائی کہ دینی
ہی بلاشبہ برباد ہوا ہے۔ مگر ان کے اپنے ہاتھوں میں اول تو نظر نہ آئی اگر آئی
تو ہاتھ کاٹ لیے دل بیٹھے پھر بھاگ کر دکھائی دیئے۔ یہی جہاد کا مفہوم ان کے
نزدیک تھا خیر یہ باتیں آپ کے لئے کڑوی ہیں ان کو جانے دیجیے ہم تو اسلام
کے سچے محسنوں، حقیقی معماروں کو متعارف کراتے ہی رہتے ہیں مگر سچ وہ ہوتا
ہے جو دشمن کی زبان سے بھی نکل آئے۔ چنانچہ اسلام کی دایہ تاریخ محسنہ، والدہ
صدیقۃ الکبریٰ، ام المومنین والمسلمین، سیدہ خدیجۃ الکبریٰ سلام اللہ علیہا
کے اسلام پر احسانات کا اعتراف کرتے ہوئے مصنف "رنگیلا رسول" تحریر
کرتا ہے کہ

مدح خدیجہ اور "رنگیلا رسول"

"محمد کی زندگی کا پہلا پردہ اس وقت اٹھتا ہے جب اس نے مائی خدیجہ
کے ساتھ نکاح کی ٹھانی۔ اس سے پیشتر کے واقعات اس نکاح کی فقط تیاری

؎ حضرت عمر کی زبانی استحسان والی روایت انتہائی مجروح ہے جسے اس ضمن میں پیش نہیں کیا جا سکتا ہے۔

خدیجہ سے نکاح کیا اور مجلہ بن گیا۔ محمد کی پیغمبری کو سب سے اوّل کس نے قبول کیا؟ اس کی بیوی خدیجہ نے پیغمبری میں اس کی تائید کس نے کی؟ خدیجہ نے۔ دشمنوں کی عداوات سے اس کی حفاظت کس نے کی؟ خدیجہ نے۔ اس طرح سے میں کہتا ہوں پچیس سال کی عمر سے لے کر پچاس سال کی عمر تک محمد کی زندگی میں اگر کوئی کمال ہے تو وہ کمال خدیجہ کا ہے۔ کہتے ہیں کہ محمد اس وقت واقعی پیغمبر تھا اگر یہ صحیح ہے تو واقعی پیغمبری خدیجہ کی تھی۔"

(منقول بعد معذرت و استغفار از رنگیلا رسول ص ۴۹)

یہی گستاخ مصنف مسلمہ اوّل اُم البتولؑ زوجہ و محبوبہ رسولؐ کا سرکار دو عالم سید المرسلین، خاتم النبیینؐ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے لازم و ملزوم تعلق ان الفاظ میں لکھتا ہے۔

"ناظرین اس سے اندازہ لگا لیں کہ خدیجہ کا وجود محمدؐ کے لئے کس قدر غنیمت تھا یہی وجہ تھی کہ اس کی وفات کے بعد جب محمدؐ کے حرم میں متعدد بیویاں تھیں اور ایک دوسرے سے حسن و جمال میں بڑھ چڑھ کر تھیں۔ آسائش تھی آرام تھا حکومت تھی اختیار تھا تو بھی خدیجہ کی یاد محمد کے دل سے محو نہ ہوتی تھی۔ یہاں تک کہ عائشہ کو اپنی زندہ سوکنوں سے وہ لاگ نہ تھی جو مرحومہ و مغفورہ خدیجہ کے نام سے رہا کرتی تھی۔

خدیجہ نے محمد کو محمدؐ بنایا پچیس برس کے عرصہ میں جب تک وہ محمد کی بیوی بنکر زندہ رہی محمد کو دوسری شادی کا خیال نہ آیا۔

(رنگیلا رسول ص ۱۵)

القصہ مختصر سُنّی مذہب میں حقیقی محسنین اسلام اور مجاہدین دین سے خیرہ چشمی کی جاتی ہے اور دنگہ فساد، قتل و جدال، لوٹ مار، نقض

اور ہوس ملک گیری جیسے ان ہیبت کش افعال کو اعمال صالحہ قرار دیکر اپنے مداحوں کے قصیدے گائے جاتے ہیں عالمی عدالت انصاف کے سامنے جب میں یہ تنازعہ پیش کرتا ہوں تو فیصلہ یہی صادر ہوتا ہے کہ تخریب سے تعمیر بہتر ہے۔ سنی ممدوحین نے تخریبی کاروائیاں کر کے اسلام کے نام کو بٹّہ لگایا۔ جبکہ شیعہ اکابرین نے اپنے خون سے نونہال اسلام کو سینچا علم و فضل کی روشنی سے دنیا کو منور کیا۔ نہج البلاغۃ صحیفہ کاملہ جیسے علوم سے بھرپور شاہکار جو دنیا کی رہنمائی کے لئے چھوڑے۔ سائنس اور فن کی دقیق گتھیوں کو زمانہ قدیم میں سلجھایا علم کے دریا رواں کر دیئے دو لے لیے پوشیدہ خزانوں کو ظاہر کر دیا جن کو جوں جوں غور کیا جائے توں توں بڑھتے جاتے ہیں بلامبالغہ بے تاج و بغیر ہتھیار ہر دل پر حکمرانی کر رہے ہیں جبکہ سنی خلفائے ثلاثہ کی حکومت کو بڑے زمانہ گزر گیا ہے آج انکے نام کی کوئی ۲ - پائی کی بیعانہ بھی نہیں دلاتا ہے۔

سوال نمبر ۳ - کے جواب پر میرا تبصرہ تمام ہوتا ہے اس کی تلخیص یہ ہے کہ مجیب موصوف قطعی طور پر سوال کا جواب دینے سے قاصر رہے ہیں اور کھسیانے طور پر انھوں نے اعتراف کر لیا ہے کہ کتاب ،، [illegible] رسول ،، میں شیعہ کی کتب سے کوئی بات اخذ نہیں کی گئی ہے۔ مگر ان کے خیال میں ایسا عدم اس بات کا ثبوت نہیں ہے کہ سنیوں کی کتب میں قابل اعتراضات باتیں نہیں بلکہ یہ غیر مسلموں کی پرانی رنجش و انتقامی جذبات کا نتیجہ ہے کہ وہ سنی مذہب پر حملہ آور ہوتے ہیں جبکہ شیعوں کا مذہب سچا رہے۔ یہ باتیں گو اصل سوال سے متعلقہ نہیں تھیں لیکن پھر بھی ہم نے ان کی پرزور تردید کر کے ثابت کیا ہے کہ شیعہ مذہبی کتب میں مفروضہ قابل اعتراضات اتمو کی

موجودگی بھی اس مذہب کے لئے مُضر نہیں ہے کیونکہ ان کا اختیار کردہ عقیدہ عصمت از خود ایسے اعتراضات کو باطل کر دیتا ہے۔ اور ایسے اثبات پیش کئے ہیں کہ معترضین شیعہ مذہب سے ناواقف نہیں ہیں بلکہ اُن کے علمی ماخذوں سے آج تک مستفید ہو رہے ہیں جو سُنّی اکابرین علم و ہنر اور دانش و تفہیم کے ضوابط کو پس پشت ڈال کر جنگ و جدل اور کشت و خون کو تبلیغ کا ذریعہ قرار دینا فخر سمجھتے ہیں کیونکہ علم و قلم کی قوت کو تیغ و تفنگ کی طاقت پر غلبہ حاصل ہے لہذا شیعہ مذہب علم و فضل کے تمام گوشوں میں روشنی کی کرنیں فراہم کرتا ہے۔ اس لئے شیعہ مذہب ہی حق ہے۔

تیسرے سوال کے بعد فاضل مجیب کو میرا پانچواں سوال آسان معلوم ہوا۔ حسب سابق ہم پہلے سوال نقل کریں گے پھر مطلوبہ امور لکھیں گے اسکے بعد قاضی صاحب کا جواب نقل کر کے اپنی رائے سے آگاہ کریں گے۔

سوال نمبر ۵۔ حافظوا علی الصلوات والصلوۃ الوسطیٰ وقوموا للہ قانتین" (البقرہ ۲۳۸) یعنی تمام نمازوں کی عموماً اور درمیانی نماز کی خصوصاً حفاظت کرو اور اللہ کے آگے قنوت میں کھڑے رہو یہ حکم قرآن مجید میں موجود ہے۔ لیکن جب ہم کسی سنی المذہب کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہیں تو ہمیں وہ قنوت میں کھڑا نظر نہیں آتا ہے بتائیے آپ کی نماز قرآن کے مطابق کیوں نہیں پڑھی جاتی؟ واضح ہو کہ حکم قرآن کی تنسیخ صرف آیت قرآنی سے ہو سکتی ہے۔

مطلوب! سائل نے اس سوال میں یہ پوچھا ہے کہ از روئے قرآن حکم ہے کہ نماز میں اللہ کے آگے قنوت میں کھڑے رہو لیکن کوئی بھی سنی المذہب نماز پڑھتے ہوئے اللہ کے آگے قنوت میں کھڑا

نہیں ہوتا۔ پس جواب مطلوب ہے کہ نماز میں اس قرآنی حکم کی خلاف ورزی سنی مذہب میں کیوں کی جاتی ہے۔ جبکہ یہ حکم منسوخ بھی نہیں کی کوئی آیت ناسخہ اس کا بدل نہیں ہے۔

قاضی صاحب کا جواب

"یہ سوال بھی بڑے سوال ہی نمبر شماری کے لئے پیش کیا گیا ہے کیا اس سوال کی عبارت سے واضح ہوتا ہے کہ اہل السنت والجماعت کا عمل قرآن کے اس حکم کے خلاف ہے؟ سائل کو چاہیئے تھا کہ وہ پہلے قرآن کی آیت میں قانت ہونے کا مطلب بیان کرتے اس کے بعد ثابت کرتے کہ اہل السنت اس کے مخالف ہیں۔ جب سوال ہی واضح نہیں تو جواب کس بات کا دیا جائے؟ (کتاب مذکورہ ص۱۶-۱۵)

قانتین کی تشریح

سائل کی جوابی گزارش

قاضی صاحب نے اس سوال کا جواب دینے ہی سے معذوری ظاہر فرما دی ہے حالانکہ بالکل صاف اور واضح ہے کہ اللہ فرما رہا ہے نماز میں میرے آگے قنوت میں کھڑے ہو۔ لیکن اہل سنت حضرات اپنی نماز ادا کرتے وقت اس حکم کی تعمیل نہیں کرتے اس خلاف ورزی کی وجہ پوچھی گئی ہے اب مزید وضاحت کر دی ہے۔ لہذا التماس ہے کہ جواب دے کر شکریہ کا موقعہ بخشیں۔ رہا آیت میں قانت ہونے کا مطلب وہ ترجمہ میں عرض کیا جا چکا ہے۔ مزید تشریح پیش خدمت ہے۔ قانت کے لغوی معنی عاجزی اور فرمانبرداری کرنے والے ہیں لیکن اصطلاح میں نماز میں دعا کے

قنوت پڑھنے والے کو قانت کہتے ہیں چنانچہ معتبر کتب اہل سنت سے پوری طرح ثابت ہے کہ رکا حضرت سیدنا رسول کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نماز میں قنوت پڑھا کرتے تھے کسی سنی نے اس سے اختلاف نہیں کیا ہے اس لئے عبارتیں نقل نہیں کر رہا ہوں۔ چند حوالہ جات کی نشاندہی کرتا ہوں۔

۱۔ صحیح مسلم شریف مطبوعہ نولکشور پریس جلد اوّل ص۲۳۷

۲۔ فقہ عمر شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ص۶۸

۳۔ سنن نسائی مترجم علامہ وحیدالزمان مطبوعہ مکتبہ ایوبیہ کراچی جلد ۱ ص۲۷ باب القنوت صلواۃ المغرب۔

۴۔ مشکوٰۃ مترجم مطبوعہ سعیدی کراچی جلد ۱ کتاب الصلواۃ باب القنوت ص۲۹۰۔

۵۔ المعلم شرح صحیح مسلم علامہ وحیدالزمان اہلحدیث مطبوعہ صدیقی پریس لاہور ص۵۴، ص۵۵۔

نشان کردہ احادیث کا مطالعہ فرمائیے جن سے حضور اکرم کا نماز میں قنوت پڑھنا ثابت ہے۔ اور پھر جواب دیجئے کہ حکم قرآن اور عمل صاحب القرآن کو پس پشت ڈالتے ہوئے آپ اپنی نماز بغیر قنوت کے کیوں ادا کرتے ہیں۔ امید ہے کہ اب بات اچھی طرح واضح ہو گئی ہو گی۔ لہٰذا اس بات کا جواب مطلوب ہے۔

پانچویں سوال کے جواب سے معذوری کے اظہار کے بعد قاضی مظہر حسین صاحب نے ساتویں سوال کو چھوا ہے اور اس کے تحت حسب ذیل جواب قلمبند کیا ہے۔

سوال نمبر ۷۔ آپ حضرات کو امام مہدی (ہادی آخر الزماں بن حسن العسکری) کی غیبت پر اعتراض ہے بتایئے شیطان غائب ہے یا ظاہر؟ اگر غائب ہے تو معلوم ہوا کہ وہ عالم غیبت میں گمراہی پھیلاتا ہے لہذا جواب دیجئے کہ جب عالم غیبت میں گمراہی پھیلائی جا سکتی ہے تو ہدایت کا سلسلہ کیوں جاری نہیں رہ سکتا ہے؟

مطلوب سائل نے اس سوال میں یہ بات پوچھی ہے کہ اگر شیطان غائب ہوتے ہوئے لوگوں کو گمراہ کر سکتا ہے تو پھر غائب رہتے ہوئے ہادی ہدایت دینے کے فرائض کیوں بجا نہیں لا سکتا قاضی صاحب اس کا جواب یوں لکھتے ہیں۔

قاضی صاحب کا جواب سائل نے امام مہدیؑ کے ہادی ہونے کے لئے مثال بھی خوب پیش کی ہے یعنی شیطان کی۔ ماشاء اللہ

(ب) اگر ہدایت پھیلانے کا ہی مطلب ہے تو پھر حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر امام الانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی ہدایت امام مہدی کی طرح غائب رہ کر کیوں نہیں کی جتنے بھی انبیائے کرام علیہم السلام گزرے ہیں انھوں نے اپنے دور نبوت و رسالت میں ان لوگوں کے سامنے آکر تبلیغ و ہدایت فرمائی ہے جن کی اصلاح و ہدایت کے لئے ان کو مبعوث کیا گیا تھا کیا کسی ایسے پیغمبر علیہ السلام کا آپ ثبوت پیش کریں گے جو امت سے مخفی رہ کر ہدایت کا فریضہ ادا کرتا رہا ہو۔ یہاں آپ حضرات عیسی علیہ السلام کی مثال نہیں پیش کر سکتے جو آسمان پر زندہ ہیں اور قرب قیامت میں نازل ہوں گے کیونکہ حضرت عیسی علیہ السلام اپنے تبلیغ رسالت

کے دور میں مخفی نہیں رہے۔ اور پھر جب آپ دجال کو قتل کرنے کا فریضہ ادا کریں گے آپ اس وقت سب لوگوں کے سامنے ظاہر ہوں گے نہ کہ مخفی (ج) فرمائیے اگر شیعوں کے نزدیک امام مہدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہویں خلیفہ اور امام ہیں تو تبلیغ و جہاد کے فرائض کی بجا آوری میں وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع سے کیوں محروم ہیں؟ خلیفہ رسول تو وہ ہے جو بالفعل نائب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت سے تبلیغ و ہدایت اور جہاد کرے۔ نہ وہ کہ ایک فرضی وجود کی طرح صدیوں سے غائب ہو۔ اور امت کفر و الحاد کے اندھیروں میں بھٹکتی رہے۔ اور اگر امام و خلیفہ ہونے کا مقصد صرف یہ ہے اسکی دعوات برکات ہی کافی ہیں تو پھر کیا اس مقصد کے لئے اپنی اپنی نمبر وال میں سابقہ گیارہ اماموں کا وجود کافی نہیں ہے۔ (شیعی مذہب حق ہے ص ۱۷۱۰)

شیطان اور امام کی مثال

سائل کی معروضات

میں سخت افسوس و معذرت سے عرض گزار ہوں کہ مجیب نے حقیر کے سوالات کو تو غیر علمی قرار دے کر اپنی علمی بڑائی کی بڑہانک دی ہے مگر موصوف کی عدم واقفیت کا یہ ہے کہ آنحضور نے سائل کی مبنی بر علم توضیح کو اپنے جاہلانہ ٹھٹھے سے مذاق ظاہر کر کے مسخرہ پن کا ثبوت دیا ہے۔ تمام دنیائے علم کا اس کلیہ علمی پر اتفاق ہے کہ ہر شے اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے پس ہدایت کی معرفت

کے لئے اس کی ضد گمراہی کا بخشش کرنا اعلیٰ مطابق دستور علمی ہے۔ لہٰذا شیطان کی غیبت اور اغوا کی مثال کا حضرت امام مہدی کی غیبت و ہدایت کے مقابل پیش کرنا ہر لحاظ سے معقول ہے۔ اس میں کوئی ہنسی یا حماقت کی بات نہیں ہے۔ مجیب کی عبارت نمبر (ب) بھی ان کی قلتِ علم کا اظہار کرتی ہے انھوں نے کسی نبی کی مثال دریافت فرمائی ہے جو غیب میں رہ کر ہادی ہوئے یہ تو خدائی کا نہ ہے انبیاء کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار کے قریب بتائی گئی ہے جبکہ ہمیں ایک سو نبیوں کے بھی حالات سے مکمل واقفیت نہیں ہے۔ یہ امر عین ممکن ہے کہ ان غیر متعارف بندگانِ خدا میں سے کئی ایسے حضرات ہوں جنھوں نے ہدایت دینے کا فریضہ غیب میں رہ کر انجام دیا ہو۔ تاہم قاضی جی کے لئے ہم صرف ایک مثال لکھتے ہیں اس پر تمام اہل اسلام کا اتفاق ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام اللہ کے ہادی ہیں۔ کیا قاضی صاحب انکار کرنے کی جراءت فرما سکتے ہیں کہ جناب خضر نے لوگوں کی نگاہوں سے چھپے ہوئے ہونے کے باوجود بندگان کو ہدایت نہیں کی ہے۔

غیبت انبیاء

علاوہ ازیں اور بھی انبیاء کرام علیہم السلام کے حالات و کیفیات ایسی معلوم ہو جاتی ہیں کہ انھوں نے اپنے کو چھپا کر فریضہ ہدایت کی بجا آوری فرمائی۔ مثلاً حضرت ابراہیمؑ ایک وقت میں لوگوں سے کنارہ کش ہو گئے۔ جناب موسٰیؑ بھی امت کی نگاہوں سے کچھ عرصہ اوجھل ہو گئے اور آپؑ کی

اس مدتِ غیبت میں آپ کے ماننے والوں کو آپ کی اُمت ہی کے افراد نے ستایا۔ حضرت یوسفؑ کو بھی خود کو چھپانا پڑا اور بغیر اپنے کو ظاہر کئے آپ لوگوں کو ہدایت دیتے رہے۔ اور جب مصلحتِ غیبت ختم ہوگئی تو آپ حضرات ظاہر ہو گئے۔ یہ حضرات اپنے دورِ تبلیغ و نبوت ہی میں مخفی ہوئے اور جب اخفاء کی ضرورت باقی نہ رہی ظہور فرمایا۔

قاضی جی موصوف نے اصل سوال کے جواب میں ایک جملہ بھی تحریر فرمانے کی زحمت یہ دانستہ نہیں کی الٹا سائل پر سوالات کی بوچھاڑ شروع کر دی۔ بہر حال میں تو ان اماموں کا ماننے والا ہوں جو کبھی لاجواب ہوئے انشاءاللہ ان ہی کی طفیل قاضی جی کو مسکت جوابات دوں گا۔ مگر یہ پوچھنے کی ہمت ضرور رکھتا ہوں کہ متفق بین الفریقین حدیثِ رسولؐ ہے۔ کہ یہ زمین کبھی حجتِ خدا سے خالی نہیں رہتی"۔

اس فرمانِ پیغمبرؐ کے مطابق ہر وقت اس خطہ ارضی پر کسی منصوص حجت کا وجود لازمی ہے۔ لہٰذا اگر امام مہدی اس وقت اس کرۂ ارض پر موجود نہیں ہیں تو پھر وہ کونسی ایسی ہستی ہے جسے ہم خدا کی حجت مانیں۔ یا پھر اس کے برعکس صادق رسولؐ کی صداقت کو مجروح کرنے کا خیال کا فرانہ کریں۔

قاضی صاحب اپنی عبارت تحت "ج" میں سوال کرتے ہیں کہ اگر مہدی رسولؐ اللہ کے بارہویں خلیفہ ہیں تو پھر تبلیغ و جہاد کے فرائض کی بجا آوری میں اتباع رسولؐ سے کیوں محروم ہیں؟ یہ سوال پھر ان کی کم فہمی پر دلالت کرتا ہے۔ کون کہتا ہے کہ امام مہدی تبلیغ نہیں کرتے ہیں۔ ہم شیعوں کا تو ایمان یہ ہے کہ دورِ حاضر میں کائنات کا پورا انتظام

آپ کی زیرِ نگرانی چل رہا ہے اور باوجود پردۂ غیبت کے آپ اُمّت کی ہدایت فرما رہے ہیں۔ یہ سوال تو تب کیا جا سکتا ہے کہ جب ہم یہ کہتے ہوں کہ وہ محض پردہ پوشی کے عالم میں بیکار آرام فرما رہے ہیں۔ حالانکہ ہمارا عقیدہ ایسا نہیں ہے پھر خلافِ واقع بات کا جواب کیا عرض کریں۔ سوائے اس کے کہ حضرت امام بحکمِ الٰہی اپنے فرائضِ منصبی بخوبی ادا فرما رہے ہیں۔ وقتِ مناسب پر ایسا جہادِ عظیم فرمائیں گے کہ دُنیا جس طرح باطل سے پُر ہو چکی ہو گی اسی طرح حق سے بھرپور ہو جائے گی۔

چونکہ یہ موضوع بڑا دلچسپ و اہم ہے اس لئے قاضی صاحب کے جوابات عرض کرنے کے بعد کچھ مزید معروضات لبطورِ تقویت پیش کرتے ہیں

غیبتِ امام آخرالزماںؑ پر سُنّی علماء کا اجماع

قاضی صاحب نے سُنّی ہونے کے باوجود امام مہدی علیہ السلام کے وجود کو فرضی قرار دے کر اپنے مذہبی پیشواؤں کی کھلی مخالفت کی ہے حالانکہ جمہور علماء اسلام، امام زمانہؑ کے وجود کو تسلیم کرتے ہیں شیعہ و سُنّی دونوں مکاتبِ فکر کے علماء نے یہ اقرار کیا ہے کہ امام مہدیؑ پیدا ہو چکے ہیں۔ ان میں سے چند سُنّی علماء کے نام پیش کرتے ہیں۔

۱۔ سُنّی علامہ محمد بن طلحہ شافعی نے اپنی کتاب "مطالب السؤل" میں لکھا ہے کہ امام مہدی سامرہ میں پیدا ہوئے ہیں جو بغداد سے ۲۰ فرسخ کے فاصلہ پر ہے۔

۲۔ سُنّی علامہ علی بن صباغ مالکی نے "فصول المہمہ" میں تحریر کیا ہے کہ

امام حسن عسکری علیہ السلام گیارھویں امام نے اپنے بیٹے امام مہدی کی ولادت بادشاہ وقت کے خوف سے پوشیدہ رکھی۔

۳۔ علامہ شیخ عبداللہ ابن احمد خشناب کی کتاب "تاریخ موالید" میں ہے کہ امام مہدی کا نام محمد اور کنیت ابوالقاسم ہے۔ آپ آخری زمانہ میں ظہور و خروج کریں گے۔

۴۔ علامہ محی الدین ابن عربی حنبلی نے "فتوحات مکیہ" میں درج کیا ہے کہ جب دُنیا ظلم و جور سے بھر جائے گی تو امام مہدی ظہور کریں گے

۵۔ علامہ شیخ عبدالوہاب شعرانی کی کتاب "الیواقیت والجواہر" میں مرقوم ہے کہ امام مہدی ۱۵ شعبان ۲۵۵ھ میں پیدا ہوئے آپ اس وقت (یعنی ۹۵۸ھ میں) ۷۰۳ سال کی عمر میں ہیں۔ یہی بات علامہ بدخشانی نے اپنی کتاب "مفتاح النجات" میں تحریر کیا ہے۔

۶۔ علامہ عبدالرحمٰن جامی حنفی کی کتاب "شواہد النبوت" میں ہے کہ امام مہدی سامرہ میں پیدا ہوئے ہیں اور ان کی ولادت پوشیدہ رکھی گئی ہے۔ وہ امام حسن عسکری کی موجودگی میں غائب ہو گئے ہیں۔

۷۔ شیخ المحدثین شیخ عبدالحق محدث دہلوی اپنی کتاب "مناقب الائمہ" میں لکھتے ہیں کہ امام مہدی ۱۵ شعبان ۲۵۵ھ میں پیدا ہوئے ہیں۔ امام حسن عسکری نے ان کے کان میں اذان واقامت کہی ہے اور تھوڑے عرصے کے بعد آپ نے فرمایا۔

"کہ وہ اس مالک کے سپرد ہو گئے ہیں جن کے پاس حضرت موسیٰ بچپنے میں تھے۔

۸۔ علامہ جمال الدین محدث کتاب "روضۃ الاحباب" میں

تحریر کرتے ہیں امام مہدی ۱۵ شعبان ۲۵۵ھ میں پیدا ہوئے اور زمانہ معتمد عباسی میں بمقام "سر من رائے"، لوگوں کی نظروں سے سرداب میں غائب ہو گئے۔

۹۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے اپنے رسالہ "نوادر" میں اقرار کیا ہے کہ محمد بن حسن (المہدیؑ) کے بارے میں شیعوں کا کہنا درست ہے۔

۱۰۔ سنی علامہ ملا حسین میبذی کی شرح دیوان میں ہے کہ امام مہدیؑ تکمیل صفات کے لئے غائب ہوئے ہیں۔

۱۱۔ علامہ ذہبی نے تاریخ اسلام میں لکھا ہے کہ امام مہدی ۲۵۶ھ میں پیدا ہو کر معدوم ہو گئے ہیں۔

۱۲۔ علامہ ابن حجر مکی نے صواعق محرقہ میں تسلیم کیا ہے کہ امام مہدی المنتظر پیدا ہو کر سرداب میں غائب ہو گئے ہیں۔

۱۳۔ علامہ شبلنجی نے "نور الابصار" میں بحوالہ کتاب البیان لکھا ہے کہ امام مہدی غائب ہونے کے بعد اب تک زندہ اور باقی ہیں اور ان کا وجود باقی اور زندہ ہونے میں کوئی شبہ نہیں وہ اسی طرح زندہ ہیں جس طرح حضرت عیسیٰؑ، حضرت خضرؑ اور حضرت الیاسؑ وغیرہم زندہ اور باقی ہیں۔ ان اللہ والوں کے علاوہ دجال، ابلیس، بھی زندہ ہیں جیسا کہ قرآن مجید، صحیح مسلم تاریخ طبری وغیرہ سے ثابت ہے لہذا "لا امتناع فی بقائہ" ان کے باقی اور زندہ ہونے میں کوئی شک و شبہ کی گنجائش نہیں (کتاب البیان فی اخبار صاحب الزمان مشہور سنی علامہ ابو عبداللہ محمد بن یوسف الکنجی کی تصنیف ہے)۔

۱۴۔ علامہ روزبہان نے "ابطال الباطل" میں درج کیا ہے کہ امام

مہدی قائم و منتظر ہیں۔ وہ آفتاب کی مانند ظاہر ہو کر جو دُنیا کی تاریکی و کفر زائل کر دیں گے۔

۱۵۔ علامہ حسام الدین علی المتقی اپنی کتاب "کنز العمال" میں اعتراف کرتے ہیں کہ امام مہدی غائب ہیں۔ ظہور کر کے نو سال حکومت کریں گے۔

مندرجہ بالا اثبات اس بات کا شافی ثبوت ہے کہ شیعہ تو رہے ایک طرف علمائے اہلسنّت باجماع اس عقیدے پر متفق ہیں کہ امام مہدی غائب ہیں اور زمانہ آخر میں ظہور فرمائیں گے لہٰذا قاضی صاحب کا امام وقت کے بارے میں "فرضی وجود" کہنا جمہور کے خلاف بات ہے اور اجماع کی مخالفت پس اُن کی یکتا رائے عقائد کے مباحثوں میں بے مقدار ہے۔

حضرت صاحب الامر امام مہدی علیہ السلام کی غیبت

آپ کا وجود و ظہور قرآن المبین کی روشنی میں!

علمائے اسلام کی تحقیق کے مطابق حضرت حجت، صاحب الزمان شریک القرآن۔ امام الانس والجان القائم والمنتظر حضرت مہدی صلوٰۃ اللہ علیہ والسلام کی غیبت، اس دنیا میں آپ کا وجود، آپ کی طولعمری آپکا ظہور و شہود اور کارنامے قرآن مجید کی کم سے کم ۹۴ آیات سے مستدل ہیں اور اس پر شیعہ و سنی دونوں فرقے متفق ہیں۔ اسی طرح امام مہدیؑ کے لئے کثیر تعداد میں احادیث موجود ہیں علامہ سلیمان حنفی قندوزی نے اپنی مشہور کتاب "ینابیع المودۃ" میں اس کی تفصیلات

درج فرمائی ہیں اور علامہ ہاشم بحرانی سنی المذہب نے اپنی تصنیف "غایۃ المقصود وغایۃ المرام" میں اس مضمون پر سیر حاصل روشنی ڈالی ہے میں اس مقام پر چند شواہد نقل کرتا ہوں۔

۱۔ آغاز کلام ربانی "آلم ہ ذلک الکتاب لاریب فیہ ھدی للمتقین ہ الذین یومنون بالغیب" امام مہدی علیہ السلام کی غیبت کے متعلق ہے چنانچہ اہل ہی مفتی اعظم سلیمان بلخی قندوزی اپنی عالی شان کتاب "ینابیع المودۃ" میں نقل فرماتے ہیں کہ "حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ "ایمان بالغیب" سے امام مہدی کی غیبت مراد ہے نیک بخت ہیں وہ لوگ جو ان کی غیبت پر صبر کریں گے اور مبارک باد کے قابل ہیں وہ سمجھدار لوگ جو غیبت میں بھی ان کی محبت پر قائم رہیں گے۔ (ینابیع المودۃ مطبوعہ بمبئی ص۴۴۳)

"تفسیر حسینی" میں علامہ حسین واعظ کاشفی ص۲۲۶ پر "جعلھا کلمتہ باقیۃ فی عقبہ" کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ حضرت ابراہیمؑ کی نسل میں کلمہ باقیہ کو قرار دیا گیا ہے جو باقی اور زندہ رہے گا۔ اس کلمہ باقیہ سے امام مہدی کا باقی رہنا مراد ہے اور وہی آل محمدؐ میں سے باقی ہیں۔

صاحب "نور الابصار" امامؑ وقت کے ظہور و غلبہ کے متعلق "لیظہرہ علی الدین کلہ" سے تفسیر کرتے ہیں کہ جب امام مہدی بحکم خدا ظہور فرمائیں گے تو تمام دینوں پر غلبہ حاصل کر لیں گے یعنی دنیا میں سوائے ایک دین اسلام کے کوئی اور دین نہ ہوگا (نور الابصار ص۱۵۳)

اِمام مہدیؑ کے بارے میں کتب آسمانی کی پیشگوئیاں

اِمام مہدیؑ علیہ السلام کے حقیقی وجود کے اثبات میں نہ صرف قرآن و حدیث

پیشنگوئیاں وارد ہوئی ہیں بلکہ سابق کتب الہامیہ میں بھی آپ کا ذکر موجود ہے حضرت داؤد کی زبور میں آیت ۴ مرموز ۹۷ میں ہے کہ آخری زمانہ میں انصاف کا مجسمہ انسان آئے گا اس کے سر پر ابر سایہ فگن ہوگا۔ کتاب صفیائے پیغمبر کے فصل ۳، آیت ۹ میں ہے آخری زمانے میں تمام دنیا موحد ہو جائے گی کتاب زبور مرموز ۱۲ میں ہے جو آخر الزمان آئے گا اس پر آفتاب اثر انداز نہ ہوگا صحیفہ شعیاء پیغمبر فصل ۱۱ میں ہے کہ جب نور خدا ظہور کریگا۔ تو عدل و انصاف کا ڈنکا بجے گا۔ شیر اور بکری ایک جگہ رہیں گے۔ چیتا اور بزغالہ ایک ہی جگہ چریں گے۔ شیر اور گوسالہ ایک ساتھ رہیں گے۔ گوسالہ اور مرغ ایک ساتھ رہیں گے۔ شیر اور گائے میں دوستی ہوگی طفل شیر خوار سانپ کے بل میں ہاتھ ڈالیں گے وہ کاٹے گا نہیں پھر اسی صحیفہ کے فصل ۲۷ میں ہے کہ یہ نور خدا جب ظاہر ہوگا تو تلوار کے ذریعہ سے تمام دشمنوں سے بدلہ لے گا صحیفہ تنبجاس حرف الف میں ہے کہ ظہور کے بعد ساری دنیا کے بت مٹا دیئے جائیں گے۔ یہ ظہور کرنے والا کنیز کا بیٹا ہوگا۔ توریت کے سفر انبیاء ۶ میں ہے کہ مہدی ظہور کریں گے۔ عیسیٰ آسمان سے اتریں گے۔ دجال کو قتل کریں گے۔ انجیل میں ہے کہ مہدی اور عیسیٰ دجال اور شیطان کو قتل کریں گے اسی طرح مکمل واقعہ جس میں شہادت امام حسینؑ اور ظہور مہدیؑ کا اشارہ ہے۔ انجیل کتاب دانیال باب ۱۲ فصل ۹ آیت ۲۴ رویائے ۱۲ میں موجود ہے۔ (کتاب الوسائل صفحہ ۱۲۹ مطبوعہ بمبئی بحوالہ چودہ ستارے، علامہ کراروی)

بیان بالا سے علمائے اہل سنت کا اعتراف اور قدیم الہامی کتب میں امام مہدی کا تذکرہ پوری طرح ثابت ہے۔ نیز یہ حقیقت بھی از خود سامنے آجاتی ہے کہ جو عقائد شیعوں کے دربارۂ امام مہدیؑ ہیں وہی عقیدے سُنی علماء

کی اکثریت کے ہیں۔ امامؑ کا وجود و ظہور ہم نے قرآن و احادیث رسول اور کتب سابقہ کی روشنی میں پیش کیا۔ اب ہم امام مہدیؑ کی غیبت، اس کی ضرورت اور اہمیت پر اظہار خیال کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ چنانچہ عرض یہ ہے کہ

(۱) مشہور قول کے مطابق خلاق عالم نے ہدایت خلق کے لئے ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبرؑ اور بے شمار ان کے اوصیاء بھیجے پیغمبروں میں سے ۱۲۳۹۹۹ انبیاء کے بعد حضورؐ اکرم تشریف لائے لہٰذا ان کے جملہ صفات و کمالات و معجزات آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں جمع کر دیئے گئے تھے اور آپؐ کو خدا نے تمام انبیاء کے صفات کا جلوہ گر بنایا بلکہ خود اپنی ذات کا مظہر قرار دیا تھا اور چونکہ حضورؐ کو بھی اس فانی دُنیا سے ظاہری طور پر جانا تھا اس لئے آپؐ نے اپنی زندگی ہی میں اپنے وصی جناب علی علیہ السلام کو ہر قسم کے کمالات سے بھرپور کر دیا تھا۔ یعنی جناب امیرؑ اپنے ذاتی کمالات کے علاوہ نبوی کمالات سے بھی ممتاز ہو گئے تھے سرور کائناتؐ کے بعد عالمین میں صرف ایک علیؑ کی ہستی ایسی ہے جو کمالات انبیاء کی حامل تھی اور آپ کے بعد یہ کمالات معصوم اوصیاء میں منتقل ہوتے ہوئے آخری حجت امام مہدی علیہ السلام تک پہنچے اس دور کی ظالم حکومت کے حکمران امامؑ کو قتل کرنے پر درپے تھے۔ اگر وہ شہید ہو جاتے تو اس دُنیا سے نبیوںؑ اور اوصیاءؑ کا نام و نشان مٹ جاتا اور سب کی یادگار ایک ہی ضرب شمشیر میں ختم ہو جاتی۔ چونکہ ان انبیاء و اوصیاء کی یادگار اور تمام کمالات کی مظہر ہو

(۲) پروردگار نے قرآن مجید میں فرمایا ہے۔ "وجعلہا کلمۃ باقیۃ فی عقبہ"، یعنی حضرت ابراہیمؑ کی نسل میں کلمہ باقیہ قرار دے دیا ہے۔ ابراہیمؑ کی نسل اُن کے دو فرزندوں سے جاری ہوئی ہے۔ حضرت اسحاقؑ اور حضرت اسماعیلؑ سے نسل اسحاقؑ سے اللہ نے جناب عیسیٰؑ کو زندہ و باقی رکھا۔ اب یہ انصاف

کا تقاضا تھا کہ اسماعیلؑ کی نسل سے بھی کسی کو باقی نہ رکھے اور وہ بھی اس خطہ زمین پر کیوں کہ آسمان پر ایک باقی موجود تھا لہٰذا امام مہدیؑ کو جو حضرت اسماعیلؑ کی نسل سے ہیں زمین پر زندہ اور باقی رکھا اور انھیں بھی اسی طرح دشمنوں کے شر سے محفوظ کر دیا جس طرح جناب عیسیٰؑ کو حفاظت میں لے لیا۔

(۳) یہ امر مسلمات اسلامی میں ہے کہ زمین حجت خدا سے خالی نہیں رہ سکتی اور چونکہ حجت خدا اس وقت امام مہدیؑ کے سوا کوئی نہ تھا اور ان کو دشمن قتل کر دینے پر تلے ہوئے تھے اس لئے ان کو محفوظ و مستور کر دیا گیا۔ چنانچہ احادیث میں ہے کہ حجت خدا ہی کی وجہ سے زمین پر بارش ہوتی ہے اور انسں کے مکینوں میں روزی تقسیم کی جاتی ہے

(۴) یہ بھی مسلم ہے کہ حضرت امام مہدیؑ جملہ انبیاء کے مظہر تھے اس لئے ضروری تھی کہ انھیں کی طرح ان کی غیبت بھی ہوتی یعنی جس طرح حاکم وقت کے مظالم کی وجہ سے حضرت نوحؑ، حضرت ابراہیمؑ، حضرت موسیٰؑ، حضرت عیسیٰؑ اور حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے اپنے عہد حیات میں مناسب مدت تک غائب رہ چکے تھے اسی طرح یہ بھی غائب رہتے۔

(۵) قیامت کا آنا یقینی ہے واقعہ قیامت میں امام مہدیؑ کا ذکر بتاتا ہے کہ آپ کی غیبت مصلحت ربانی کی بناء پر ہوئی ہے۔

(۶) قرآن کے سورۂ قدر سے معلوم ہوتا ہے کہ شب قدر نزول ملائکہ ہوتا رہتا ہے اور یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ نزول ملائکہ حجت خدا پر ہوتا ہے لہٰذا حضرت امام مہدیؑ کو اس لئے زندہ و باقی رکھا گیا ہے تاکہ فرشتوں کے نزول کی مرکزی غرض پوری ہو سکے۔ اور شب قدر میں ان ہی پر نزول ملائکہ جملہ امور ربانی کے ساتھ ہو سکے۔ اسی لئے حدیثوں میں ہے کہ شب قدر میں سال بھر کی

روزی وغیرہ امام مہدیؑ تک پہنچا دی جاتی ہے اور وہی اس کی تقسیم کا انتظام کرتے ہیں۔

(۷) حکیم مطلق کا فعل حکمت سے خالی نہیں ہو سکتا۔ یہ الگ بات ہے کہ عام لوگ اس حکمت و مصلحت سے واقف نہ ہوں۔ غیبت امام مہدیؑ اسی طرح مصلحت و حکمت خداوندی کی بنا پر عمل میں آئی ہے جس طرح طواف کعبہ تین شیطانوں کو پتھر مارنا وغیرہ ہے جس کی اصلی مصلحت اللہ کو معلوم ہے یا پھر اُن لوگوں کو جنھیں اس نے علم وہبی سے نوازا ہے۔

(۸) امام جعفر صادقؑ علیہ السلام کا قول ہے کہ مہدیؑ کو اس لئے غائب کیا جائے گا تاکہ اللہ تعالیٰ اپنی ساری مخلوقات کا امتحان کر کے یہ جانچے کہ نیک بندے کون ہیں اور باطل پرست کون لوگ ہیں۔

(۹) عام قاعدہ ہے کہ "من خاف علیٰ نفسہ احتاج الی الاستتار" کہ جسے اپنی جان کے جانے کا خوف ہو وہ پوشیدہ ہونے کو ضروری سمجھتا ہے۔

(۱۰) امام مہدی کی غیبت اس لئے بھی واقع ہوئی کہ خداوند عالم ایک وقت معین میں آل محمدؐ علیہم السلام پر جو مظالم کئے گئے ہیں ان کا بدلہ امام کے ذریعہ لے گا یعنی شروع سے آخر تک تمام موذیان سے انتقام لیں گے۔

(۱۱) صاحب "ینابیع المودۃ"، مفتی اعظم قسطنطنیہ علامہ شیخ سلیمان قندوزی بلخی حنفی تحریر فرماتے ہیں کہ

سدیر صیرفی کا بیان ہے کہ ہم اور مفضل بن عمر ابو بصیر ابان بن تغلب ایک دن امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو دیکھا کہ آپ زمین پر بیٹھے ہوئے رو رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ "اے محمد"، تمھاری غیبت کی خبر نے میرا دل بے چین کر دیا ہے میں نے عرض کیا۔ حضور خدا آپ کی آنکھوں کو کبھی نہ رلائے

بات کیا ہے کس لئے حضور گریہ کناں ہیں۔ فرمایا اے سدیر! میں نے آج کتاب "جفر جامع" میں بوقت صبح امام مہدیؑ کی غیبت کا مطالعہ کیا۔ اے سدیر! یہ وہ کتاب ہے جس میں علم ماکان و مایکون کا اندراج ہے اور جو کچھ قیامت تک ہونے والا ہے سب اس میں لکھا ہوا ہے۔ اے سدیر! میں نے اس کتاب میں یہ دیکھا ہے کہ ہماری نسل سے امام مہدی ہوں گے پھر وہ غائب ہو جائیں گے اور انکی غیبت نیز ان کی عمر بہت طویل ہو گی۔ ان کی غیبت کے زمانہ میں مومنین مصائب میں مبتلا ہوں گے اور ان کے امتحانات ہوتے رہیں گے اور غیبت میں تاخیر کی وجہ سے ان کے دلوں میں شکوک پیدا ہوتے ہوں گے پھر فرمایا اے سدیر سنو ان کی ولادت حضرت موسیٰ کی ولادت کی طرح ہو گی اور ان کی غیبت حضرت عیسیٰ کی مانند ہو گی اور ان کے ظہور کا حال حضرت نوح کے مانند ہو گا۔ اور ان کی عمر حضرت خضر کی عمر جیسی ہو گی۔

(۱۲) فخر العلمائے کرام مولانا نجم الحسن صاحب کراروی نے اس حدیث امامؑ کی تشریح میں تحریر فرمایا ہے کہ تاریخ میں ہے کہ جب فرعون کو معلوم ہوا کہ میری سلطنت کا زوال ایک مولود بنی اسرائیل کے ذریعہ ہو گا تو اس نے حکم جاری کیا کہ ملک میں کوئی عورت حاملہ نہ رہنے پائے اور کوئی بچہ نہ رکھا جائے۔ چنانچہ اسی سلسلے میں ہزاروں بچے ضایع کئے گئے لیکن خدا نے حضرت موسیٰؑ کو فرعون کی تمام ترکیبوں کے باوجود پیدا کیا۔ باقی رکھا اور آپ ہی کے ہاتھوں سے اس کی سلطنت کا تختہ الٹوا دیا۔ اسی طرح امام مہدیؑ کے لئے ہوا کہ تمام بنی امیہ اور بنی عباس کی تیز تر کوششوں کے باوجود آپ بطن نرجس خاتون سے پیدا ہوئے اور کوئی آپ کو دیکھ تک نہ سکا اسی طرح حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں تمام یہودی اور نصرانی متفق ہیں کہ آپ کو سولی دے دی گئی لیکن اللہ نے اس کی رد

فرمادی اور کہا ان کو زندہ اُٹھا لیا گیا ہے اسی طرح بعض لوگوں کا خیال ہے کہ
امام مہدی پیدا ہی نہیں ہوئے حالانکہ وہ حضرت عیسیٰ کی طرح غائب
ہو چکے ہیں حضرت نوح نے لوگوں کی نافرمانی سے عاجز آکر خدا سے عذاب کے
نزول کی درخواست کی۔ اللہ نے فرمایا پہلے ایک درخت لگاؤ وہ پھل لائے گا
تب عذاب کروں گا اسی طرح نوح نے سات مرتبہ کیا بالآخر اس تاخیر کے باعث
کئی دوست دلبرداشتہ ایمان اُمتی کافر ہو گئے صرف ۴۰ مومن باقی رہ گئے
اسی طرح امام مہدی اور تاخیر ظہور کی وجہ سے غیبت سے متعلقہ فرامین
پیغمبر و آئمہ کی تکذیب لوگ کر رہے ہیں۔ اور عوام مسلم بلا وجہ اعتراضات
کر کے اپنی عاقبت خراب کر رہے ہیں اور شاید اسی وجہ سے یہ مشہور قول ہے
کہ جب دنیا میں چالیس مومن کامل رہ جائیں گے تب امام مہدی کا ظہور
ہوگا۔ حضرت خضر جو زندہ و باقی ہیں اور قیامت تک موجود رہیں گے انہی
کی طرح حضرت امام مہدیؑ بھی زندہ اور باقی ہیں اور قیامت تک موجود رہیں
گے اور جب کہ خضر علیہ السلام کے زندہ اور باقی رہنے میں مسلمانوں میں کوئی
اختلاف نہیں ہے۔ پھر حضرت امام مہدی کے زندہ اور باقی رہنے میں اختلاف
کی کیونکر گنجائش سمجھی جا سکتی ہے۔

حالانکہ کثیر تعداد میں ایسی روایات ملتی ہیں کہ بعض حضرات کو امام کی ملاقات
کا شرف بھی حاصل ہوا کتاب نزہۃ اثنا عشریہ میں امام زمانہ کی طول عمری
علم نجوم سے زائچہ کے ساتھ بیان کی گئی ہے۔ اور سنی کتاب ینابیع المودۃ
میں امام کی عمر طویل پر مکمل بحث کی گئی ہے۔ آج کے دور سائنس میں موجودہ
کا جزیرہ ایسے آثارات کا متبادل پایا گیا ہے کہ جو اخبار احادیث میں جزیرہ خضرہ
سے متعلق ہیں۔ کتب میں امام کے خطوط اور سفراء کے ہدایات کا اجرا ثابت

کہتا ہے کہ امام مہدیؑ کا وجود حقیقی ہے نہ کہ فرضی پس جب تک ان تمام
شواہد و اثباتات کی تردید براہین قاطعہ سے نہ ہو امام کے وجود سے انکار
کرنا امر محال ہوگا۔

اس قدرے طویل بحث کے بعد اب ہم مولوی قاضی مظہر حسین صاحب
کا آٹھویں سوال کا جواب نقل کرتے ہیں۔

سوال نمبر ۸:- کیا آپ کسی معتبر تاریخی حوالے سے یہ بتا سکتے ہیں اور
(یہ بات) ثابت کر سکتے ہیں کہ جب حضرات شیخین نے جنازۂ رسولؐ بلا
دفن چھوڑ کر سقیفہ بنی ساعدہ روانہ ہونے کا ارادہ کیا تو انھوں نے
حضرت علیؑ یا حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب کو اپنے عزم سے آگاہ کیا؟
(یہ) اگر جواب اثبات میں ہے تو ثبوت فراہم کریں۔
(اس سوال کی نقل میں بھی لفظی فرق ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ مجیب نے
اصل کتاب سے اسے نقل کرنے یا ملانے کی ضرورت کو محسوس نہیں کیا ہے)

مطلوب سائل نے اس سوال میں صرف اتنی بات دریافت کی
ہے کہ حضرات ابوبکر و عمر جب جنازۂ رسولؐ بلا دفن چھوڑ کر
چل دیئے تو اپنے اس عزم قابل اعتراض اور بقول "فوری ضرورت" سے
وارثان رسولؐ کو مطلع فرمایا کہ نہیں؟ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
کے گھر والوں کو آگاہ کیا تو اس کا تاریخی ثبوت پیش کیا جائے۔

مجیب کا جواب مجیب نے اس سوال کے جواب میں بلا عذر تسلیم
کر لیا ہے کہ حضرات شیخین فوری ضرورت
کے تحت ایسا نہ کر سکے۔ چنانچہ تحریر کرتے ہیں کہ
"(۱) سقیفہ بنی ساعدہ میں تو فوری ضرورت کے تحت حضرت ابوبکر

صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ تشریف لے گئے تھے جس کی وجہ سے وہ ان حضرات سے متنازہ نہیں کر سکے۔

(۲) اب تو دیکھنا یہ ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو خلیفہ تسلیم کیا ہے یا نہیں اور آپ نے مسجد نبوی میں حضرت صدیقؓ کی اقتداء میں نمازیں پڑھی ہیں یا نہیں ؟ اور اگر شیعہ مذہب کی مستند کتابوں سے یہ امر ثابت ہو جائے کہ حضرت علی المرتضیٰ نے حضرت صدیق اکبرؓ کی بیعت کی ہے اور ان کے پیچھے کھڑے ہو کر نمازیں پڑھی ہیں تو پھر کسی اعتراض کی کیا گنجائش باقی رہ جاتی ہے۔ اگر شیعہ علماء اس کا انکار کریں تو ہم ثبوت پیش کر سکتے ہیں۔

جنازۂ رسولؐ کو چھوڑنا تسلیم شدہ

سائل کا جواب

سوال زیر بحث میں سائل کو صرف اتنی بات کا جواب درکار ہے کہ حضرات شیخین میت المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بے گور و کفن چھوڑ کر اقتدار کے پیچھے سقیفہ بنی ساعدہ روانہ ہوئے تو انھوں نے اس فوری ضرورت کا اظہار سوگوار خاندان کے سر کر دہ افراد پر کیا یا نہیں چنانچہ مجیب نے قبول کر لیا کہ وہ حضرات ایسا نہ کر سکے۔ مجھے جواب مل گیا مقصد سوال پورا ہو گیا۔

لیکن بلا ضرورت مجیب نے حجت بازی سے کام لے کر اپنے ممدوحین کی وکالت میں دوسرا موضوع اختیار کیا۔ تاکہ معاملہ کو الجھایا جا سکے کہ حضرات

امیرالمومنین علیؑ نے حضرت ابوبکر کی بیعت کر لی لہٰذا اب اس اعتراض کی گنجائش باقی نہ رہی میں یہاں کہتا ہوں کہ شیعوں نے کبھی اس بات سے اتفاق نہیں کیا ہے کہ حضرت ابوبکر کی اقتداء میں حضرت علی نے نماز پڑھی۔ یا جناب امیر علیہ السلام نے حضرت ابوبکر کو خلیفہ برحق تسلیم کیا چنانچہ اگر قاضی صاحب نے اصل کتاب "ہزار تمہاری دس ہماری" کا مطالعہ کرنے کی زحمت اٹھا لی ہوتی تو بحث مسئلہ امامت کے اول باب میں ابتدائی پندرہ سوالات کے جوابات میں اُن پر واضح ہو جاتا کہ شیعہ یہ بات ہرگز تسلیم نہیں کرتے کہ حضرت علیؑ نے حضرت ابوبکر کی بیعت کر لی تھی اسی طرح میری اس کتاب کے اعتراض ۹۰۴ تا ۹۱۴ کے جواب میں حضرت علیؑ کی ابوبکر کے پیچھے نماز پڑھنے والے قصے پر مکمل روشنی ڈالی گئی ہے اور پوری طرح ثابت کیا گیا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے حضرت ابوبکر کی اقتدا میں کبھی نماز ادا نہیں کی ہے۔ اب چونکہ ہم یہ سوال شائع ہونے سے پہلے ہی اس کا مدلل انکار کر چکے ہیں لہٰذا مجیب پر ضروری تھا کہ سوال کا جواب لکھنے سے قبل اُن امور کا مطالعہ کر کے تردیدی بیان قلمبند کرتے چونکہ انھوں نے اس ذمہ داری سے غفلت برتی ہے اس لئے ہمارے اعتراضات کی گنجائش برقرار رہتی ہے۔

فوری ضرورت کیا تھی؟

قاضی جی نے حضرات شیخین کا جنازۂ رسولؐ کو چھوڑ کر چلے جانا تسلیم کر لیا مگر "فوری ضرورت" کے تحت اس فوری ضرورت کی وضاحت کرنا انھوں نے ضروری نہیں سمجھا۔ اگر تو یہ ضرورت اقتدار کی تھی تو مجھے کوئی اختلاف نہیں ہے اس کے علاوہ اگر کوئی ایسی خاص ضرورت تھی کہ جس کو دفن رسولؐ پر بھی مقدم ٹھہرایا گیا تو اس سے آگاہی مطلوب ہے۔ بہر حال اس سوال کا جواب موافق واقعہ

دیکر شیعہ طعن کو مستحکم کیا ہے شکریہ۔

سوال نمبر ۹۔ قرآن مجید کے پانچویں پارے کی ابتدا میں آیت متعہ موجود ہے آپ کا پرچار ہے کہ "متعہ" زنا ہے مہربانی کر کے آیت میں مستعمل لفظ "متعہ" کا ترجمہ ان ہی ایسے معنوں میں کیجیے۔

مطلوب قرآن میں آیت "متعہ" کی موجودگی کے باوجود متعہ کو زنا کہاں مشہور کیا گیا ہے لہٰذا اس آیت میں اس کا ترجمہ اس مزعومہ مفہوم کے ساتھ کیوں استعمال نہیں کیا جاتا ہے۔

قاضی جی کا جواب (۱) یہ سوال ہی جاہلانہ ہے کیونکہ موجودہ قرآن میں تو کہیں لفظ متعہ کا وجود نہیں ہے ہاں ایسے الفاظ قرآن میں موجود جن میں م۔ت۔ع کا مادہ پایا جاتا ہے مثلاً قل تمتع بکفرک قلیلا انک من اصحاب النار (سورۃ الزمر آیت ۸) والذین کفروا یتمتعون و یاکلون کما تاکل الانعام (سورۃ محمد آیت ۱۲) ربنا استمتع بعضنا ببعض (سورۃ الانعام آیت ۱۲۸) اور فما استمتعتم بہ منھن فاتوھن اجورھن فریضۃ (سورۃ النساء آیت ۲۴) اور سائل نے یہی آیت مراد لی ہے۔ لیکن اس میں لفظ متعہ نہیں بلکہ "استمتعتم" ہے اور اگر اس سے مراد وہ نکاح متعہ ہے جو شیعہ مذہب کی خصوصیت ہے۔ اور بغیر گواہوں کے بھی ہو سکتا ہے تو اس کا ثبوت ان کے ذمہ ہے۔ اور کوئی سنی عالم یہ نہیں کہتا کہ لفظ متعہ کا ترجمہ زنا ہے جس کی بنا پر سائل کا سوال صحیح قرار دیا جاسکے ہاں ہم یہ کہتے ہیں کہ شیعہ مذہب میں جو متعہ ہے اور جو گواہوں کے بغیر بھی ہو سکتا ہے تو اس کی صورت زنا ہی کی ہے کیونکہ اس میں بھی مرد و

عورت اپنی رضامندی سے بغیر گواہوں کی شہادت کے مخفی طور پر شہوت رانی کر لیتے ہیں۔ ؎۱

(۲) اور اس متعہ کا ثواب بھی شیعہ مذہب میں بے نظیر ہے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر کے ایک حدیث میں لکھا ہے کہ

"من تمتع مرة كان درجة كدرجة الحسين عليه السلام ومن تمتع مرتين فدرجة كدرجة الحسن عليه السلام ومن تمتع ثلث مرات كان درجة على بن ابى طالب عليه السلام ومن تمتع اربع مرات فدرجتہ كدرجتى"

یعنی کہ یکبار متعہ کند درجہ او چوں درجہ حسین علیہ السلام باشد و ہر کہ دو بار متعہ کند درجہ او چوں درجہ حسن علیہ السلام باشد و ہر کہ سہ بار متعہ کند درجہ او چوں درجہ علی ابن ابی طالب علیہ السلام باشد و ہر کہ چہار بار متعہ کند درجہ او مانند درجہ من"

(تفسیر منہج الصادقین جلد دوم ص ۴۹۳ مصنفہ ملا فتح اللہ کاشانی مطبوعہ تہران)

جو شخص ایک بار متعہ کرے اس کا درجہ مثل درجہ امام حسین ہوگا اور جو شخص دو بار متعہ کرے اس کا درجہ مثل امام حسن کے اور جو شخص تین بار متعہ کرے اس کا درجہ مثل حضرت علی بن ابی طالب کے اور جو شخص چار مرتبہ متعہ کرے اس کا درجہ مثل میرے درجہ کے ہوگا"

العیاذ باللہ۔

؎۱ نکاح دائمی کے لئے بھی میاں بیوی کی رضامندی ضروری ہوتی ہے۔

فرمائیے کیا شیعہ مذہب میں متعہ جیسا ثواب کسی اور عبادت پر بھی مل سکتا ہے تعجب ہے کہ جو حلال نکاح متفق علیہ ہے اس میں بھی یہ ثواب نہیں ملتا اور نماز روزہ زکوٰۃ اور حج پر بھی اتنا ثواب مذکور نہیں ہے۔ کیا عقل و ایمان کی بنیاد پر متعہ جیسے فعل کا اتنی قدر ثواب کہ اگر العیاذ باللہ چار بار متعہ کرے تو مثل رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے درجہ کے اس کو درجہ نصیب ہو جائے قابل تسلیم ہو سکتا ہے اب آپ ہی شیعہ علماء و مجتہدین سے پوچھنے کی ہمت کر سکتے ہیں کہ اگر کوئی شخص چار سے زیادہ بار متعہ کرے تو اس کو کونسا درجہ نصیب ہو گا؟ ماشاء اللہ لا قوۃ الا باللہ۔

اگر "رنگیلا رسول" کے مصنف کو اس مسئلے کا علم ہوتا یا وہ شیعہ مذہب کو اسلام کا ترجمان سمجھتا تو کیا "رنگیلا رسول" میں اس مسئلہ متعہ اور اس کے منقول ثواب کی وضاحت کر کے مذہب کی دھجیاں نہیں اڑا سکتا تھا۔

(۳) اب ایک اور حیرت انگیز مسئلہ پیش خدمت کرتا ہوں۔ فروع کافی جلد ۲ صفحہ ۱۹۸ مطبوعہ لکھنؤ میں روایت ہے کہ: عن ابی عبد اللہ علیہ السلام قال جاءت امرأۃ الی عمر فقالت انی زنیت فطھرنی فامر بھا ان ترجم فاخبر بذلک امیر المومنین صلوات اللہ علیہ فقال کیف زنیت فقالت مررت بالبادیۃ فاصابنی عطش شدید فاستسقیت اعرابیا فابی ان یسقینی الا ان امکنہ من نفسی فلما اجھدنی العطش وخفت علی نفسی سقانی فامکنتہ من نفسی فقال امیر المومنین علیہ السلام تزویج ورب الکعبۃ۔

(ترجمہ) امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ ایک عورت

(حضرت) عمرؓ کے پاس آئی اور کہا میں نے زنا کیا ہے آپ مجھے پاک کریں آپ نے اس کو سنگسار کرنے کا حکم دیا پس حضرت علیؑ کو اس بات کی خبر ملی تو آپ نے اس عورت سے پوچھا کہ تو نے کس طرح زنا کیا ہے؟ اس نے کہا میں ایک جنگل میں جا رہی تھی کہ مجھے سخت پیاس لگی ایک اعرابی (بدو) سے پانی مانگا تو اس نے کہا اس شرط پر پانی دوں گا کہ تو میرے ساتھ ہم بستری کرے۔ جب پیاس نے مجھ کو مجبور کیا اور مجھے موت کا خوف لاحق ہوا تو میں نے اس کو اپنے نفس پر قابو دیا (یعنی ہم بستری کی) اس پر امیرالمومنین حضرت علیؑ نے فرمایا کہ رب کعبہ کی قسم یہ تو نکاح ہے؟

اب آپ ہی شاہ صاحب فرمائیے کیا یہ زنا تھا؟ کیا اس پاک مذہب کی خاطر آپ سنی مذہب ترک کرنا چاہتے ہیں؟ یہ بھی ملحوظ رہے کہ یہ اس کتاب کی روایت ہے جو شیعہ مذہب میں سب سے زیادہ صحیح کتاب حدیث ہے اور جس کے ٹائیٹل پر حضرت امام مہدیؑ کا یہ ارشاد لکھا ہوا ہے کہ آپ نے اس کتاب کے متعلق فرمایا تھا کہ ھٰذا کافٍ لشیعتنا (یعنی یہ کتاب ہمارے شیعوں کے لئے کافی ہے)

لفظِ متعہ کی بحث

سائل کی التماس

اس سوال کو مجیب نے جاہلانہ سوال کہہ کر ٹھکرا دینے کے باوجود اس کے جواب میں اپنی پوری ہوشیاری کو بروئے کار لانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا ہے پہلے تو انہوں نے لفظ "متعہ" کے وجود فی القرآن

سے انکار کیا ہے۔ حالانکہ مصدر یا مادہ سے متعلقہ تمام صیغے اُس کے وجود ہی کے ماتحت ہوتے ہیں اور اسی لفظ کے مختلف صیغے خود قاضی صاحب نے بطور مثال نقل کئے ہیں مثلاً اردو مصدر "جانا" کے ماتحت گیا، جائیگا، جائے گا، جاتا رہا وغیرہ باوجود تغیرِ شکلی کے معنوی اور مفہوم کے لحاظ سے اس کے تابع ہوں گے اسی طرح قبول کردہ لفظ " استمتعتم " بھی "متعہ" کو احاطہ کئے ہوئے ہے اور یہی وجہ ہے اس آیت کو آیت متعہ کہا جاتا ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری میں عمران بن حصین سے منقول ہے [۱]

حدیث بخاری

"انزلت ایۃ المتعۃ فی کتاب اللہ ففعلنا ھا مع رسول اللہ ولم ینزل قرآن بحرامتہ ولم ینہ عنھا حتی مات

قال رجل برایہ ماشاء" یعنی آیت متعہ نازل ہوئی جو قرآن میں موجود ہے۔ ہم نے جناب رسولؐ خدا کی موجودگی میں اس پر عمل کیا پھر تو قرآن میں اس کی حرمت نازل ہوئی اور نہ پیغمبرؐ نے اس سے منع فرمایا ایک شخص (عمر) نے اپنی رائے سے جو چاہا کہا۔

پس اہلسنت کی سب سے صحیح کتاب بخاری میں صحابی رسولؐ عمران بن حصین کا بیان نہ صرف لفظ متعہ کا قرآن میں موجود ہونا ثابت کرتا ہے بلکہ "آیت متعہ" کی موجودگی تسلیم ہوئی ہے۔ اس لئے قاضی صاحب کا انکار محض ہٹ دھرمی ہے۔ عقد متعہ کے جواز کا اولین ثبوت تو قرآن کی آیت ہے اور دوسرا ثبوت صحیح کتب احادیث سنیہ میں متعہ کے الگ عنوانات ہیں۔ اور اس کی حلیت پر حقیر نے الگ "رسالہ" "ہم متعہ کیوں کرتے ہیں"؟ شائع کیا ہے اور اس کے علاوہ اسی کتاب "ہزار

[۱] صحیح بخاری شریف جلد دوم کتاب التفسیر ب ۱۸ ص ۵۹۱ حدیث ۲۸ ۔ حدیث ۱۶۲۲ مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز کراچی

[illegible]

تمہاری دشمن ہماری،، میں مسئلہ متعہ کے متعلق "سیدنا عمر پر حرمت کا الزام" کے ذیل میں اعتراض نمبر ۵۵ تک جوابات میں اس مسئلہ پر تقریباً ہر پہلو سے روشنی ڈالی گئی ہے لہٰذا اب یہ اہل سنت کی ذمہ داری ہے کہ وہ تحریم متعہ کی دلیل پیش کریں اور قرآن کی آیت کا جواب قرآنی آیت سے دیں۔

سائل نے اپنے سوال میں یہ دریافت ہی نہیں کیا ہے کہ کسی سنی نے لفظ متعہ کا ترجمہ زنا کیا ہے بلکہ میرا سوال یہ ہے کہ "آپ کا پرچار ہے کہ متعہ زنا ہے،، اس لئے آیت محولہ میں بھی یہی ترجمہ و مفہوم استعمال کریں۔ اگر یہ کہا جائے کہ کوئی سنی متعہ کو زنا نہیں کہتا ہے تو یہ حقیقت سے چشم پوشی ہوگی ہم زیادہ دور نہیں جاتے اس کا ثبوت قاضی جی کے گھر ہی سے ڈھونڈ کر پیش خدمت کر کے ان کو گریبان میں جھانکنے کی دعوت دیتے ہیں۔ قاضی صاحب کے والد بزرگوار مولوی محمد کرم الدین دبیر اپنی کتاب "آفتاب ہدایت رد رفض و بدعت کے عنوان "متعہ کیا چیز ہے،، کے تحت تحریر کرتے ہیں۔

"متعہ فی الحقیقت زنا ہے جس کا نام صرف تبدیل کیا گیا ہے اور اوصاف سارے وہی ہیں۔ (کتاب مذکورہ صفحہ ۱۸۶)

باپ کا اقرار بیٹے کا انکار

اب قاضی صاحب اگر اپنے باپ ہی کی کہی ہوئی بات کا انکار کرتے ہیں تو اس کا علاج میرے پاس کوئی نہیں اللہ فیصلہ کرنے والا ہے قاضی صاحب کا یہ الزام سراسر غلط اور بہتان ہے کہ متعہ میں "دو مرد و عورت اپنی رضامندی سے بغیر گواہوں کی شہادت کے مخفی طور پر شہوت رانی کر لیتے ہیں،،

میاں بیوی راضی کیا کریگا قاضی

میں اس بیہودہ گوئی کا جواب شائستگی میں یہ عرض کرتا ہوں کہ عقد کا مطلب ہی باہمی رضامندی ہے چنانچہ مثل ہے کہ "میاں بیوی راضی کیا کرے گا قاضی"۔ باہمی رضامندی نکاح دائمی اور متعہ دونوں کے لئے ضروری ہے اور ہمارے ہاں گواہوں کی شہادت عقد متعہ میں ہرگز ممنوع نہیں ہے تاہم خاص حالات میں اگر گواہ نہیں ہے تو صیغہ متعہ میں ایجاب و قبول اور قصد انشاء کافی ہو سکتا ہے۔

ہمارے ہاں عقد متعہ میں احتیاط لازم ہے۔ اس میں مرد و عورت اور مہر کی تعین کے علاوہ مدت کا معین ہونا بھی ضروری ہے۔ اگر مدت معین نہ ہوگی تو وہ عقد نکاح دائمی ہو جائے گا۔ اس کا مہر فوراً ادا کر دینا چاہیئے پاک دامن اور مومنہ عورت سے متعہ کرنا مستحب ہے۔ اور کنواری لڑکی سے مکروہ ہے۔ اسی طرح بازاری عورت سے متعہ کرنا بھی مکروہ ہے۔

اس ضمن میں یہ واضح رہے کہ متعہ کی تشریح ضرورتوں کی صورتوں کے لئے ہوئی ہے لیکن چونکہ مخالفین نے اس حکم اسلامی کو بلا جواز ممنوع سمجھ لیا لہٰذا اس خدائی قانون کی بقا کے لئے متعہ کی فضیلت میں احادیث وارد ہوئی ہیں بہرحال ہر شخص کے لئے بلا ضرورت جبکہ وہ عقد دائمی کر چکا ہے یا کرنے کی ضرورت رکھتا ہے عقد متعہ کی ضرورت نہیں ہے ماسوا ان حالات و صورتوں کے جبکہ مخالفین کے خلاف اس شعار کو قائم رکھنے کے لئے عمل کی ضرورت ہو۔ ہر مسلمان عورت اور کافرہ سے جو اہل کتاب اور ذمی ہو متعہ صحیح ہے۔ صیغہ متعہ میں بھی ایجاب و قبول قصد انشاء اور الفاظ کا صحیح طریقہ سے ادا کرنا ضروری ہے۔

۱۔ اگر مرد و عورت خود صیغہ متعہ پڑھ سکتے ہوں تو اوّل عورت کہے۔ متعتک نفسی فی المدۃ المعلومۃ علی المہر المعلوم پھر فوراً مرد کہے قبلت المتعۃ لنفسی فی المدۃ المعلومۃ علی المہر المعلوم۔

(نکاح دائمی کی صورت میں اگر مرد و عورت دونوں بالغ رشید ہوں تو اپنا صیغہ نکاح خود پڑھ سکتے ہیں)

۲۔ اگر مرد و عورت دونوں کی طرف سے دو شخص وکیل ہوں تو اوّل عورت کا وکیل صیغہ کہے گا بعد مرد کا وکیل۔

۳۔ اگر مرد و عورت دونوں کی طرف سے ایک ہی شخص وکیل ہو تو کافی ہے کہ پہلے وہ عورت کی طرف سے صیغہ کہے پھر مرد کی طرف سے۔

۴۔ اگر عورت کی طرف سے خود متعہ کرنے والا مرد ہی وکیل ہو تو پہلے عورت کی طرف سے صیغہ کہے پھر اپنی طرف سے۔

۵۔ اگر عورت کی جانب سے کوئی دوسرا شخص وکیل ہو اور مرد خود پڑھنا چاہے تو اوّل عورت کا وکیل صیغہ کہے پھر مرد اپنا صیغہ کہے۔

علیٰ ھذا القیاس وقت و حالات کی ضرورتوں کے مطابق مدت و مہر کا تعین کر کے یہ نکاح کیا جا سکتا ہے اور اس میں گواہوں کی موجودگی کو ممنوع قرار نہیں دیا گیا ہے۔ البتہ عدم موجودگی عقد متعہ کو باطل قرار نہیں دے سکتی ہے لیکن قاضی صاحب کا یہ کہہ کر لوگوں کی آنکھوں میں دھول جھونکنا انتہائی رکیک شرارت ہے کہ "بغیر گواہوں کی شہادت کے مخفی طور پر شہوت رانی کر لیتے ہیں"۔

ثواب و درجات

مجیب موصوف نے متعہ کرنے پر ثواب کے درجات کی روایت کو بڑی بے در

کر کے تمسخرانہ انداز میں پیش کیا ہے۔ حالانکہ یہ بات فریقین کے مسلمات میں ہے کہ ایسی روایات جن میں عمل قلیل کے لئے اجر کثیر بیان ہوتا ہے وہ نہ ہی حجت مانی جاتی ہیں اور نہ مقبول لیکن قاضی جی نے اس کی خلاف ورزی کرتے ہوئے اس حدیث کو بطور اعتراض پیش کیا ہے میں کہتا ہوں کہ اس کا عمومی جواب یہ ہے کہ خداوند عالم اسی سورہ النساء میں کہ جس میں آیت متعہ ہے ارشاد فرماتا ہے کہ "اور جو اللہ اور رسولؐ کی اطاعت کرتے ہیں وہ ایسے لوگ ہیں جو درجہ میں اُن کے ساتھی ہیں جن پر اللہ نے انعام کیا یعنی انبیا، صدیقین، شہدا اور یہ نیک لوگ کیسے اچھے ساتھی ہیں اس قرآنی ارشاد کی روشنی میں خدا و رسولؐ کا کہا ماننے والا جنت میں نبیوں، صدیقوں اور شہیدوں کے درجہ میں ان کی رفاقت کر سکتا ہے اب میں کہتا ہوں کہ متعہ جسے خدا و رسولؐ نے حلال و جائز قرار دیا اور ایک اُمتی نے بلا اختیار دین میں مداخلت کر کے اسے ممنوع قرار دیدیا اگر کوئی شخص اس حکم شریعت کی بقا کے لئے اس پر عمل کرے اور جنت میں اسے حضرات محمدؐ و آل محمدؐ علیہم السلام کی رفاقت نصیب ہو جائے تو اس میں اعتراض و مذاق کی کیا بات ہے حدیث میں معاذ اللہ یہ تو نہیں ہے کہ ایسا کرنے والا حسینؑ، حسنؑ، علیؑ یا محمدؐ بن جاتا ہے بلکہ یہ ہے کہ ان کے ساتھ انکے درجہ میں ہو گا اور ظاہر ہے کہ رفاقت اسی وقت ممکن ہے جب درجہ ایک ہو اور یہ بات قرآن سے ثابت کی جا چکی ہے۔ چنانچہ اس مردہ حکم کو زندہ کرنے کے لئے علماء نے یہ ثواب بیان کر کے ترغیب دلائی ہے حالانکہ سنی مذہب میں کئی ایسی باتیں ہیں کہ معمولی کام کے لئے بڑے عالیشان درجوں کی بشارتیں ملتی ہے۔ مثلاً یہ کہ

حلوہ کھاؤ جنّت میں جاؤ، عمل کرو نبی سے بڑھ جاؤ

مشہور حدیث ہے کہ "جو شخص ایک مرتبہ لا الٰہ الا اللّٰہ کہہ دے اس کے لئے جنّت واجب ہو جاتی ہے" اب یہاں تو ایک جملہ زبان سے ادا کر دینے پر سب طرح کی برائیوں کی اجازت اور تمام نیکیوں کی تکلیف سے نجات حاصل ہو جاتی ہے چلئے یہ تو کلمہ توحید کے اقرار کرنے کی بات ہے۔ مذہب سُنیہ میں تو صرف حلوہ کھا لینا ہی جنّت کے لئے کافی ہے (النجم الصغیر ص۵۹) اور قاضی جی کے مسلک کے مطابق تو امتی عمل میں نبی سے بڑھ سکتا ہے جیسا کہ مولوی قاسم نانوتوی نے لکھا ہے بلکہ امتی نبیوں سے عمل میں بڑھ جاتے ہیں (تحذیر الناس ص۵۲)

عقلمند کافر بے وقوف قاضی

"رنگیلا رسول" کے مصنف کو مسئلہ متعہ کا بخوبی علم ہوگا لیکن اس نے اس میں کوئی خرابی محسوس نہ کی اس لئے کہ نیوگ کی رسم اس کے پیش نظر تھی۔ کافر ضرور تھا مگر عقل دماغ میں رکھتا تھا اس کو پتہ تھا اگر یہ مسئلہ چھیڑ گیا تو الٹی بد نامی ہوگی لیکن قاضی جی کے لئے کیسی تعجب کی بات ہے کہ باوجودیکہ ان کے مذہب میں اجرت پر زنا کرنے پر کوئی حد شرعی نہیں ہے وہ متعہ پر اعتراض کر کے چاند کی طرف تھوک پھینکنے کی بھونڈی حرکت کرتے ہیں کیا قاضی جی اپنے فتاویٰ قاضی خان کو بھول گئے ہیں کہ جس میں ہے یعنی۔

امام اعظم اور زنا کی اجازت

"اگر کوئی شخص اجرت مقرر کر کے

زنا کے لئے کرایہ پر عورت لائے اور اس سے زنا کرے تو ابو حنیفہ کے نزدیک اس پر حد جاری نہ ہوگی۔"

(فتاویٰ قاضی خاں جلد ۴ صفحہ ۸۲۱ مطبوعہ نولکشور لکھنؤ)

ایسی ہی بات فتاویٰ سراجیہ کے صفحہ ۶ پر مرقوم ہے

بازار حسن چمک اُٹھے

اب تو تمام فاحشہ و زنا کار لوگوں کو امام اعظم صاحب کا ممنون ہونا چاہیئے اور سنی مذہب کا شکریہ ادا کرنا چاہیئے کہ ان کے پیشہ کو جائز قرار دے کر ان پر رزق کے دروازے کھول دیئے ہیں۔ شرم! شرم! شرم!

مصنف "رنگیلا رسول" کو یہ بھی احساس تھا۔ شیعہ مذہب میں متعہ میں کچھ شرعی پابندیاں اور قواعد و ضوابط ہیں مگر سنیوں نے تو بالصراحت اپنے رسولؐ کو ایسے کردار میں پیش کیا ہے جہاں اُمّت کا متعہ کرنا کوئی اہمیت ہی نہیں رکھتا غالباً صحیح بخاری میں مرقوم جونیہ کا قصہ اس نے ضرور پڑھ لیا ہوگا اگر آپ جان بوجھ کر اُسے بھول گئے ہیں تو ہم یاد کرا دیتے ہیں۔

بخاری اور بدکاری

"ابو اسید فرماتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ نکل کر ایک باغ کے قریب پہنچے جسے "شوط" کہتے تھے جبکہ ہم اس کی دیوار وں کے قریب پہونچے تو وہاں بیٹھ گئے۔ آپ نے فرمایا تم یہیں بیٹھے رہو پھر آپؐ اندر تشریف لے گئے وہاں ایک جونیہ بستان سرائے میں لائی گئی جس کا امیمہ دختر نعمان بن شراحیل نام تھا اس کے ہمراہ ایک دایہ تھی جو اس کی پرورش کرتی تھی جبکہ رسول اللہ اس کے پاس گئے تو اس سے کہا کہ اپنا نفس مجھے دیدے۔ اس نے جواب دیا بادشاہ زادی بھی بازاری لوگوں کو

اپنا نفس ہبہ کر سکتی ہے۔ ابوالسید کہتے ہیں۔ آنحضرتؐ نے سوچا کہ اپنا ہاتھ اس پر رکھ کر اسے تسکین دوں۔ وہ بولی میں تجھ سے خدا کی امان مانگتی ہوں۔ آپ نے جواب دیا تو نے بڑے پناہ دینے والے سے امان مانگی پھر ہمارے پاس چلے آئے اور فرمایا اے ابوالسید اسے وہ کپڑے رازقی پہنا کر اس کے کنبے والوں کے پاس پہنچا دے۔ سہیل بن سعد اور ابوالسید کہتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے امیمہ بنت (ابی) شراحیل سے نکاح کیا جبکہ آں حضرت کے پاس لائی گئی۔ آپ نے اس کی طرف ہاتھ دراز کیا۔ اس نے اسے مکروہ جانا۔ آپؐ نے اسید کو ارشاد فرمایا اس کا سامان کر دے اور دو سفید کپڑے پہنا دے۔

(صحیح بخاری حصہ سوم ص۲۳۷ حدیث نمبر ۲۲۴ مترجم مرزا حیرت دہلوی)

اب ہم قاضی جی سے بصد معذرت عرض کرتے ہیں کہ ایسی باتوں میں اُن کے لئے پنجابی کی وہ ضرب المثل بالکل صحیح بیٹھتی ہے کہ "ککڑ کھہ اڈائی نے اپنے سر وچ پائی"، یعنی مرغے نے جو دھول اڑائی وہ اس کے اپنے ہی سر میں آپڑی۔ اب بھی اگر وہ نادم نہیں ہوتے ہیں پھر فیصلہ قارئین کر لیں۔

مصنف رنگیلا رسول میرے عاقلانہ و فطری مذہب کی طرف میلی نگاہ کیسے اٹھا سکتا تھا جبکہ اسے سنی مذہب کا پورا خانہ ہی آفتاب دکھائی دیتا تھا جب اسے اس قسم کے نظارے دیکھنے نصیب ہو رہے ہوں گے تو پھر متعہ کی کیا حیثیت رہ گئی ہوگی۔

"قاضی صاحب کے امام مسلم نے اپنی صحیح میں کیسی جسارت کی ہے ذرا ملاحظہ کیجئے اور پھر قاضی جی کو کہ بیان پاک کر کے اس میں

جھانکنے کی دعوت دیجئے

مسئلہ غسل اور رنگیلا جواب

ایک صحابی نے حضورؐ سے غسل کے بارے میں مسئلہ دریافت کیا آپ نے بی بی عائشہؓ کے ساتھ خلوت کا مخصوص عمل کر کے دکھایا پوری روایت دیکھنے کے لئے اصل کتاب ملاحظہ کریں تو بہتر ہوگا حوالہ میں لکھے دیتا ہوں۔

صحیح مسلم حصہ اول صفحہ ۱۵۵ حدیث ۲۹۶

چچا چور بھتیجا قاضی

اب جب سنی مذہب کا نبی الٰہی نازیبا حرکت کا مرتکب مل جائے گا تو پھر امتیوں کے منہ پر کسی کو نقاب اٹھانے کی کیا ضرورت ہوگی میں تو قاضی چچا سے یہی عرض کروں گا کہ آپ کے بزرگ چچا بخاری و مسلم نے جو توہین میرے رسولؐ کی اپنی صحیحین میں کی ہے بھتیجا قاضی بن کر اس کا فیصلہ بخاری مثال کے مطابق کریں کہ چچا چور بھتیجا قاضی یار چچا کی بھتیجا راضی۔ کیا خیال شریف ہے!

میرا تو خیال ہے کہ اشارہ ہی کافی رہے گا۔ مگر ڈھیٹ پن کا کیا علاج ہے؟

مجبور عورت

غضب خدا کا ایک مجبور عورت جسکو موت کا خوف لاحق ہے کو بے گناہ سنگسار کرنے کا حکم آپ کا خلیفہ دیکر غلط فیصلہ کرتا ہے اور میرا امام اس کی اصلاح کرتا ہے تو خلیفہ جی کو اعتراض نہیں بلکہ اعتراف کرتے ہیں کہ اگر علی نہ ہوتا تو میں مر جاتا مگر آپ کو اس پر بھی شکایت ہے کہ مظلوم عورت کیوں زندہ بچ گئی۔ پہلے اس بیچاری پر زنا ثابت تو کرو پھر اس مسئلہ میں ٹانگ اڑاؤ۔ کیا فریادی جب اپنے اوپر جبر و ظلم کی شکایت لے کر حاکم کے پاس آئیگا تو اس کو مدد دینے کی بجائے سزا دی جائیگی؟

یہی ظالمانہ مذہب آپ دنیا کے سامنے پیش کر کے نظام خلافت راشدہ کے کھوکھلے نعرے لگاتے ہیں کہ مظلوم کی داد رسی کی بجائے الٹے [illegible] کے حوالہ کر دیا جائے کچھ تو شرم سے کام لیجئے۔ آپ نے باقر شاہ صاحب بے بس دلیل پر یہ سوال کیا ہے کہ "کیا وہ زنانہ تھا؟" شاہ صاحب موصوف تو پتہ نہیں کیا جواب دیں گے۔ میں کہتا ہوں یہ اس مجبور و بے بس عورت کو زنانہ کہنا انتہائی سنگدلی کا ثبوت ہے۔

اللہ آپ کو نیک ہدایت دے اور ہٹ دھرمی کے تالے کو اپنے کرم سے توڑ دے۔ شیعہ مذہب کی اس روایت میں تو کوئی قباحت نہیں ہے۔ کیونکہ خود سنی مذہب کے فاروق اعظم نے اس شیعہ فیصلہ کو قبول کر لیا لہٰذا یہ تو کوئی ایسی بات نہیں جس سے شیعہ مذہب کی پاکیزگی پر حرف آئے لیکن تو یہ عرض کرتا ہوں کہ سنی مذہب کے نشاط کدہ کی ہر شئے جنسیات و فحاشی سے مملو نظر آتی ہے۔ انسانوں کی بات رہی ایک طرف ان کو تو عرش اعظم بھی جنسی دلداری دکھاتا ہے۔ ہم نے تو اس مذہب میں ایسے لطیفے دیکھے ہیں کہ اس مذہب کو مذہب سمجھنے ماننے سے انکار کرنے پر مجبور ہو گئے ہیں باپ دادا کی پرواہ نہیں کی ہے۔ ایک لطیفہ قارئین کو سنا ہی دیتا ہوں۔ مگر دل کو غم یہ گرداں راوی ہے۔

عرش کا احتلام

سنی مولوی ابوالخیر خلف الرشید مولوی امانت اللہ غازی پوری موضع مدھولیہ میں ۱۸ جولائی ۱۹۷۶ء کو وعظ کے لئے تشریف لے گئے بعد نماز مغرب آپ نے وعظ فرمایا منجملہ اکثر مواعظ کے یہ بھی فرمایا کہ جب آنحضرتؐ معراج میں گئے تو عرش اعظم کو فرط مسرت سے احتلام ہو گیا۔ (گمنام دہلی اخبار امرت ۱۹۷۶-۷-26)

بحوالہ اعجاز داؤدی ص ۳۱) کیا قاضی جی ایسے ہی روایات و حکایات سے ہزاروں میں پوشیدہ متاع کے ذخیرہ میں سُنی مذہب کو ڈھونڈ کر حق ادا کر رہے ہیں۔ شیعہ کتب پر اعتراض کرتے ہوئے یہ نہیں سوچتے کہ شیعوں کی احتیاط کا عالم ہے کہ انھوں نے کبھی اپنی کتابوں کو صحیح تک نہیں لکھا ہے جب آپ صحیح کہہ کر غلط بیانی سے بھرپور کتابوں کو اپنے مذہب کی اساس ٹھہراتے ہیں۔ باوجود بار بار وضاحت کرنے کے کہ یہ بات عند التحقیق ہے کہ امام مہدی نے "ھٰذا کافٍ لِشیعتنا" اصول کافی کے لئے کہا اسی جھوٹے الزام کو دھراتے رہتے ہیں حالانکہ اخلاقی و اصولی ضابطوں کے مطابق مسلمات خصم سے استدلال کیا جاتا ہے۔ مگر ڈوبتا ہوا آدمی ہمیشہ اس الٹے سیدھے ہاتھ چلاتا رہتا ہے مگر طوفانی موجیں اس کو پختگی کے ساتھ اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہیں:۔

کچھ کہتے کہتے رہ گئے

کہنے کو تو بہت کچھ باقی ہے مگر اسی پر اکتفا کرتا ہوں اور قاضی جی کو مشورہ دیتا ہوں۔ اس دنیا کی عارضی شہرت کے لئے ناعاقبت اندیشی سے کام نہ لیں تعصب اور ضد سے آخرت نہیں سنور سکتی ہے۔ لہٰذا انصاف سے کام لے کر اپنے نام میں لگے ہوئے لفظ "قاضی" کی عزت و احترام کا لحاظ رکھیں۔ آپ جس متعہ کو بلاوجہ خدا و رسولؐ کے حکم کے خلاف ناجائز قرار دیتے ہیں اس کو حرام بنا دینے والے صاحب کے فرزند نے اپنے ہی باپ کے خلاف یہ احتجاج بلند کیا ہے۔ ملاحظہ کیجئے۔ مستند علامہ اہل سنت راغب اصفہانی اپنی مشہور کتاب "محاضرات" میں تحریر کرتے ہیں کہ

باپ کے لئے حرام بیٹے کیلئے حلال

"ایک شخص نے حضرت

عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ آپ جوازِ متعہ کے سلسلہ میں کیا کہتے ہیں ابن عمر نے کہا جائز ہے۔ سائل نے پوچھا مگر آپ کے والد تو کہتے ہیں حرام ہے۔ عبداللہ نے جواب دیا کیا میرے والد نے بر سرِ منبر یہ اعلان نہیں کیا کہ رسولِ خدا کے زمانے میں دو متعے جائز تھے میں (عمر) انہیں حرام قرار دیتا ہوں۔ اور خلاف ورزی کرنے والے کو سزا دوں گا سائل نے کہا ہاں یہ تو درست ہے۔ عبداللہ ابن عمر کہا ہم ان (عمر) کی گواہی کو قبول کرتے ہیں کہ عہدِ رسالتؐ میں دونوں متعے جائز تھے مگر ان (عمر) کے حکم کو نہیں مانتے کیونکہ جس چیز کو خدا و رسول حلال قرار دیں میرے باپ کو کیا حق حاصل ہے کہ اُسے حرام قرار دیں"

الزام ان پہ قصور اپنا

حضرت عبداللہ ابن عمر کے اس صحیح جواب کو تسلیم کرتے ہوئے ہم قاضی مظہر حسین صاحب کو ہمدردانہ غور کرنے کی دعوت دیتے ہیں اور ملتمس ہیں کہ اپنے خلیفہ راشد، فاروق اعظم کے اس نامور فرزند پر جن کی روایات پر آپ کے مصنوعی مذہب کی عمارت استوار ہے کی اس بات کو تسلیم کرکے حقِ نمک خوری ادا کر دیجئے۔ اور مان جائیے کہ کسی بھی اُمتی کو یہ ہرگز اختیار حاصل نہیں ہے کہ خدا اور رسولؐ کے مباح و حلال کردہ امر کو اپنے شاہی فرمان سے حرام قرار دے۔

جناب ابن عمر کی یہ وضاحت مسئلہ متعہ کے لئے اہل سنت کے نزدیک قول فیصل کی حیثیت رکھتی ہے۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ اس کے بعد قاضی جی تسلیم کر لیں گے کہ۔

"میں الزام ان کو دیتا تھا قصور اپنا نکل آیا"

پس وہ مذہب ہرگز حق نہیں ہو سکتا ہے۔ جس میں خدا و رسول کے حقوق پر ڈاکہ زنی کی جائے اور اللہ و رسول کے حلال کو غیر نبی کے کہنے پر حرام تصور کر لیا جائے۔

سوال نمبر ۱ قرآن کی اس آیت کا نشان بتائیے جس میں حکم ہو کہ "ماتم شبیر کرنا حرام ہے"۔

مطلوب مخالفین عزاداری کا دعویٰ ہے کہ ماتم سید الشہداء ناجائز و حرام ہے لہٰذا قرآن سے وہ آیت دریافت کی گئی ہے جس میں یہ حکم ہو کہ ماتم امام حسین علیہ السلام حرام ہے۔

قاضی مظہر حسین صاحب کا جواب

الی یہ سوال بھی جہالت پر مبنی ہے کیونکہ اس مسئلہ میں مدعی شیعہ ہیں اور وہ ماتم شبیر کو عبادت قرار دیتے ہیں ثبوت تو مدعی کے ذمہ ہوتا ہے آپ شیعہ علماء سے قرآن مجید کی کوئی ایسی آیت پیش کرنے کا مطالبہ کریں جس سے ماتم شبیر کا عبادت ہونا صراحتاً ثابت ہو؟

ہم تو ماتم مروجہ کے افعال کو خلاف صبر قرار دیتے ہیں اور قرآن مجید میں صبر کرنے والوں کو بشارت دی گئی ہے نہ کہ ماتم مروجہ کا ارتکاب کرنے والوں کو بشارت دی گئی ہے چنانچہ قرآن مجید میں فرمایا ہے۔

واستعینوا بالصبر والصلوٰۃ ان اللہ مع الصابرین۔ اے ایمان والو تم مدد حاصل کرو صبر اور نماز کے ذریعہ بے شک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے"۔

(۲) اور قرآن مجید کی آیات صبر اور رسول کریم رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات مبارکہ کے تحت ہی حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے

اپنی ہمشیرہ حضرت زینب کو یہ وصیت فرمائی تھی کہ۔ اے خواہر گرامی تم کو میں قسم دیتا ہوں کہ میں جب شہید ہو کر بعالم بقا رحلت کروں گریبان چاک نہ کرنا اور منہ نہ نوچنا وا ویلا نہ کرنا پس اہل حرم کو فی الجملہ تسلی و دلاسا دے کر تہیہ سفر آخرت درست کیا الخ (جلاء العیون مترجم مولفہ رئیس المحدثین علامہ باقر مجلسی جلد دوم ص ۵۰۷ مطبوعہ شیعہ جنرل بک ایجنسی انصاف پریس لاہور) اور خود رسول کریم رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات کے وقت حضرت فاطمۃ الزہرا کو یہ وصیت فرمائی تھی کہ "اے فاطمہ جب میں مر جاؤں اس وقت تو اپنے بال میری مفارقت سے نہ نوچنا اور اپنے گیسو پریشان نہ کرنا اور واویلا نہ کہنا اور نہ مجھ پر نوحہ کرنا اور نوحہ کرنے والوں کو نہ بلانا۔۔۔ (جلاء العیون مترجم اردو جلد اوّل ص ۸۶ مطبوعہ لکھنؤ)

سید باقر حسین شاہ صاحب۔ اب آپ ہی شیعہ مذہب کے علماء اور مجتہدین سے یہ پوچھیں کہ وہ امام حسین کی یاد کا منانے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ سلم اور حضرت امام حسین کے صریح ارشادات کی کیوں مخالفت کرتے ہیں کیا شیعہ مذہب کی عبادت حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور حضرت حسین کی مخالفت پر مبنی ہے؟

اُلٹا چور کوتوال کو ڈانٹے قاضی بیٹھا بغلیں جھانکے

میرا جواب اُلٹا چور کوتوال کو ڈانٹے قاضی بیٹھا بغلیں جھانکے۔ مجیب موصوف فرماتے ہیں کہ یہ سوال بھی جہالت پر مبنی ہے کیونکہ اس مسئلہ میں ملک شیعہ ہیں۔ اب میں قاضی کے تحیر علمی کا ماتم

کروں یا اپنی جہالت کا ابھی نیک مانس شیعہ کہاں اس دعویٰ کے مدعی ہیں کہ ماتم شبیر حرام ہے ۔ ایسا دعویٰ تو آپ مخالفین عزاداری کا ہے ۔ ہم تو کہتے ہیں کہ دنیا بھر کے قوانین کی کتب اس بات پر عملاً متفق ہیں کہ جب کسی چیز پر ممانعت وارد نہیں ہے تو وہ قانونی لحاظ سے جائز قرار پاتی ہے یہ انوکھی منطق آپ کی وضع کردہ ہے کہ جس چیز کی اجازت واضح نہ ہو وہ ناجائز ہے ۔ حالانکہ متفق علیہ حدیث رسول ہے کہ "سب چیزیں جائز ہیں جب تک ان میں سے کسی پر ممانعت وارد نہ ہو ۔" جب آپ اس متفقہ اصول کے خلاف ماتم کو حرام قرار دیتے ہیں تو یہ ذمہ داری آپ کی ہے آپ حرمت کی دلیل پیش کریں ۔ لہٰذا مدعی آپ ہیں نہ کہ ہم ۔ ہمارا دعویٰ تو بہرحال حدیث رسول ص کے مطابق ثابت ہے ۔ کہ چونکہ ماتم شبیر کی ممانعت ظاہر نہیں ہے لہٰذا جائز ہے ۔ چنانچہ اس مسئلہ پر میں نے اپنی کتاب "پوچھتا ہے ہمت کے" میں سیر حاصل بحث کر دی ہے اور یہ کتاب آپ کے اعتراف کے مطابق تو آپ کے پاس موجود ہے مطالعہ فرما لیجئے ۔ اسی طرح ہمارا مقالہ کی درستی ہماری کا "میں" بحث صبر و لا تفزع" کے عنوان کے تحت اعتراض نمبر ۹۶ سے اعتراض نمبر ۱۰۰ تک کے جوابات میں ماتم کا عبادت ہونا اور صبر کے منافی نہ ہونا مکمل طور پر ثابت کیا گیا ہے اگر آپ اس کتاب کا مطالعہ قبل از طباعت کتاب زیر بحث فرما لیتے تو شاید آپ کو اختیار کردہ راہ کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ اختیار کرنا پڑتا بہرحال ان دونوں کتابوں کے مطالعہ کی دعوت دے کر ہم مزید معروضات پیش خدمت کرتے ہیں ۔ ؎

نہ مٹا، مٹ نہ سکا نام ترا اے مولا
مٹ گئے آپ ہی تجھ کو مٹانے والے

عزاداری سے بخار کیوں آتا ہے؟

مخالفین اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ شیعہ مذہب کی دن دگنی رات چوگنی ترقی کا راز عزاداری سیدالشہداء علیہ السلام سے گہری طرح وابستہ ہے اللہ کے احسان سے ہر سال ہزاروں غیر شیعہ افراد مذہب حق اختیار کرتے ہیں اور شیعوں کا کوئی طفل نادان کبھی اپنے مذہب کو چھوڑنے کا نام نہیں لیتا ہے اس حقیقت کا اعتراف غیر مسلم دانشمندوں نے بھی کیا ہے چنانچہ ایک فرانسیسی مفکر ڈاکٹر جوزف نے اپنے رسالہ الاسلام والمسلمون، میں یہی بات لکھی ہے اور حقیقت تو اس سے بھی بلند ہے کہ اسلام کی بقا اور شریعت اسلامیہ کی نشو و نما صرف مظلوم امام حسین علیہ السلام کی شہادت اور انکی عزاداری کی مرہون منت ہے جیسا کہ خواجہ معین الدین چشتی نے فرمایا ہے۔ میں برملا کہتا ہوں کہ اگر شیعیان اہل بیت ہر اسم عزا کو چھوڑ دیتے تو مسلمان حسین کا نام بھی بھول جاتے۔ غزالی اور ہیرت دہلوی یا محمود عباسی عزیز صدیقی جیسے ناصبی لوگ اس سانحۂ عظیم کو محض ایک فرضی قصہ مشہور کر کے مقصد شہادت کو خاک میں ملا دیتے۔ عزاداری ان کو ناگوار کیوں گزرتی ہے؟ جبکہ اور تے بیٹھے شیعہ ہیں اور تکلیف ان کو ہوتی ہے وجہ صرف اتنی ہے جو ان کے بڑے بزرگوں نے علانیہ بیان کر دی ہے اس سے اُن لوگوں کے بزرگوں کے ظلم و ستم کا پردہ چاک ہوتا ہے۔ غزالی نے یہ صحیح کہا ہے کہ واعظ پر ذکر حسین حرام ہے کیونکہ اس سے بغض صحابہ جنم لیتا ہے۔ اب صاحب ایسا ہوتا ہے تو ہوتا رہے۔ سوگواروں کو اس ملع سازی اور بے جا رواداری سے کیا واسطہ؟

قاضی جی کو عزاداری سے ٹھیس پہنچتی ہے لہٰذا وہ حرمت ماتم کی توکوئی

آیت پیش نہیں کر سکتے البتہ مکا برانہ ماتم کو خلافِ صبر قرار دے کر صابرین کی بشارتوں کا ذکر کرتے ہیں۔

لیکن ہم کہتے ہیں کہ ماتم ہرگز خلافِ صبر نہیں ہے بلکہ یہ فطری جذبات کا اظہارِ غم ہے۔ صبر کے معنی ہیں استقامت، ناشائستہ بات پائے جا اعتراض سے نفس کو روکنا چنانچہ قرآن مجید میں حضرت موسیٰؑ و حضرت خضرؑ کے قصہ میں جو جناب خضرؑ نے حضرت موسیٰؑ سے فرمایا کہ آپ صبر نہیں کر سکیں گے تو کیا اس سے مراد ان حضرت کی یہ تھی کہ موسیٰؑ ماتم بند کر سکیں گے؟ نہیں بلکہ مطلب یہ تھا کہ آپ معترض ہوں گے چنانچہ اسی طرح ہوا۔

اب سوال یہ ہے کہ یہ کیسی بےدردی کا ثبوت ہے کہ اگر کسی مظلوم کی حمایت میں ظالم کے خلاف اُن مظالم کی سنگینی سے دل برداشتہ ہو کر اگر ماتم کر لیا جائے تو اسے گناہ سمجھا جائے حالانکہ نہ ہی اس سے کسی کا نقصان ہوتا ہے اور نہ ہی کسی تشریعی حکم کی خلاف ورزی۔

ناکام محبت کا صلہ جنت وشہادت

سُنّی مذہب کے وارے وارے جاؤں! اگر کسی پر راضی ہو جائے تو اسے عشق میں نامرادی پر بھی مرتبہ شہادت پہ فائز کر دے اور اگر ناراض ہو تو آلِ محمدؐ کی محبت میں ان کے مصائب سے مغموم ہو کر دو ہاتھ سینہ پہ مارے تو ہاتھ کاٹنے کو آ جائے ذرا اس حق مذہب کی دلفریبی و دریا دلی ملاحظہ کریں۔ لکھا ہے کہ

"من عشق کتم وعف ثم مات فھو شہیدا"، (تاریخ بغداد جلد ۵ صفحہ ۱۵۶)

یعنی جو شخص (کسی لڑکے یا لڑکی سے) عشق کرے اور اس محبت کو چھپائے

اور اس میں ناکام رہے تو (نامراد عاشق) جب مرے گا تو یہ شہید ہوگا۔"

آپ ارباب انصاف ہی ایمانی فیصلہ کریں کہ مجازی عشق میں ناکامی کی صورت میں موت تو مذہب شیعہ میں شہادت ہے لیکن محبت رسولؐ و آل رسولؐ میں گرائے گئے چند آنسو یا سینے پہ مارے گئے دو ہاتھ ارتکاب گناہ ہوگا۔

ہم نے اس مسئلہ کا عقلی و نقلی حل اپنی کتاب چودہ مسئلے میں پیش کیا ہے اور مزید قاضی صاحب کی پیش کردہ دونوں روایات کا جواب دیتے ہیں۔

روایات نہی کا جواب

اس سلسلہ میں اوّل بات قابل توجہ یہ ہے کہ امامؑ یا رسولؐ کی اس ممانعت کا مطلب کیا ہے آیا ان امور کے ناجائز اور داخل معصیت ہونے کی وجہ سے ایسا فرمایا یا محض تسکین و تسلّی کی خاطر دلاسہ دینے کی غرض سے۔ چنانچہ وفات پیغمبرؐ کے وقت حضورؐ کا بی بی سیدہؑ طاہرہ سے متعلقہ جو روایت قاضی صاحب نے پیش کی ہے اس سے قبل جلاء العیون میں یہ مرقوم ہے کہ جناب سیدہ بارگاہ نبوتؐ میں حاضر ہوئیں۔ تو آنحضرتؐ کے ضعف و نقاہت کو دیکھکر آپ کی حالت غیر ہوگئی اور روتے روتے آنسو رخسار مبارک پر بہنے لگے۔ ظاہر ہے کہ وفات پیغمبرؐ کے بعد اس حالت سوگواری میں اضافہ ہونا اور جب بی بی معصومہؑ کی یہ حالت ہوتی تو چھوٹے بچوں کا کیا حال ہوتا؟ اس بات کا مشاہدہ گواہ ہے کہ ایسے اندوہناک مواقع پر بڑے بڑے لوگ اسیطرح

تسلی آمیز کلمات کہے ہیں جن سے مقصد محض تسکین و تسلی ہوتا ہے اور پسماندگان
کے صدمہ کا بوجھ ہلکا کرنا منظور ہوتا ہے پس اسی رسم کے مطابق رحمت للعالمین
جیسے پدر عالی مقام نے اپنی دختر نیک اختر کی تسلی و تسکین کے لیے وہ جملے ارشاد
فرمائے جو قاضی جی نے نقل کیے ہیں۔ بالکل اسی طرح اس وصیت کا پس منظر
ہے جو علی بن امام حسین علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جب شب عاشورہ میرے والد ماجد
نے اپنے خیمہ میں المیہ اشعار پڑھے اس وقت میری پھوپھی اماں ضبط نہ فرما سکیں
سیدھی اپنے بھائی کے خیمہ میں پہنچیں اور بے تاب ہو کر کہا بھیا جان
ایسا کلام تو وہ شخص کرتا ہے جسے اپنی موت کا یقین ہو۔ امام نے جواب دیا
ہاں بہن یہ سچ ہے یہ سن کر زینب ع نے کہا ہائے افسوس کیا آپ مجھ سے
چھین لیے جائیں گے یہ بات تو اور بھی میرے دل کو زیادہ مجروح
کرنے والی ہے اور مجھ پر سخت بھاری ہے یہ کہا اور پھر تاب ضبط نہ رہی ہاتھوں
سے منہ کو پیٹ لیا۔ گریبان چاک کر دیا بعد ازاں غش کھا کر گر گئیں امام نے
اٹھ کر ان کو افاقہ میں لانے کی سعی فرمائی جب قدرے طبیعت بحال ہوئی تو
وہ وصیت ارشاد فرمائی جو مجیب نے اکثر اقتباساً تحریر کی ہے۔ امام علیہ السلام
نے دیکھا کہ جس شخصیت نے میرے بعد لٹے ہوئے قافلہ کی سالار بن کر مصائب
سے بھرپور منازل کو اسیری میں طے کرنا ہے۔ اگر اس کی یہ حالت زار میری زندگی میں
ہے تو پھر میری شہادت کے بعد کیا ہوگا۔ اور اگر یہ مخدومہ اسی کیفیت سے دوچار
ہوئی تو لاوارث مستورات اور یتیم بچگان کی دیکھ بھال کون کرے گا۔ پس
آئندہ واقعات کو مدنظر رکھتے ہوئے امام ؑ نے بی بی مخدومہ کی تسلی و تسکین
کے لیے ایسے الفاظ ارشاد فرمائے۔ اگر شریعت محمدیہ اور دین اسلام میں
کوئی ایسی ممانعت افعال عزاداری مظلوم کے لئے ہوتی تو اس کا ذکر کیا جاتا کہ

یہ کرنا گناہ ہے یا ناجائز ہے۔

اقوال سواد قرآن

قرآن مجید کی رُو سے اقوال سوئے مظلوم کے لئے جائز ہیں اس لئے حقیر کہتا ہے اگر بالفرض محال جزع و فزع جائز نہیں بھی ہے تو بھی مظلوم کے لئے جائز ہے اب قاضی جی کو چاہیئے کہ اس قرآنی ارشاد کی تکفیر کریں یا پھر اپنی تائید میں کوئی آیت قرآن مجید میں تلاش کر کے دکھائیں۔

قاضی صاحب نے سیّد یاقر حسین شاہ صاحب سے کہا ہے کہ وہ شیعہ مذہب کے علماء و مجتہدین سے یہ پوچھیں کہ وہ امام حسینؑ کی یادگار منانے کے لئے حضورؐ اور امام حسینؑ کے ارشادات کی مخالفت کیوں کرتے ہیں۔ کیا یہی شیعہ مذہب کی عبادت ہے۔

چنانچہ میں قاضی صاحب کی خدمت میں عرض کرتا ہوں کہ مذہب شیعہ کی رُو سے یہ بات ہرگز صحیح ثابت نہیں کی جا سکتی کہ "یادگار حسینؑ" منانا ممنوع ہے لہذا شیعہ مذہب کے علاوہ دیگر علماء کے فتاویٰ کا انبار شیعوں کے لئے بے کار ہے۔ ہمارے ہاں امام جعفر صادق علیہ السلام کا یہ حکم عام کافی ہے جس میں انہوں نے اجازت دی ہے۔ امامؑ فرماتے ہیں کہ

سیدانیوں کی عزاداری

"فاطمہ زہراؑ کی بیٹیوں نے امام حسینؑ کی مصیبت پر اپنے منہ بھی پیٹے اور گریبان بھی چاک کئے پس حسینؑ جیسی پاک ذات پر منہ پیٹے اور گریبان بھی چاک کئے جائیں۔" (جواہر الکلام جلد ۴ صفحہ ۳۰۷) پس امام

معصوم کے اس حکم میں کسی زمانہ کی قید نہیں اور نہ ہی کوئی تخصیص ہے پس چونکہ ہم ان کو معصوم و منصوص امام اعتقاد کرتے ہیں لہذا عملا ماتم کرنا عین تعمیل حکم امام ہے اور اسی لئے ہم عبادت سمجھتے ہیں۔

عزاداری اور فطرت

واضح ہو کہ رونے پیٹنے سے روکنے کی تمام تر کوششیں ہمیشہ بے کار ثابت ہوئی ہیں کیونکہ ایک فطری اظہار پر پردہ پوشی کی عبث سعی ہوتی ہے اسلام دین فطرت ہے۔ اور وہ کسی بھی شعبہ میں فطرت و شعور سے انحراف نہیں کرتا ہے رنج و غم کے مواقع پر عزاداری کرنا حضرت آدمؑ سے لے کر آخر تک مشاہدہ سے ثابت ہے اور شدید مخالفین عزاداری کو ہمیشہ دیکھا گیا ہے جب وہ خود کسی المناک حالت میں گرفتار ہوتے ہیں اپنے کو بے قابو و بے بس پاتے ہوئے روتے بھی ہیں اور پیٹتے بھی ہیں مگر شیعوں کے رونے پیٹنے سے خدا واسطے کا بیر رکھتے ہیں یا بغض آل رسولؐ کا اظہار کرتے ہیں۔

ہم نے اوپر عرض کیا ہے کہ روایات میں ممانعت کا جہاں ذکر آیا ہے وہ مخصوص حالات کے پیش نظر محض تسلّی و تسکین کی خاطر ہے بالکل اسی طرح جیسے کسی مریض کو روٹی کھانے کا پرہیز بتا دیا جائے جس طرح اس مریض کو روٹی کھانے سے روک دینا روٹی کھانے کو حرام قرار نہیں دے سکتا پس جب سنی و شیعہ دونوں مکاتب فکر سے عزاداری فطرتاً سنّت سے قولاً و فعلاً، عقلاً و عملاً جائز قرار پاتی ہے تو صرف عارضی و وقتی ممانعت کی تخصیص احکام عامہ پر اثر انداز نہیں ہو سکے گی اس مسئلہ پر مکمل بحث دیکھنے کے لئے میری کتاب "ہم ماتم کیوں کرتے ہیں" کا مطالعہ فرمانے کی سفارش

کی جاتی ہے جس میں ہم نے جلیل القدر انبیاء و مرسلین ع، آئمہ اطہار ع، صحابہ آل رسول ص اور بزرگان دین کا ماتم کرنا ثابت کیا ہے۔ اسی طرح سماوی مخلوق ملائکہ وغیرہ کی عزاداری کے ثبوت میں کتب اہل سنت پیش کرکے مخالفین کے دانت کھٹے کر دیئے گئے ہیں۔

ظلم پر صبر واجب نہیں ہے

پس اگر ماتم و عزاداری مخالف رسول ص ہے تو مطابق کتب اہل سنت اولین مخالف اکابر صحابہ رسول ص، ازواج النبی، اکثر پیغمبر ع نظر آئیں گے جو سنیوں کے لئے سخت پیچیدہ صورت پیدا کر دے گا۔ یہی وجہ ہے اہل سنت کے بڑے اچھے علماء نے اعتراف کیا ہے کہ "ظلم پر صبر واجب نہیں ہے"۔ چنانچہ امام اہلسنت فخر الدین رازی اپنی تفسیر کبیر جلد ۵ ص ۱۱۱ سورۂ یوسف کی تفسیر میں تحریر کرتے ہیں کہ "ان الصبر علی قضاء اللہ واجب فاما الصبر علی ظلم الظالمین ومکر الماکرین فغیر واجب بل واجب امر الدین" یعنی قضائے الہی پر صبر واجب ہے۔ مگر ظالموں کے ظلم پر صبر واجب نہیں ہے۔

اسی طرح اہل سنت کی معتبر کتاب نزہتہ الناظرین ص ۲۷ پر ہے کہ "مصیبت کا اظہار کرنا جس میں اللہ سے شکوہ نہ ہو صبر کے خلاف نہیں ہے۔ اللہ نے حضرت ایوب ع کی مدح فرمائی ہے جبکہ انہوں نے "مسنی الضر" کہہ کر اپنی مصیبت کا اظہار کیا تھا"۔

لہٰذا ثابت ہوا کہ خود مذہب اہل سنت میں بھی ظالم کے ظلم پر صبر کرنا ضروری نہیں اور اپنی مصیبت کا اظہار کرنا بھی منافی صبر نہیں ہے۔ ع

"مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری"

جمیل سکینہ

حیدرآباد لطیف آباد، یونٹ نمبر ۸ - C1

سوال نمبر ۶۔ تفسیر اتقان جلد اوّل (ع۱) صفحہ ۶۲ پر علامہ سیوطی نے لکھا ہے کہ حضرت عثمان نے اقرار کیا کہ ان کے جمع کردہ قرآن میں غلطیاں ہیں مگر ان کی تصحیح عرب خود ہی کر لیں گے۔ جواب دیجئے اس قول کی موجودگی میں قرآن کو غلطیوں سے پاک ماننے کا عقیدہ آپ کے مذہب کے مطابق کس طرح درست ہوا۔؟

مطلوب سائل نے علامہ سیوطی کے تحریر کردہ اس بیان کے متعلق جو حضرت عثمان نے کہا "کہ قرآن میں غلطیاں ہیں مگر اہل عرب ان کی خود ہی اصلاح کر لیں گے۔" دریافت کیا ہے اس کی موجودگی میں سنی حضرات قرآن کو اپنے مذہبی اعتبار سے کس طرح غلطیوں سے پاک اعتقاد کر سکتے ہیں۔

جواب المجیب (۱) سائل پر لازم تھا کہ وہ اتقان کی اصل عبارت نقل کرتے یا اس کا ترجمہ کسی سنی عالم کے حوالہ سے نقل کرتے تاکہ اس کے بعد اس عبارت پر تبصرہ کیا جاتا۔

(۲) اتقان میں تو یہ لکھا ہے کہ "الاجماع والنصوص المترادفة علی ان ترتیب الآیات فی سورها بتوقیفه صلی الله علیه وسلم وامره من غیر خلاف فی هذا بین المسلمین"۔ (اتقان جلد ۱ صفحہ ۶۲ مطبوعہ مصر)

اجماع اور نصوص متواترہ سے یہ بات ثابت ہے کہ قرآن مجید کی سورتوں میں آیات کی جو ترتیب ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی وجہ سے توقیفی ہے اور اس میں مسلمانوں میں سے کسی کا اختلاف نہیں ہے۔"

(۳) قرآن مجید جو صدیوں سے عالم اسلام میں موجود ہے یہ اس قرآن مجید

کی نقل ہے جو حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے مرتب کر کے مملکت اسلامیہ میں پھیلا دیا تھا اگر شیعہ مذہب کے علماء کے نزدیک یہ صحیح ہے تو فبہا ورنہ وہ صحیح قرآن مجید سامنے کریں۔

(۲) حضرت عثمان رضی کے مرتبہ و مروجہ قرآن پر اعتراض کرنے والے اپنے گھر کی بھی خبر لیں کیونکہ شیعہ مذہب کی احادیث سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تو غضبناک ہو کر اصلی قرآن کو بھی امام غائب کی طرح بالکل ہی غائب کر دیا تھا چنانچہ اصول کافی ص۶۷۱ پر یہ حدیث درج ہے کہ "عن سالم بن سلمة قال قرأ رجل علی ابی عبد اللہ علیہ السلام وانا استمع حروفا من القرآن لیس علی ما یقرءها الناس فقال ابو عبد اللہ علیہ السلام کف عن هذه القراءة اقرأ کما یقرأ الناس حتی یقوم القائم فاذا قام القائم قرأ کتاب اللہ عز وجل علی حده واخرج المصحف الذی کتبه علی علیہ السلام الی الناس حین فرغ منه وکتبه فقال لهم هذا کتاب اللہ عز وجل کما انزله اللہ علی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جمعته من اللوحین فقالوا هو ذا عندنا مصحف جامع فیه القرآن لا حاجة لنا فیه فقال اما واللہ ما ترونه بعد یومکم هذا ابدا انما کان علی ان اخبرکم حین جمعته لتقرءوه"

اس روایت کا ترجمہ شیعہ ادیب اعظم سید ظفر الحسن امروہوی نے حسب ذیل لکھا ہے۔

راوی کہتا ہے کہ ایک شخص نے حضرت ابو عبد اللہ (یعنی امام جعفر صادق) علیہ السلام کے سامنے قرآن پڑھا۔ میں کان لگا کر سن رہا تھا اس کی قرأت

کے خلاف تھی حضرت نے فرمایا اس طرح نہ پڑھو۔ بلکہ جیسے سب لوگ پڑھتے ہیں تم بھی پڑھو۔ جب تک ظہور قائم آل محمد نہ ہو جب ظہور ہو گا تو وہ قرآن کو صحیح صورت میں تلاوت کریں گے اور اس قرآن کو نکالیں گے جو حضرت علی علیہ السلام نے اپنے لئے لکھا تھا۔ اور فرمایا جب حضرت علی علیہ السلام جمع قرآن اور اس کی کتابت سے فارغ ہوئے تھے تو آپ نے اس کو حکومت کے سامنے پیش کر کے فرمایا یہ ہے کتاب اللہ جس کو میں نے اس ترتیب سے جمع کیا ہے جس طرح حضرت رسول خدا پر نازل ہوئی تھی میں نے اس کو دونوں (لوح دل اور لوح مکتوب) سے جمع کیا ہے۔ انھوں نے کہا ہمارے پاس جامع قرآن موجود ہے ہمیں آپ کے قرآن کی ضرورت نہیں حضرت نے فرمایا بخدا اس کے بعد اب تم کبھی اس کو نہ دیکھو گے میرا فرض ہے کہ تم کو اس سے آگاہ کر دوں تاکہ تم اس کو پڑھو (شافی اصول ترجمہ کافی جلد دوم کتاب فضل القرآن ص ۶۳)

ترجمہ میں شیعہ ادیب اعظم نے جو یہ لکھا ہے کہ "اس قرآن کو نکالیں گے جو حضرت علی علیہ السلام نے اپنے لئے لکھا تھا" یہ الفاظ کہ اپنے لئے لکھا تھا روایت میں نہیں ہیں۔ یہ مطلب ادیب صاحب نے اپنی طرف سے بڑھا لیا ہے تاکہ اہل سنت کو یہ جواب دیا جائے کہ حضرت علی نے جس قرآن کو غائب کیا تھا وہ انھوں نے اپنے لئے لکھا تھا اس لئے قابل اعتراض نہیں کہ لیکن یہ توجیہ بھی غلط ہے کیونکہ اگر اپنے لئے لکھا تھا تو پھر لوگوں کے سامنے کیوں ؟ اور خود روایت کے ان الفاظ سے کہ "لتقرءوہ" (تاکہ تم اس کو پڑھو) یہی ثابت ہوتا ہے کہ لوگوں کے پڑھنے کے لئے لکھا اور پیش کیا تھا۔ علاوہ ازیں ادیب اعظم نے ترجمہ میں لکھا ہے کہ "اس کو حکومت کے سامنے پیش کر کے فرمایا" حالانکہ روایت میں حکومت کا لفظ نہیں بلکہ "الناس" کا لفظ ہے جس سے عام لوگ مراد

ہیں شاید مترجم صاحب نے اس لئے حکومت کا لفظ لکھ دیا ہے تاکہ لوگ اس وقت کی حکومت و خلافت سے بدظن ہو جائیں کہ انھوں نے حضرت علیؑ کے لکھے ہوئے قرآن کو قبول نہیں کیا تھا بہر حال اصول کافی کی اس حدیث سے واضح ہوتا ہے) کہ اصلی اور صحیح قرآن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بالکل ہی غائب کر دیا تھا۔

(۲) علامہ باقر مجلسی نے روایت لکھی ہے کہ: "بعد چندے روز کلام اللہ ناطق یعنی جناب امیر نے قرآن کو جمع فرمایا ہے اور ردا میں رکھکر مہر کر دیا اور مسجد میں تشریف لاکر مجمع مہاجرو انصار میں تلاوت فرمائی کہ اے گروہ مردمان جب میں دفن پیغمبر آخر الزماں سے فارغ ہوا بحکم آنحضرتؐ قرآن جمع کرنے میں مشغول ہوا اور جمیع آیات و سورہائے قرآنی کو میں نے جمع کیا ہے اور کوئی آیت آسمان سے نازل ہوا جو حضرت نے مجھے نہ سنایا ہوا اور اس کی تاویل مجھ کو نہ تعلیم کی ہو۔ چونکہ اس قرآن میں چند آیات کفر و نفاق منافقان قوم و نص خلافت جناب امیر پر صریح تھے اس وجہ سے عمر نے اس قرآن کو قبول نہ کیا پس جناب امیر خشمناک اپنے حجرہ طاہرہ کی جانب تشریف لے گئے اور فرمایا کہ اب قرآن کو تم لوگ تا ظہور قائمؑ آل محمد نہ دیکھو گے۔" جلاء العیون مترجم اردو جلد اول صفحہ ۱۵۸ مطبوعہ لکھنؤ۔ الیضاً جلاء العیون جلد اول مطبع انصاف پریس لاہور صفحہ ۲۰۶ یہ بھی ملحوظ رہے کہ لکھنؤ کے ترجمہ میں تو یہ الفاظ ہیں اس وجہ سے عمر نے اس قرآن کو قبول نہ کیا" اور لاہور کے مطبوعہ ترجمہ میں یہ لکھا ہے کہ" اس وجہ سے خلافت نے اس قرآن سے انکار کر دیا"۔ بہر حال مندرجہ دونوں روایتوں سے بالکل واضح ہے کہ جو قرآن حضرت علیؓ نے جمع کر کے لوگوں کے سامنے پیش فرمایا تھا اس کو انھوں نے قبول نہ کیا اور دوسری روایت

سے حضرت علیؓ کے جمع کردہ قرآن کی وجہ بھی یہ بیان کر دی ہے کہ اس قرآن کو قبول نہ کیا اس بیان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جو قرآن ان لوگوں کے پاس پہلے سے موجود تھا۔ اس میں نہ ان منافقین کے خلاف تصریح پائی جاتی تھی اور نہ ہی اس میں حضرت علی المرتضےٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں ان کی خلافت کے لئے تصریح موجود تھی اور چونکہ آج بھی امت مسلمہ کے پاس وہی قرآن ہے جو حضرت عمرؓ اور اصحاب خلافت کے پاس اس وقت موجود تھا اس لئے اس قرآن میں حضرت علیؓ کی خلافت پر کوئی نص نہیں پائی جاتی تو پھر شیعہ علماء اور مجتہدین موجودہ قرآن سے حضرت علیؓ کی خلافت و امامت کی نص کیونکر ثابت کر سکتے ہیں؟ اور یہی وجہ ہے کہ مولوی عبدالکریم مشتاق صاحب نے اپنے رسالہ "میں شیعہ کیوں ہوا"؟ میں اگرچہ دعوی یہی پیش کیا ہے کہ بارہ اماموں کی امامت قرآن سے ثابت ہے لیکن وہ اس قرآن میں سے بطور نص کوئی آیت پیش نہیں کر سکے صرف وہ آیات پیش کی گئی ہیں جن میں اگلی امتوں اور ان کے پیشواؤں کا ذکر ہے اگر اس قرآن میں حضرت علیؓ سمیت بارہ آئمہ کی امامت و خلافت کا کہیں ذکر کسی آیت میں پایا جاتا ہے تو پاکستان کا کوئی شیعہ عالم اور مجتہد ہمارے سامنے پیش کر دے "ھاتو برھانکم ان کنتم صادقین"

(۳) حسب حدیث اصول کافی جب حضرت علی المرتضیٰ نے اصلی اور صحیح قرآن کو غائب کر دیا تو وہ نہ معصوم ثابت ہو سکتے ہیں۔ اور نہ خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیونکہ قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے۔

ان الذین یکتمون ما انزلنا من البینٰت والھدیٰ من بعد ما بینٰہ للناس فی الکتٰب اولٰئک یلعنھم اللہ ویلعنھم اللٰعنون ۝ الا الذین تابوا واصلحوا وبینوا فاولٰئک اتوب علیھم ج و

انا التواب الرحیم ٥ (پ۲ سورۃ البقرہ ع آیت ۱۶۰)

ترجمہ:۔ بے شک جو لوگ ان واضح بیانات اور ہدایت کو چھپاتے ہیں جن کو ہم نے نازل کیا ہے اس کے بعد ہم نے ان واضح ہدایات کو اپنی کتاب میں لوگوں (کی ہدایت کے لئے) کھلم کھلا بیان کر دیا ہے۔ ایسے لوگوں پر اللہ کی لعنت ہوتی ہے۔ اور دوسرے لعنت کرنے والے بھی ان پر لعنت کرتے ہیں مگر جو لوگ توبہ کر لیں اور اصلاح کر لیں اور ان ہدایات کو ظاہر کر دیں تو ایسے لوگوں کی توبہ میں قبول کر لیتا ہوں اور میں بہت زیادہ توبہ قبول کرنے والا اور بہت زیادہ رحم کرنے والا ہوں۔

اس آیت میں ان لوگوں کے متعلق اللہ تعالےٰ نے اپنا واضح حکم بیان فرما دیا ہے جو اللہ کی کتاب میں نازل شدہ ہدایات کو چھپاتے ہیں اور ان کو لوگوں پر ظاہر نہیں کرتے تو فرمایئے کہ اگر حضرت علی المرتضےٰ کے متعلق یہ عقیدہ رکھا جائے کہ انہوں نے غضبناک ہو کر اللہ تعالےٰ کا نازل کردہ سارا قرآن ہی غائب کر دیا۔ اور پھر اس کو امام غائب صدیوں سے اپنے پاس رکھ کر اُمت مسلمہ سے غائب کئے ہوئے ہیں تو اللہ تعالےٰ کے حکم کے تحت ان کا کیا حال ہو گا۔ العیاذ باللہ اہل السنت والجماعت تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے متعلق یہ تصور بھی نہیں کر سکتے کہ انہوں نے صحیح اور اصلی قرآن کو غصہ میں آ کر چھپا دیا تھا لیکن جن لوگوں کا یہ عقیدہ ہے اور حضرت امام مہدی کی مصدقہ کتاب اصول کافی میں جس کا ذکر ہے اور جو شیعہ علماء کے نزدیک سب سے صحیح ترین کتاب ہے ان کے اس عقیدہ کی بناء پر حضرت علی المرتضیٰ کی کیا حیثیت باقی رہ جاتی ہے کہ ان کو خلیفہ بلافصل ماننا اُمت مسلمہ پر لازم قرار دیا جائے۔

شاہ صاحب سمجھیں اور غور فرمائیں کہ حضرات اہل سنت کی طرف منسوب کردہ

اس مذہب کے کیسے کیسے عجیب و غریب عقائد و مسائل ہیں جن کی طرف اُمّتِ مسلمہ کو دعوت دی جا رہی ہے ۔

جواب الجواب

مسئلہ تحریف قرآن پر اجمالی بحث ہم نے اپنی کتاب "ہزار تمہاری ، دس ہماری " میں زیرِ عنوان "عقیدہ تحریف قرآن پر نظرِ ثانی کرنے کی دعوت" بجواب تحائف اعتراضات نمبر ۸۱۶ تا ۹۵۵ ہدیۂ قارئین کر دی ہے اور مزید کرم گستروں کی دلجوئی اور مزید تسکین کی خاطر مدارات کا انتظام اپنی نئی پیشکش "حقیقت تحریف قرآن بجواب افسانہ تحریف قرآن عبدالشکور لکھنوی صاحب" میں پورے اہتمام سے کیا ہے ۔ مولا کے بھروسہ پر امیدوار ہوں کہ ناصبین کو نیچے سے اوپر اور اوپر سے نیچے تک مرچیں لگیں گی اور آئندہ اس موضوع کا نام بھی زبان پر لانے کی سکت محسوس نہ کریں گے فی الحال قاضی صاحب کی تواضع سے قبل بطورِ سپاس گزاری ان کی توجہ میں اپنے اس فیصلہ کن نوٹ کی جانب مبذول کراتا ہوں جو "ہزار تمہاری دس ہماری" کے صفحہ ۶۲۲ اور صفحہ ۶۲۳ میں لکھا ہے ۔

فیصلہ کن نوٹ از ذکاء الاذہان

ہمارے مخالفین ہمارا دل دکھانے کے لئے اور اپنے جرائم و نقائص چھپانے کی خاطر اکثر ہم پر تحریف کا الزام لگاتے ہیں لیکن اگر بالفرض محال ان کا یہ الزام درست بھی ہو تو بھی ہمارا عقیدہ کم سے کم ایمان بالقرآن تو ثابت ہی رہتا ہے لیکن مذہب اہل سنت والجماعت کے آخر قرآنی عقائد کو دیکھا جائے تو اس مذہب میں قرآن کا نازل ہونا ہی ثابت نہیں ہوتا ۔

ان کے مذہب کے مطابق ان کے پاس نہ ہی اصلی قرآن کا وجود ثابت ہے۔ نہ ہی نقلی قرآن کا۔ نہ ہی ان کے پاس حقیقی قرآن ہے اور نہ ہی ان کے پاس فرضی یا جعلی کیونکہ یہ قدامت قرآن پر عقیدہ رکھتے ہیں اس لیے کسی بھی وقت میں ان کے مزعومہ قرآن کا وجود متحقق نہیں ہو سکتا ہے۔ عجیب کا نہ ہی یہ عقیدہ ہے اور نہ ہی منکر قرآن ہے ہمارے مسلک کے مطابق قرآن حادث ہے۔ خدا کا مخلوق ہے اس کی صفت ذاتیہ نہیں ہے۔ نہ ہی قدیم ہے کہ ہمارے پاس موجود ہے جس پر ہمارا ایمان ہے مگر سنی مذہب قرآن کو صفت ذاتیہ بھی کہتا ہے اور پھر صفات خدا کو اس کی ذات کا غیر اور زائد بھی مانتا ہے پھر قرآن کو قدیم بھی سمجھتا ہے اب بتائیے کہ آپ کے مذہب کے مطابق خدا کی صفت اس کی ذات سے جدا ہو کر آپ کے پاس کہاں سے اور کیسے آ گئی ۔ ؟ قدیم چیز میں تغیر کس طرح واقع ہوا کہ اسے جبرائیل تھوڑا تھوڑا یعنی قدیم کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے کیسے لائے پھر قدیم کو صحابہ نے کیسے کاغذوں پر لکھ لیا پھر قدیم کی ترتیب آپ کے مذہب سے کیسے بدل گئی پھر قدیم کے ضائع ہونے کا اندیشہ کیوں ہوا کہ اس قدیم کے اجزاء پراگندہ کو ایک جگہ بے ترتیب جمع کر لیا پھر جناب عثمان نے اپنے منشا کے مطابق چھ زبانیں خارج کر کے صرف ایک زبان میں اس قدیم کو باقی رکھا ان باتوں کو اپنے مذہب کے مطابق حل فرما دیجئے۔ پھر اپنے مذہب کے مطابق قرآن کے وجود کا اور اس پر ایمان رکھنے کا دعویٰ کیجئے۔

شیعہ مومنین قطعاً تحریف قرآن کے قائل نہیں ہیں

ہم نے گزشتہ مباحث میں حضرات اہل السنۃ والجماعۃ کے مسلمات

معتمدہ سے سُنّی خلفائے راشدین، امہات المسلمین، اصحاب النبی اکابر محدثین اور آئمہ مفسرین کے اقوال و مسانید شواہد سے اہل سنت والجماعت کا عقیدہ تحریف یعنی حروف و الفاظ آیات اور سورہ ہائے قرآن میں کمی و زیادتی، قرآن میں غلطیوں کا رہ جانا اور تقدیم و تاخیر آیات پورے حوالہ جات سے پیش خدمت کر دی ہیں۔

اب ہم علانیہ واضح کرتے ہیں کہ شیعیان اہلبیتؑ موجودہ قرآن کو منزل من اللہ، غیر محرف مانتے ہیں جو شخص قرآن میں کمی زیادتی کا ہونا ہماری نسبت کرتا ہے وہ کاذب اور مفتری ہے تمام اثنا عشری شیعوں کا یہی عقیدہ ہے۔

شیعہ کتب میں جو ایسی روایات اہل السنۃ نشان کرتے ہیں اپنی عادت کے مطابق ان میں بھی معنوی تحریف کرتے ہیں تفسیری عبارتوں سے متعلقہ یا دیگر صحائف سے متعلقہ باتیں قرآن سے منسوب کر کے ہم پر افترا باندھتے ہیں۔ (ہدایۃ الطالبین درس ہماری ص ۶۲۲ اور ص ۶۲۳)

اس وضاحت کے بعد اب ہم مجیب کے جواب پر نظر نقد کرتے ہیں مجیب موصوف نے سائل کے جواب میں تو ایک جملہ لکھنے کی ضرورت محسوس نہیں کی کہ محرر روایت پر کچھ اپنے خیالات کا اظہار فرماتے الٹے الزامی سوالات کی بوچھار فرمائی ہے جو فی الحقیقت ان کی لاجوابی اور اعتراف شکست کی دلیل ظاہرہ ہے قاضی صاحب نے جواب سے معذوری و مجبوری کا اعتراف کرتے ہوئے مجھے اتقان کی اصل عبارت یا اس کا ترجمہ نقل کرنے کی فرمائش کی ہے تاکہ وہ کوئی اس پر تبصرہ کر سکیں حالانکہ علمی حلقہ میں یہ بات بہت مشہور ہے تاہم حسب الحکم میں اصل عبارت مع ترجمہ نقل کرتا ہوں۔

سیوطی کی اصل عبارت اور بعض علماء کا اردو ترجمہ

"قال حدثنا حجاج عن ہارون بن موسیٰ اخبرنی الزبیر بن الحریث عن عکرمۃ قال لما کتبت المصاحف عرضت علی عثمان فوجد فیہا حروفا من اللحن فقال لا تغیروہا فان العرب ستغیرہا او قال ستعربہا بالسنتہا۔ لو کان الکاتب من ثقیف والملی من ہذیل لم توجد فیہ ہذہ الحروف"

ترجمہ:۔ (ابو عبید نے کہا کہ) "ہم سے حجاج نے بہ واسطہ ہارون بن موسیٰ بیان کیا کہ مجھے زبیر بن الحارث نے بواسطہ عکرمہ خبر دی کہ عکرمہ نے کہا جس وقت مصاحف لکھے جانے کے بعد حضرت عثمانؓ کے سامنے پیش ہوئے تو ان میں سے کچھ الفاظ غلط پائے گئے۔ حضرت عثمانؓ نے کہا۔ ان کو نہ بدلو۔ کیونکہ عرب (کے لوگ) ان کو خود ہی بدل لیں گے (یعنی صحیح کر لیں گے) کاش اگر (مصحف کا) لکھنے والا قبیلہ ثقیف کا اور زبانی بتانے والا (املا کرانے والا) قبیلہ ہذیل کا شخص ہوتا تو اس (مصحف) میں یہ حروف (غلط) نہ پائے جاتے۔"

اس روایت کو ابن الانباری نے اپنی کتاب "الرد علی من خالف مصحف عثمانؓ" میں اور ابن اشتہ نے "کتاب المصاحف" میں بھی نقل کیا ہے۔

پھر خود ابن الانباری نے اسی طرح کی روایت عبدالاعلیٰ بن عبداللہ بن عامر کے طریق سے اور ابن اشتہ نے بھی ایسی ہی روایت یحییٰ بن یعمر کے

طرق سے بیان کی ہے۔

(الاتقان اردو مترجمہ مولانا محمد حلیم انصاری تصحیح و نظر ثانیہ مولانا محمد عبدالحلیم چشتی اور معراج محمد بارق حصہ اوّل مطبوعہ نور محمد اصح المطابع و کارخانہ تجارت کتب آرام باغ کراچی صفحہ ۱۰۶ و صفحہ ۶۰۲)

قاضی جی کی خواہش کا احترام ملحوظ رکھتے ہوئے ہم نے اتقان کی اصل عبارت اور تین سُنی علماء کا مصدقہ ترجمہ نقل کر دیا ہے اور بارِ دیگر دعوت دیتے ہیں کہ اپنے قیمتی تبصرے سے حقیر کو مطلع فرمائیں۔

قاضی صاحب نے ۶۷ میں لکھا ہے کہ اتقان میں تو یہ تحریر کیا گیا ہے الاجماع والنصوص المترادفتہ ۔ ۔ ۔ فی ھذا بین المسلمین (اتقان جلد اوّل صفحہ ۶۲ مطبوعہ مصر)

اجماع اور نصوص متواترہ سے یہ بات ثابت ہے کہ قرآن مجید کی سورتوں میں آیات کی جو ترتیب ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے توقیفی ہے۔ اور اس میں مسلمانوں میں سے کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

مترادفہ اور متواترہ

قاضی صاحب نے "نصوص مترادفہ" کا ترجمہ "نصوص متواترہ" کیا ہے جو ہر لحاظ سے غلط ہے۔ یہ عبارت اتقان کی فصل

"الاجماع والنصوص المترادفتہ علی ان ترتیب الآیات توقیفی لاشبھتہ فی ذالک" یعنی اجماع اور ہم معنی روایات کا بیان جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آیات کی ترتیب شارع کی طرف سے ہے اس میں کوئی شبہ نہیں ہے۔

اس میں اس طرح ہے کہ "بہت سے علماء نے اس امر پہ اجماع نقل

کیا ہے سیجربال کے زرکشی نے کتاب البرہان میں اور ابو جعفر بن الزبیر نے اپنی کتاب مناسبات میں اس اجماع کی صراحت ان الفاظ میں بیان کی ہے "آیتوں کی ترتیب اپنی اپنی سورتوں میں رسول اللہ صلعم کی توقیف (روایت اور امر) کے مطابق ہوئی ہے۔ اور اس کے اندر مسلمانوں کا کوئی اختلاف نہیں۔" (الاتقان اردو حصہ اوّل ص۱۵۱)

اتقان سے تین امور ماخوذہ

اتقان کی اس عبارت میں تین امر ظہور پذیر ہوتے ہیں۔

۱۔ ترتیب آیات کے توقیفی ہونے پر اجماع اور نصوص متوادفہ کا دعویٰ۔

۲۔ اجماع منقول کو مقام دلیل میں پیش کرنا۔

۳۔ ترتیب آیات کے توقیفی ہونے پر مسلمانوں میں اختلاف نہیں ہے۔

میں کہتا ہوں ان امور میں کوئی امر بھی مذہب سنیہ کے لئے مفید قرار نہیں پا سکتا۔ وہ اس طرح کہ

اجماع

اہل سنت کے آئمہ اربعہ میں کے امام احمد بن حنبل نے تصریح فرمائی ہے کہ اجماع ایک امر محال ہے اور اجماع کا دعویٰ کرنے والا کاذب ہے۔ اہلحدیث مولوی وحید الزمان ہدیۃ المہدی کے ص۱۳۷ پر اپنا ناطق فیصلہ لکھتے ہیں کہ

"حق یہ ہے کہ اجماع کے حجت ہونے پر کوئی دلیل شرعی یا عقلی قائم نہیں ہوئی ہے۔"

اہل سنت کے دو اماموں کے فتووں کی موجودگی میں قاضی جی کا اجماع کا دعویٰ تو باطل ٹھہرا۔ اب رہیں نصوص متوادفہ تو سنی مذہب کے پاس ایک

حدیث بھی صحیح و متواتر ایسی نہیں ہے جس سے قاضی صاحب کا مدعا ثابت ہو سکے۔

اجماع منقول

علماء کے نزدیک اجماع منقول بھی قابل احتجاج نہیں ہوتا اور اگر ہم بعض اقوال کو مان بھی لیں تو بلا سند وہ ایک بے کار چیز ہے۔ جیسا کہ علامہ وحید الزمان نے ہدیۃ المہدی صفحہ ۲ پر تحریر کیا ہے کہ ان کے اکثر علماء قائل ہیں کہ اجماع کے لئے سند کا ہونا ضروری ہے۔ پس مشتاق کہتا ہے کہ جتنی حدیثیں سند اجماع میں مرضی ہم پیش کریں ان سے ہرگز آپ کا دعویٰ ثابت نہیں ہو سکتا پس اجماع بے سند ہو کر بے کار ہو گیا چلئے بالفرض اگر ہم آپ کے اجماع کو مان لیں تو بھی از روئے مذہب سنیہ قرآن کی ترتیب آیات توقیفی ثابت نہ ہو گی۔ کیونکہ اس نسخۂ قرآن کا وجود آپ ثابت نہیں کر سکتے جو حضور کی ہدایت و نگرانی کی مطابق ترتیب پایا۔ کیونکہ موجودہ قرآن کے بارے میں آپ تسلیم کرتے ہیں کہ حضرت عثمان نے مرتب کرایا۔ پس جب تک اس قرآن موجود کی ترتیب کا قرآن رسول اللہ سے مطابق ہونا کسی حدیث متواترہ سے ثابت نہ ہو قاضی جی کا مدعا لغو رہے گا۔

ترتیب توقیفی میں اختلاف نہیں

ابن الزبیری کا پہلا دعویٰ کہ ترتیب آیات آنحضرت کی ہدایت کے مطابق ہے اگر تو اس سے مراد وہ ترتیب ہے جو نزولی ہے۔ تو اس میں کوئی شک نہیں کیونکہ بلا شبہ حضور اکرم نزول کے مطابق قرآن شریف لکھواتے تھے۔ لیکن اس رسولی ترتیب پر موجودہ قرآن شریف کی ترتیب

یقیناً نہیں ہے۔

اور اگر اس ترتیب سے مراد مدعی کی یہ ہے کہ موجودہ ترتیب ہی وہ تھی جو حضور نے تحریر کرائی تو یہ بات قطعاً ثابت نہیں ہے ورنہ کوئی ایک ہی حدیث متواترہ اس کی دلیل میں پیش کیجئے۔

اک اور یہ دعویٰ کہ ترتیب آیات کے توقیفی ہونے میں مسلمانوں کا باہم اختلاف نہیں رہا یہ بھی باطل ہے۔ کیونکہ کتب میں بکثرت محدثین اہلسنت کے اقوال موجود ہیں کہ عہد رسولؐ میں قرآن جمع ہی نہیں ہوا تھا پس جب قرآن مجید ہی ثابت نہ ہوا تو ترتیب آیات کا توقیفی ہونا از خود معدوم قرار پا گیا۔ اور یہ مسئلہ اہل اسلام کے درمیان اختلافی ثابت ہوا۔

ترتیب توقیفی پر بحث

علامہ جلال الدین سیوطی نے ترتیب آیات کے توقیفی ہونے پر چند احادیث نقل فرمائی ہیں جن پر بحث و جرح "حقیقت تحریف قرآن" میں ملاحظہ کی جا سکتی ہے یہاں ہم حافظ سیوطی کی وہ عبارت زیر بحث لاتے ہیں جو انہوں نے مذکورہ احادیث کے بعد رقم فرمائی ہے اس سے سُنی مذہب کے قرآنی ایمان کی خستہ حالی کے نقوش نکھرے اور ابھرے ہوئے نظر آتے ہیں۔

امام جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں

"ہاں ترتیب آیات کے توقیفی ہونے پر اس حدیث سے اشکال وارد

ہوگا جس کو ابن ابی داؤد نے المصاحف میں محمد بن اسحاق کے طریقہ سے نقل کیا ہے۔ اس نے یحییٰ بن عباد بن عبداللہ سے اس نے اپنے والد زبیر سے روایت کی ہے زبیر نے فرمایا حارث بن خزیمہ آخر سورہ برات کی یہ دو آیتیں لائے اور بولے میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے یہ دونوں آیتیں رسول اللہ سے سماعت کر کے یاد رکھی ہیں۔

حضرت عمر نے کہا اللہ کی قسم میں بھی گواہ ہوں کہ میں نے ان دونوں کو سنا ہے۔ کاش کہ یہ تین آیتیں ہوتیں تو میں ان کا الگ سورہ بنا دیتا۔ خیر اب تم قرآن کا آخری سورہ دیکھو اور ان دونوں کو اسکے آخر میں لگا دو۔ (اتقان مطبوعہ مصر جلد ۱ صفحہ ۶۳)

نوٹ:۔ اتقان اردو جلد اول صفحہ ۱۵۲ میں یہ روایت اسی طرح موجود ہے۔

اب قاضی صاحب خدا کو حاضر و ناظر جان کر اور حیات بعد الموت پر ایمان رکھتے ہوئے غور فرمائیں کہ اس روایت سے یہ ظاہر نہیں ہوتا ہے کہ اصلاً قرآن کے آخر میں سورہ توبہ تھی اور اب قرآن مجید میں یہ سورہ نویں نمبر پر ہے۔ لیکن اگر آپ کے خلیفہ راشد، فاروق اعظم والا قرآن کہ جس پر ان حضرت کا ایمان بحق تعلیم رسولؐ کے مطابق تھا تو یہ موجودہ قرآن جسے حضرت عثمان نے رائج کیا جس کے آخر میں حضرت عمر کے قول کے برخلاف سورہ برات نہیں ہے بلکہ سنی مذہب اور عمری فتویٰ سے غلط و محرف ثابت ہوا یا نہیں؟ پس قاضی صاحب کے مذہبی زعم کی رو سے ان کا ایمان غلط اور محرف ہوا ہے۔ اور سورہ ۱۵ (۲) روایت کی روشنی میں مومن یا قرآن ثابت نہیں ہو سکتے کیونکہ اگر

یہ قرآن صحیح ہے تو پھر حضرت عمرؓ والا قرآن غلط ہو جائے گا پس آنجناب کا ایمان برباد ہو جائے گا۔ اب یا عمر کے ایمان کو بچایئے یا پھر اپنے ایمان کی حفاظت کریں خلیفہ صاحب۔ تو چل بسے خود تو ڈوبے ہیں صنم تم کو بھی لے ڈوبیں گے کے مصداق۔ ۔ ۔ ۔ !

قاضی صاحب اس روایت کو آپ غلط کہکر اپنی خلاصی نہیں کرواسکتے کیونکہ آپکی معتبر کتاب سے نقل کی ہے۔ اور پھر علامہ سیوطی جیسے امام اہل سنت نے بھی اس روایت کی تردید میں کچھ لکھنے سے اجتناب کیا ہے اور صرف علامہ ابن حجر کا قول لکھکر کترا گئے ہیں جسکی کتربیونت ہم آئندہ نشان کریں گے۔

کچھ ہماری بھی سنیں

ابھی آپ ہماری تھوڑی شکایت سنیئے اور اس پر ہمدردانہ غور فرمایئے شکوہ یہ ہے کہ حضرت عمر کا قول کہ یہ تین آیتیں ہوتیں تو میں جدا سورت بنا دیتا صاف صاف بتلا رہا ہے کہ آپ خود کو قرآن کے سورہ بنانے پر مختار و مجاز سمجھتے تھے یہ اختیار عمر ثابت کرتا ہے کہ ترتیب آیات کو توقیفی ماننا جاہلوں کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے مترادف ہے جبکہ حسب الروایت ترتیب کو توقیفی ماننا لازم نہیں کیونکہ اگر ترتیب آیات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم پر منحصر ہوتی تو حضرت عمر جیسا سُنّی عاشق رسول اور پارسا و پابند شرع خلیفہ راشد ایسی بیباک جراءت کس طرح کر سکتا تھا؟

عمرؓ کی اتھارٹی

مزید یہ کہ اس روایت سے ظاہر ہوا ہے کہ جناب عمر کو یہ بھی اتھارٹی تھی کہ کسی ایک سورہ کی آیتیں اس سے جدا کر کے دوسرا سورہ بنا سکتے تھے ورنہ کوئی معقول وجہ نہیں کہ جب آپ کے علم میں یہ ہے کہ یہ آیتیں سورہ برات کی ہیں تو پھر کیا شوق ابھرا کہ اشتیاق ہوا یہ تین ہوتیں تو میں ان کا الگ سورہ بنا دیتا۔

اگر شکست خوردگی کے عالم لوکھلاہٹ میں کوئی یہ کہدے کہ حضرت عمر کو یہ علم نہ تھا کہ یہ آیتیں سورہ توبہ کی ہیں تو پھر مذہب سنیہ کی ناؤ منجدھار سے نکل ہی نہ سکے گی۔ اس لئے کہ اس صورت میں تو قرآن کا معاملہ ہی گڑبڑ ہو جائے گا مگر بدقسمتی سے اس مذہب کی بنیادیں اتنی کھوکھلی اور کمزور ہیں کہ اس معیار پر نہ ہی کسی صحابی کا ایمان متحقق ہو سکتا ہے اور نہ ہی کسی سنی کا میں تو اپنے شیعہ بھائیوں سے یہی کہتا ہوں کہ سارے مسئلے چھوڑ کر صرف ایمان بالقرآن پر ان سے بحث کیا کریں۔ تاکہ زیادہ اندھے حافظہ رکھنے والوں کا دعویٰ خاک میں مل جائے۔

قرآن پر باہمی اختلاف

الغرض مزید سماعت فرمائیے کہ حارث بن خزیمہ کا دو آیتوں کو لانا اور حضرت عمر کا گواہی دینا پھر آپ کے حکم سے آخر برات میں ان کا چسپاں ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ حضور سید المرسلین کوئی مجموعہ قرآن کا نہیں چھوڑ گئے۔

پس محمدؐ۔ یحییٰ عبداللہ۔ زبیر اور خزیمہ کی گواہی کے مطابق ثابت ہوا کہ یہ لوگ قرآن کی ترتیب کو توقیفی نہیں جانتے تھے لیکن مسلمانوں

کا باہمی اختلاف ظاہر ہو الشمس ہوا۔

ابن حجر کی وکالت

اب آیئے علامہ ابن حجر کی وکالتی عبارت کی طرف جیسے علامہ سیوطی نے اس روایت کے بعد نقل کیا ہے ابن حجر کہتے ہیں کہ "اس حدیث (زبیر) کا ظاہر یہ ہے کہ اصحاب نبی سورتوں کی آیات کو اپنے اجتہاد سے ترتیب دیتے تھے حالانکہ دیگر حدیثیں دلالت کرتی ہیں اس بات پر کہ صحابہ نے اس معاملہ ترتیب آیات قرآن میں بغیر تعلیم رسولؐ کچھ نہیں کیا۔"

(اتقان حوالہ مذکورہ)

ہمارا جواب

ہم عرض کرتے ہیں کہ علامہ ابن حجر محض دفع الوقتی کی خاطر یہاں خود اپنے بیان سے انحراف کر رہے ہیں حالانکہ شرح بخاری یعنی فیض الباری میں وہ خود قائل ہیں کہ نسخ کی امید کے باعث رسولؐ خدا نے قرآن کو جمع نہیں فرمایا تھا پس ابن حجر کے پاس اس سوال کا کیا جواب ہو گا کہ جب قرآن کے اجزاء متفرق تھے تو پھر وہ مرتب کیسے ہو گئے۔ اور اگر بالفرض مرتب ہوئے بھی ہوں تو وہ نزول کے مطابق مرتب کیا گیا ہو گا جس سے قاضی جی کا مدعا پھر نہیں آسکتا۔ ان کا مدعا تو اسی صورت میں حق ہو سکتا ہے کہ وہ قرآن مجید کی ترتیب موجود کو رسول اللہؐ کے مرتبہ قرآن کی ترتیب سے منطبق کر کے ثابت کریں۔ جو حدِ امکان سے باہر ہے۔

الغرض ہم نے اپنی کتاب "حقیقتِ تحریفِ قرآن" میں اس بات پر سیر حاصل

روشنی ڈالی ہے کہ اہل سنت کی تمام حدیثوں کا آیات قرآن کے توقیفی ترتیب پر دلالت کرنے کا دعویٰ قطعی طور پر غلط ہے کیونکہ ان میں ایک حدیث بھی ایسی مضبوط نہیں ہے جس سے اس مذہب کی کمزور عمارت کو عارضی سہارا بھی مل سکے پس ہم نے اتقان ہی سے قاضی صاحب کے مذہبی اتقان کو ٹھیس پہنچا کر حق کا بول بالا کر دیا۔

قاضی جی نے اپنے تیسرے پیراگراف میں کہا ہے کہ عالم اسلام میں وہی قرآن رائج ہے جو حضرت عثمان نے مرتب کیا تھا اگر شیعہ علماء کے نزدیک یہ صحیح ہے تو ٹھیک ورنہ وہ صحیح قرآن پبلش کریں۔

اس سلسلہ میں ہمارا مختصراً جواب یہ ہے کہ ہمارا اس قرآن پر ایمان ہے کہ یہ خدا کا کلام ہے اگر قاضی صاحب ہم پر تحریف کا بے بنیاد الزام عائد کرتے ہیں تو پھر یہ ان کی ذمہ داری ہے کہ کوئی نسخہ قرآن شیعوں کا موضوعہ بطور ثبوت پیش کریں جو قرآن مجید کے مقابلے میں کبھی رائج ہوا ہو۔

قاضی صاحب نے اپنے چوتھے پیراگراف میں ہم پہ الزام لگایا ہے کہ ہم مروجہ قرآن پر اعتراض کرتے ہیں لہٰذا اپنے گھر کی خبر لیں۔ یہ بات خلاف واقعہ ہے۔ ہمیں کلام خدا پر نہ ہی کوئی اعتراض ہے اور نہ ہی یہ بات ہمارے مسلمات میں ہے کہ معاذ اللہ قرآن قابل اعتراض ہے۔ البتہ جب ہم پر غیر معتبر روایات کے باعث اس قسم کی بے بنیاد افترائیں باندھی جاتی ہیں۔ تو پھر مجبوراً دفاعی انداز میں ہمیں سنی مذہب کے ڈھول کا پول کھول کر ثابت کرنا پڑتا ہے کہ "الٹا چور کوتوال کو ڈانٹتا ہے"۔ ابھی ملاحظہ کریں کہ میں نے سوال تو حضرت عثمان کے قول کی وضاحت دریافت کرنے کے لئے کیا ہے تو مجیب نے اپنی لاجوابی کو چھپانے کے لئے بحث کا رخ دوسری

جانب موڑ دیا ہے اگر جواب نہ دیں تو کمزوری سمجھا جاتا ہے اور اگر صفائی میں کچھ کہہ دیں تو پھر رواداری کے آئینے سامنے کئے جاتے ہیں۔ اب قاضی صاحب نے بڑے مکارانہ انداز میں اصول کافی کی روایت نقل کرکے لکھا ہے شیعہ روایت کے مطابق حضرت علیؑ نے اصلی قرآن غضبناک ہو کر غائب کر دیا تھا حالانکہ یہ واقعہ سنی کتابوں میں بھی ہے بلکہ قاضی صاحب کی مستند کتاب اتقان میں بھی لکھا ہوا ہے۔

سنی مذہب کی تحریروں سے مکمل طور پر ثابت ہے کہ عہد نبوی میں قرآن مکتوب نہ ہوا تھا اسی لئے بعض اصحاب کو قرآن میں طبع آزمائی کا موقعہ ہاتھ لگ گیا ان صحابی مسلمانوں نے قرآن میں اضافے کرنا شروع کر دئیے قرآن ناطق، نفس رسولؐ حضرت علی علیہ السلام نے جب صحابیوں کا یہ طوفان بدتمیزی دیکھا تو آپؑ نے قرآن کی جمع و ترتیب شروع فرمائی چنانچہ صاحب اتقان لکھتے ہیں کہ

عہد رسولؐ میں قرآن مرتب نہ تھا!

"ابن الفریس نے فضائل میں روایت کی ہے ہم سے بشر بن موسیٰ نے بیان کیا اُن سے ہودہ بن خلیفہ نے اُن سے عون نے کہا انھوں نے عکرمہ نے کہا جب حضرت ابوبکر کی بیعت ہو چکی تو علی بن ابی طالب گوشہ نشین ہو گئے حضرت ابوبکر سے کہا گیا کہ حضرت علیؑ نے آپ کی بیعت سے کراہت کی ہے پس ابوبکر نے کسی کو بھیج کر انھیں بلا کر کہا کیا آپ نے میری بیعت سے کراہت کی ہے انھوں نے جواب دیا بخدا نہیں ابوبکر نے پوچھا

پھر آپ مجھ سے خفا کیوں ہوئے۔ فرمایا میں نے دیکھا کہ قرآن میں اضافہ کیا جا رہا ہے پس میرے دل نے کہا میں نماز کے سوا اپنی چادر نہ پہنوں جب تک کہ میں قرآن جمع نہ کر لوں۔ حضرت ابوبکر نے کہا آپ نے بہت اچھا کیا۔ (اتقان جلد ۱ صفحہ ۵۹)

مصحف علویہ

یہ روایت شیعہ مذہب کی نہیں بلکہ قاضی جی کے صحابیہ مذہب کی معتمد حدیث ہے اسی لئے علامہ سیوطی جیسے محتاط عالم نے اس پر کوئی جرح نہیں فرمائی ہے اسی روایت کو ابن اشتہ نے المصاحف میں دوسرے طریقہ سے نقل کیا ہے مگر اس میں اتنا اضافہ کیا ہے کہ حضرت علی نے ناسخ ومنسوخ دونوں کو جمع کیا تھا۔ راوی حدیث عکرمہ اور محمد بن سیرین مذہب سنیہ کے چوٹی کے امام ہیں۔ پس اس روایت کی صحت بے اشکال ہے۔

پس میں یہاں کھل کر کہنے پر مجبور ہوں کہ قاضی جی کے نام نہاد صحابہ کرام، فلک تسنن کے مانند درخشاں تارے۔ مرکز سنیت کے حلقہ عدول نقطے، اصحابی کالنجوم عدول کے غلط معنی۔ شمع نبوت کے کھرے پروانے، حفاظت قرآنی کے نیز ذمہ دار ضامن اشخاص نے قرآن میں اضافہ کیا اور اپنی طرف سے خود اجانے کیا بڑھا دیا اس حرکت مذموم کی موجودگی میں قاضی صاحب عقیدت و مروت کو ایک طرف رکھکر جواب دیں کہ ان کے علماء نے جو اپنے ہی پیشواؤں پر یہ الزام عائد کیا ہے اس کو کس طرح دور کیا جا سکتا ہے۔

بقول ابن اشتہ حضرت امیرؑ نے قرآن میں ناسخ ومنسوخ دونوں آیات لکھی تھیں پس اگر مصحف عثمان میں بھی ناسخ ومنسوخ دونوں کو

شامل کیا ہے تو مصحف علوی و عثمانی میں کوئی فرق نہ رہا۔ لیکن اگر مصحف عثمانی میں صرف ناسخ ہے منسوخ نہیں تو یہ مصحف علوی سے کم ہوا۔ لہٰذا اختلاف پیدا ہوا۔

علامہ سیوطی اتقان میں ہی لکھتے ہیں کہ "منھم من رتبھا علی النزول وھو مصحف علیؑ"، یعنی ان میں سے بعض نے نزولی ترتیب پر قرآن مرتب کیا تھا وہ مصحف علیؑ تھا۔ (اتقان جلد ۱ ص ۶۳)

امام سیوطی نے اپنی تاریخ الخلفاء میں ابن سیرین کا قول نقل کیا ہے کہ "کاش حضرت علیؑ کا جمع کیا ہوا قرآن مل جاتا تو وہ علوم کا بہت اچھا ذخیرہ ہوتا۔" (تاریخ الخلفاء ص ۹۹) تو ابن سیرین کے اس قول سے ثابت ہوا کہ وہ قرآن موجود کو علوم کا ذخیرہ نہیں سمجھتے تھے حالانکہ قرآن کا دعویٰ ہے کہ ہر خشک و تر کا علم اس میں ہے۔ پس امام اہلسنّت کا یہ نظریہ موجودہ قرآن کے برخلاف ثابت ہوا۔

اسی طرح شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے "ازالۃ الخفاء" میں جناب امیر علیہ السلام کا قرآن جمع کرنا تسلیم کیا ہے۔ پس شیعہ و سُنّی دونوں مکاتب اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت امیر علیہ السلام نے قرآن مجید مرتب فرمایا۔

اب معلوم نہیں اس میں قاضی جی کو کیا قباحت محسوس ہوئی ہے انہوں نے حضرت ادیب اعظم مولانا ظفر الحسن صاحب قبلہ مدظلہ کے ترجمہ میں ان الفاظ "اس قرآن کو نکالیں گے جو حضرت علی علیہ السلام نے اپنے لئے لکھا تھا۔ کے الفاظ روایت میں نہیں ہیں۔ حالانکہ اصل کتاب الشافی ترجمہ اصول کافی جلد دوم ص ۶۳ میں "اپنے لئے"، کے لفظ ہرگز موجود نہیں ہیں۔ بلکہ صرف "الیے"، لکھا ہے جو مہمل لفظ ہے۔ اور محض سہو کتابت

ہے لیکن اگر ایسا لکھا بھی ہو تو بھی اس سے مفہوم پر کوئی زد نہیں آتی۔ کیونکہ یہ عام فہم بات ہے کہ جو نسخہ حضرت امیرؑ نے مرتب فرمایا وہ اپنے لیے ہی تھا اور اگر حکومت اُسے قبول کر لیتی تو نقل کرنے کے بعد واپس کر کے اپنے ہی پاس رکھتے اس میں کوئی قابل اشکال امر نہیں ہے۔ قاضی جی نے ہماری تو مہمل سی بات کا بتنگڑ بنا دیا ہے لیکن اپنی دیدہ دلیری پر تعجب نہیں کیا کہ نصوص متوادفہ کو نصوص متواترہ بنا کر مستوی دھوکہ دہی کرنے کی جسارت کی ہے۔ رہ گیا "الناس" سے حکومت مراد لینا تو یہ بھی معنوی اعتبار سے غلط نہیں کیونکہ حکومت "الناس" ہی سے ہوگی۔ حکومت انسانوں سے جدا کوئی اور مخلوق نہ تھی۔ اور عوام الناس کی ترجمانی اہل حکومت ہی کرتے ہیں اور حقیقت یہی ہے کہ جناب امیرؑ نے ارباب حکومت ہی کو قرآن پیش کیا جنہوں نے اسے لینے سے انکار کر دیا حضرت امیرؑ نے اپنا جمع کردہ اور مرتبہ قرآن اتمام حجت کی خاطر پیش کر دیا جسے قبول نہ کیا گیا لہٰذا یہ ان لوگوں کی بدبختی تھی کہ نہ ہی انہیں دیدار قرآن نصیب ہوا اور نہ ہی حصول ناطق قرآن کا شرف حاصل ہوا۔ ایک ثقل کو چھوڑا دوسرا خود بخود چھوٹ گیا نہ ادھر کے رہے نہ اُدھر کے

علیؑ و قرآن کا ساتھ

ہمارا ایمان اس قرآن پر ہے جس کے متعلق صاحب القرآن رسولؐ نے فرمایا کہ "علیؑ قرآن کے ساتھ ہے" اور ارشاد کیا کہ "قرآن علیؑ کے ساتھ ہے" نہ قرآن علیؑ سے جدا اور نہ علیؑ قرآن سے علیحدہ ہو سکتے ہیں۔ مگر آپ کے بزرگوں نے نہ ہی علیؑ کو مانا اور نہ اُن کے ساتھی قرآن کو۔ آپ کی

اُسی راہ پر گامزن ہیں کہ علیؑ کو فرضی امام کہتے ہیں اور ان کے مرتبہ قرآن کو فرضی و ناپید کہتے ہیں اپنے لکھے ہوئے کو خدا کا لکھا ہوا کہکر اتراتے ہیں ۔

اب فیصلہ خود دیکھو کہ خدا کے قرآن پر ہمارا ایمان محکم ہے یا تمہارا ۔ کسی شے کا آنکھوں سے اوجھل ہونا اس کے ناپید ہونے کی دلیل نہیں ہوسکتا ۔ ہمارا اس اصلی قرآن پر ایمان ہے جو اپنے ساتھی کے ساتھ اس دنیا میں موجود ہے جسے غیر مطہرین چھو تک نہیں سکتے جبکہ تمہارا ایمان صرف نقلی قرآن پر ہے جسے ہر ناپاک چھو سکتا ہے وہ اکیلا بے یار و مددگار ہے جب ہمارا قرآن امام طاہر کا دائمی ساتھی ہے ۔ تمہارے قرآن کا کثیر حصہ اذہاب ہو چکا یعنی ضائع ہو چکا تبھی تو آپ کے خلیفہ دوم کے صاحبزادے حضرت عبداللہ بن عمر نے قرآن کو پورا کہنے پر پابندی لگادی جبکہ ہمارا اعتقاد کہ وہ قرآن وہ ہے جس میں سب خشک و تر موجود ہے وہ مکمل و جامع ہے اور اپنے مفسر و وارث کی حفاظت میں ہے ایمان کا تعلق ہمیشہ اصل سے ہوتا ہے نقل سے نہیں پس ہمارا قرآن اصلی ہے اور تمہارا نقلی بھی ادھورا ہے آپکے بزرگ اصلی قرآن کو ٹھکرا چکے ہیں اور قبول کرنے سے انکار کرچکے ہیں لہذا منکرین قرآن ثابت ہوئے اور ان ہی کی سنت و سیرت پر آپ کاربند ہیں ۔ لہذا آپ کا ایمان بالقرآن ناقص ہے اور آپ کا ایمان اس قرآن پر ہے جس کا بیشتر حصہ رفت و گزشت ہو چکا ہے پس جب تک عبداللہ ابن عمر کی نصیحت موجود ہے آپ لوگوں کا ایمان قرآن پر ویسا ہی ہے جس طرح یہود و نصاریٰ کا ایمان توریت و انجیل پر ہے کہ جو کہ محرف ہیں ۔ لیکن ہمارا ایمان قرآن صامت اور قرآن ناطق دونوں پر ہے اور ہم عقیدہ رکھتے ہیں کہ قرآن میں کسی قسم کی کوئی تحریف نہ ہوسکی کیونکہ اس کی حفاظت کا ذمہ خدا نے اپنے ذمہ لیا ہے ۔

اور یہ قرآن کسی بھی حالت میں اہلبیتؑ سے جُدا نہیں ہو سکتا کیونکہ ضمانت خود صاحب قرآن نے حدیث ثقلین میں دی ہے۔ اگر حضرت علی قرآن کی حفاظت نہ کرتے تو اس کو بھی یہ اُمت بُھلا کر نابید کر دیتی۔

قرآن کی حفاظت

پس جناب امیر علیہ السلام نے جب قرآن کی بے حرمتی اور ہتک مشاہدہ فرمائی تو بحیثیت رفیق قرآن اور وارث کتاب اللہ آپ نے اس کو اپنی مضبوط حفاظت میں لے لیا تاکہ اللہ کا وعدہ عملاً ثابت رہے یہی وجہ ہے آپ کے علماء نے بھی اس حسرت کا اظہار کیا ہے کہ اگر وہ قرآن مل جاتا تو علوم کا ذخیرہ ہوتا۔ اس لئے کہ اس میں تمام تشریحات و تاویلات اور تفسیری نوٹ جو حضورؐ نے حضرت امیرؑ کو لکھا کر سے تھے ثبت کئے گئے تھے۔ علم عالیہ کے لئے یہ احتیاط کی جاتی ہے کہ کسی نااہل اور کم ظرف کو اس سے آگاہ نہیں کیا جاتا تو پھر علوم باطنی و ظاہری کے مخزن کو کس طرح ایسے ہاتھوں میں دیا جا سکتا تھا کہ جنہوں نے اس متاع لازوال کو حقارت سے ٹھکرا دیا تھا اب قرآن کے الفاظ تو آپ کے پاس موجود ہیں مگر اس کی تاثیر سے محروم ہیں جگہ جگہ مفہوم کا اختلاف ہے۔ تفسیریں جُدا جُدا ہیں۔ تاویلات مختلف ہیں۔ ہر کوئی اپنی پسند کے معنی وضع کرتا ہے اور دن بدن امت میں تفرقہ بازی میں وسعت پیدا ہوتی جا رہی ہے۔

اس کے بعد قاضی جی نے "جلاء العیون"، کی روایت نقل کی ہے۔ جس میں حضرت امیرؑ نے وہ وجہ بیان فرمائی ہے کہ جس کے باعث لوگوں نے اُن کا پیش کردہ مجموعہ قرآن قبول نہ کیا اس بیان سے مندرجہ ذیل امور اخذ کئے۔

۱۔ "جو قرآن ان لوگوں کے پاس پہلے سے موجود تھا اس میں نہ ان منافقین کے خلاف تصریح پائی جاتی تھی اور نہ ہی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں ان کی خلافت کے لئے تصریح موجود تھی اور چونکہ آج بھی اُمت مسلمہ کے پاس وہی قرآن موجود ہے جو حضرت عمر اور اصحاب خلافت کے پاس اس وقت موجود تھا اس لئے اس قرآن میں حضرت علیؑ کی خلافت پہ کوئی نص نہیں پائی جاتی تو پھر علماءِ شیعہ اور مجتہدین موجودہ قرآن میں سے حضرت علیؑ کی خلافت و امامت کی نص کیونکر ثابت کر سکتے ہیں۔ ؟"

زمانۂ عثمان تک اُمت بے قرآن تھی

اس سلسلہ میں اولیں گزارش یہ ہے کہ حضرت علی علیہ السلام کے قرآن پیش کرنے کے وقت کسی بھی صحابی کے پاس لکھا ہوا مجموعہ قرآن نہیں تھا اور زمانہ عثمان میں قرآنی مصاحف کا جلانا اس بات کا ثبوت ہے کہ لوگوں کا کسی ایک قرآن پر اتفاق نہ تھا حضرت عثمان کے دور میں جب انھوں نے ایک نسخہ کی نقول ملک میں پھیلائی ہیں تو پھر اس کے بعد اس نسخہ پر اتفاق ہوا۔ میں نے پوری تفصیلات "حقیقت و تحریف قرآن" میں جمع کی ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ بعد از وفات رسولؐ تا عہد عثمانیہ اُمت مسلمہ کا کسی ایک مرتب قرآن پر ایمان و اتفاق نہ تھا۔ اس کی مثال میں نے اس کتاب کے گزشتہ صفحات میں پیش کی ہے کہ حضرت عمر سورۂ برات کو آخری سورہ سمجھتے تھے جبکہ عثمانی مصحف میں یہ سورت نو نمبر پر ہے۔

اسی طرح حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے مصحف میں "معوذتین"

جزو قرآن نہ تھیں الغرض زمانہ عثمان تک اُمّت بے قرآن ہی رہی۔ بلکہ جب ۲۵ھ میں حضرت عثمان نے کل مصاحف کو جمع کر کے اپنا رائج کیا۔ تو سنی روایات ہی سے ثابت ہے کہ انھوں نے خود تحریف کی۔ چنانچہ علامہ جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں کہ "علامہ ابو عبیدہ نے فرمایا ہم سے حجاج نے ابن جریج کی روایت بیان کی اس نے کہا مجھے ابی حمید نے حمیدہ بنت ابو یونس سے خبر دی۔ حمیدہ نے کہا میرے سامنے حضرت ابی بن کعب نے درآنحالیکہ وہ اسی سال کے تھے مصحف عائشہ میں یہ آیت پڑھی ان اللہ وملائکتہ یصلون علی النبی یا ایھا الذین امنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما وعلی الذین یصلون الصفوف الاول"۔ حمیدہ نے کہا عثمان کے تغیر مصاحف سے پہلے کا واقعہ ہے"۔ (اتقان جلد ۲ صفحہ ۲۵ مطبوعہ مصر)

پانچ نتیجے

پس قاضی صاحب کی اس روایت سے پانچ نتیجے نکلے اوّل یہ کہ خط کشیدہ الفاظ حضرت ام المومنین بی بی عائشہ کے مصحف میں تھے دوم یہ کہ حضرت عثمان نے کل مصاحف میں تغیر کا انقلاب کیا۔ سوم یہ کل مصاحف میں تحریف عثمانی سے قبل یہ الفاظ موجود تھے۔ چہارم یہ کہ یہ الفاظ نسخ سے بھی محفوظ رہے اگر وہ منسوخ التلاوت ہوتے تو نسخہ صدیقہ کے مصحف میں سے اخراج ہو گیا ہوتا کیونکہ آپ حضرات کا دعویٰ ہے کہ بی بی صاحبہ نے حرف بحرف تعلیم قرآن خود آنحضرت سے حاصل کی ہے اور پھر یہ کہ حضرت ابی بن کعب جلیل القدر اور عالم القرآن صحابی تھے۔ اور آپ نے بھی حضور ہی سے قرآن سیکھا تھا۔

لہٰذا اگر یہ الفاظ منسوخ ہوتے تو ضرور ان دونوں کو علم ہو جاتا

پنجم یہ کہ آج تک سنی مذہب کے کسی معتبر عالم نے اس روایت پر جرح نہیں کی کہ قدرح وارد ہو سکے۔ محض جان چھڑانے کے لئے اس روایت کو نسخ تلاوت میں درج کر لیا ہے جبکہ یہ روایت نسخ سے قطعی تعلق نہیں رکھتی ہے۔ پس دیگ کا یہ ایک ہی دانہ اس امر کا بیّن ثبوت ہے کہ زمانہ اصحاب میں صحابہ کسی ایک قرآنی نسخہ پر عملاً متفق نہ تھے اور جامع القرآن تحریف فی القرآن کے مرتکب قرار پاتے ہیں پس جب تک آپ اپنا یہ دعویٰ ثابت نہ کریں کہ آپ کے پاس وہی قرآن موجود ہے جو حضرت عمر اور اصحاب خلافت کے پاس موجود تھا شیعوں سے بحث نہیں کر سکتے۔

اسی طرح آپ کے مذہب کے امام ابو محمد عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ دینوری نے اپنی کتاب "الامامت والسیاست"، جلد ا صفحہ ۵۹ میں صحابہ کرام کا ایک خط نقل کیا ہے جو اُن حضرات نے ان صحابہ رسولؐ اور تابعین کے پاس بھیجا جو مصر میں رہائش پذیر تھے۔ اس خط میں لکھا ہے کہ۔

صحابہ کا خط اصحاب کے نام!

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

یہ خط ہے مہاجرین اولین اور بقیۃ الشوریٰ کی طرف سے اُن صحابہ اور تابعین باحسان کے لئے جو مصر میں مقیم ہیں۔

اَمّا بعد! جلد ہمارے پاس آئیے اور خلافت رسولؐ کا تدارک کیجئے۔ اس سے پہلے کہ خلافت کے اہل اُسے لے لیں۔ کہ خدا کی کتاب میں تبدیلی کی گئی ہے۔ اور رسولؐ کی سنّت میں تغیّر کر دیا گیا ہے۔۔ الخ"

خط کا یہ اقتباس ارباب انصاف کے لئے تحریف قرآنی اور تغیر شریعت پر دلیل بین ہے۔

پس قاضی صاحب کا یہ دعویٰ کہ آج بھی اُمّت مسلمہ کے پاس وہی قرآن ہے جو حضرت عمر اور اصحاب خلافت کے پاس اس وقت موجود شنی روایات کی موجودگی میں محتاج ثبوت ہے۔

اب روایت شیعہ جو زیر بحث ہے اس کی عبارت کا یہ حصّہ بغور مطالعہ کریں۔

"اے گروہ مرداں جب میں دفن پیغمبر آخرالزماں سے فارغ ہوا بحکم آنحضرت قرآن جمع کرنے میں مشغول ہوا۔ اور جمیع آیات و سورہائے قرآنی کو میں نے جمع کیا ہے اور کوئی آیتہ آسمان سے نازل نہیں ہوا۔ جو حضرت نے مجھے نہ سنایا ہو اور اس کی تاویل مجھے نہ تعلیم کی ہو چونکہ اس قرآن میں چند آیات کفر و نفاق منافقان قوم و نقض خلافت جناب امیر بہ صریح تھے اس وجہ سے عمر نے اس قرآن کو قبول نہ کیا۔ اب رہ گئی اُن آیات کی موجودگی جو منافقین سے متعلقہ تھیں تو میں اس بات کا ثبوت آپ ہی کے ہاں سے پیش کرتا ہوں۔

چنانچہ حافظ سیوطی تفسیر دُر منثور میں لکھتے ہیں۔

سورہ عذاب

"اخراج کیا ابن ابی شیبہ، طبرانی، حاکم اور ابن مردویہ نے کہ حضرت حذیفہ نے کہا کہ جس سورہ کو تم "توبہ" کے نام سے یاد کرتے ہو وہ درحقیقت سورہ عذاب ہے۔ خدا کی قسم ہم (صحابہ) میں سے ایک بھی ایسا نہیں چھوڑا جس کے متعلق کوئی نہ کوئی عذاب کی آیت نہ آئی ہو۔ اور تم (اب)

تو یہ ہیں (ان آیات) کو نہیں پڑھتے ہو۔ جو کچھ ہم پڑھا کرتے تھے "مگر اس کا چوتھائی حصہ"۔ اس کے بعد علامہ سیوطی اسی صفحہ پر لکھتے ہیں۔

سورۂ فاضحہ

"حضرت عمر نے کہا کہ سورۂ برات نازل ہوئی تو ہم نے گمان کیا کہ ہم صحابہ میں سے کوئی بھی ایک صحابی باقی نہ رہے گا جس کے متعلق کوئی نہ کوئی فضیحت نہ نازل ہو اور اسی لئے اس سورہ کا نام فاضحہ ہے"۔

(تفسیر در منثور جلد ۳ صفحہ ۲۰۸ مطبوعہ مصر)

اب فرمائیے آپ کے مذہب کے مطابق حسب نقل سیوطی و تخریج محدثین بقول عمر و حذیفہ قرآن میں ان آیات کا وجود آپ کے ہاں بھی ثابت ہے یا نہیں ہماری روایت میں تو چند آیات کا ذکر ہے مگر یہاں تو سورہ ہی غائب نظر آتا ہے۔

اب نص خلافت کی تحریف کا حال بھی امام سیوطی سے سنئے۔

"رقمطراز ہیں کہ اخراج کیا ابن مردویہ نے ابن مسعودؓ سے کہ حضورؐ کے زمانہ میں ہم صحابہ اس آیت تبلیغ کو اس طرح پڑھتے تھے۔

نص خلافت علویہ

"یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک ان علیا مولی المومنین فان لم تفعل فما بلغت رسالتہ واللہ یعصمک من الناس"، مگر "ان علیا مولی المومنین"، کا جملہ موجودہ قرآن میں نہیں ہے۔

فرمائیے جب عہد نبوی میں بمطابق روایات اہل سنۃ اس فقرے

کی قراءت ہوتی تھی تو پھر اس کے اخراج و تحریف کا کسی کو کیا حق تھا مگر یہ جملہ آیت سے نکال لیا گیا جب سنیوں کے نزدیک ابن مسعود راوی ثقہ، سیوطی سنیوں کا مسلّم امام، درمنثور معتبر و مشہور تفسیر، اس پر بھی اگر تم "علی" کا نام نکال دیتے ہو بعد مسئلہ تحریف قرآن میں خود کو پاک دامن بناؤ تو یہ آنکھ بند کرنے کے سوا اور کیا کھیل ہے؟

سُنّی الفاظِ قرآن کو قرآن نہیں مانتے

المعترض دونوں باتیں

جو قاضی جی نے ہماری روایت میں سے بطور اعتراض نکالیں وہ اُن کے ہاں ویسی ہی طرز پر موجود ہیں۔ میں تو کہتا ہوں کہ کسی سُنّی الاذہن شخص کو قرآن کے بارے میں بحث کرنا ہی زیب نہیں دیتا کیونکہ وہ تو عبارت قرآن اور الفاظ قرآن کو قرآن ہی تسلیم نہیں کرتے ہیں بلکہ ان کے ہاں یہ قول ہے کہ "صرف معانی کا نام قرآن ہے۔ جبرئیل صرف معنی لائے پھر رسول نے عربی میں اس کی تعبیر کر دی۔"

(اتقان جلد ۱ صفحہ ۲۴)

پس اگر اہلسنت کے مطابق زمانہ رسول میں قرآن اصلی تھا تو ان کی روایت سے ہی ثابت ہوتا ہے اس قرآن میں منافقین کی فضیحت بھی ضرور تھی اور علیؑ کی ولایت و امامت بھی تھی۔

اب اس روایت سے ہرگز یہ بات ثابت نہیں ہو سکتی ہے کہ موجودہ قرآن میں منافقین کی تنقیص اور امامت کی تصدیق کے آیات نہیں ہیں۔

کیونکہ روایت میں ایسا کوئی دعویٰ نہیں ہے۔ ماسوا اس کے کہ جو مصحف علوی تھا اس میں مفصل طور پر آیات و تاویلات مندرج تھیں کسی کتاب میں ایک چیز کا ہونا اس بات کا ثبوت نہیں ہو سکتا ہے کہ دوسری کتاب میں وہ چیز معدوم ہو گی تاوقتیکہ صراحتاً وضاحت نہ ہو۔ حضرت امیرؑ نے یا کسی اور نے اس روایت میں یہ بات ہرگز نہیں کی ہے۔ منافقوں کے خلاف تمام آیات اور خلافت کے متعلق تمام نصوص مصحف علوی کے علاوہ کسی دوسرے مصحف میں نہیں ہیں۔ بلکہ راوی نے صرف یہ بیان کیا ہے کہ ان وجوہات کے باعث وہ مصحف قبول نہ کیا گیا۔ پس یہ کہنا کہ اس قرآن میں جناب امیر المومنین علیہ السلام کی خلافت حقہ پر کوئی نص نہیں پائی جاتی۔ بے وقوفوں کی جنت میں سیر کرنے کے مترادف ہے۔

یہی وجہ ہے کہ میں نے اپنے رسالہ "اصول دین" المعروف "میں شیعہ کیوں ہوا؟" میں نے آئمہ اثنا عشریہ کی امامت کو قرآن مجید سے ثابت کیا ہے اور اگلی امتوں اور ان کے پیشواؤں کی نظیریں اس لئے بطور دلیل پیش کی ہیں کہ آیت استخلاف میں پروردگار کا یہی وعدہ ہے کہ وہ زمین پر خلیفہ اسی طرح بنائے گا جس طرح اس نے اس سے پہلے بنایا۔ آیت استخلاف پر کیونکہ مجلا سوال ہے جس کے جواب پر واضح تبصرہ آئندہ صفحات میں آ رہا ہے۔ اس لئے ہم اس بحث کو اس مقام پر ملتوی کر رہے ہیں گے تاہم قاضی جی کا یہ چیلنج ہم قبول کرتے ہیں کہ "اگر اس قرآن میں حضرت علیؑ سمیت بارہ آئمہ کی امامت و خلافت کا کہیں ذکر کسی آیت میں پایا جاتا ہے تو پاکستان کا کوئی شیعہ عالم اور مجتہد

ہمارے سامنے پیش کرے ھاتوا برھانکم ان کنتم الصادقین
سوال اغلاط قرآن کا تھا۔ جواب میں بحث خلافت چھیڑ دی ہے سبحان اللہ
اس کے بعد قاضی صاحب نے مفروضہ قائم کیا ہے کہ اصول کافی کی روایت کے مطابق حضرت علیؑ نے قرآن غائب کر دیا ہے۔ اس لئے وہ نہ معصوم ثابت ہو سکتے ہیں اور نہ خلیفہ رسولؐ اور اس کے ضمن میں انھوں نے سورۂ بقرہ کی آیت ۱۶۰ نقل کی ہے۔

حضرت علیؑ نے قرآن کو کیوں محفوظ کر لیا؟

اب میں قاضی جی سے پہلے یہ پوچھتا ہوں کہ کون کہتا ہے کہ حضرت علیؑ نے قرآن غائب اصول کافی میں یہ کس مقام پر لکھا ہے کہ علیؑ نے قرآن کو غائب کر لیا ہے جب کتمانِ حق ثابت ہی نہیں ہے تو عصمت و خلافت سے دستبرداری کیسی ؟
جن لوگوں نے قرآن مجید کو ٹھکرا دیا۔ قبول کرنے سے انکار کر دیا اور حسب کتب سنیہ تحریف کے مرتکب ہوئے وہ تو خلیفہ راشد کہلائیں اور جو حق کو ظاہر کرے۔ اس پر عمل کی دعوت دے۔ اور ان کے ملزم عزائم کو بھانپ لے قرآن رسولؐ کی حفاظت کرے۔ وہ اس ایفائے عہد اور احساس ذمہ داری کے نتیجہ میں اپنے اعزاز بھی کھو دے۔ یہی آپ کا مذہب حق ہے۔!

کتمان نہیں حفاظت کی ہے

کتمان تو جب ہو سکتا تھا اگر جناب امیرؑ قرآن کو لوگوں کے سامنے پیش نہ کرتے۔ اس کا تعارف نہ کراتے۔ لوگوں کو دعوت تبلیغ نہ دیتے۔ جب

آپ نے یہ سب کچھ کیا لیکن لوگوں نے چشم پوشی کی تو آپ بحیثیت محافظ قرآن آپ کا فرض منصبی تھا قرآن کی حفاظت کرتے کیونکہ اگر وہ ایسا نہ کرتے تو چند ہی سال بعد زمانۂ عثمان میں یہ مصحف بھی نذرِ آتش کر دیا جاتا یا اُس کو کوئی نقصان پہنچایا جاتا۔ پس قرآن المبین کی حفاظت کرنا اور یادگار رسول صلعم کو تا قیام قیامت محفوظ کرنا اور ناپاک ہاتھوں کی رسائی سے بالا رکھنا اس بات کا ثبوت ہے کہ آپ ہی قرآن کے ساتھی یعنی معصوم اور وارث پیغمبر اکرم ہیں۔

سورۂ بقرہ کی جو آیت قاضی جی نے نقل کی ہے اس کو گزشتہ صفحات میں دوبارہ پڑھ لیجئے۔

یہ آیت اہل یہود و نصاریٰ سے متعلق ہے جنہوں نے خدا کی نازل کردہ کتاب کے احکامات کو چھپایا اور ٹھکرایا لہٰذا خدا نے اُن کو اپنے کلام ہی سے محروم کر دیا۔ اسی سنّت الٰہیہ کے تحت جب مسلمانوں نے بر سرِ اقتدار آ کر تخت و تاج کے نشہ میں رسولؐ کے نفس سے بمطابق نزول مصحف مترح لینے سے انکار کر دیا۔ اور اپنی مرضی سے قرآن مرتب کرنے کی کوششیں کیں تو اس نے اس قرآن کے دیدار ہی سے ان نامرادوں کو محروم رکھا۔

عبدالکریم مشتاق کی توبہ

ان قرآنی الفاظ کا وجود یہ ثابت کرتا ہے کہ اس اُمت میں ایسے لوگ ضرور تھے جنہوں نے گزشتہ لوگوں کی طرح اللہ کے کلام کو چھپانے کی نامراد کوشش کی مگر اللہ نے بھی اُن پر لعنت کی اور لعنت کرنے والے بھی اُن پر صبح و شام لعنت بے شمار کرتے رہتے ہیں اور ظاہر ہے برابر

کہنے والے لوگ اہل اسلام میں صرف ہم ہی ہیں۔ اور کوئی دوسرا نہیں ہے مگر اسی آیت میں اللہ نے موقع رکھا ہے کہ اگر توبہ کر لی جاوے اور اصلاح کر لی جاوے تو اللہ بخشنے والا رحیم ہے۔ پس عاجز و گنہگار عبدالکریم مشتاق نے عین عالم شباب میں ان تحریف کرنے والوں کی "دوستی" رکھنے سے توبہ کر لی اور ان میں شامل ہو گیا جو اللہ کے ساتھ ان ملحدوں پر لعنت کرنے والے لوگ ہیں کہ وہ ہیں ہی اس لائق کہ انھوں نے کتاب اللہ پر دست درازی کی اور سنت رسولؐ کو بھی مجروح کیا۔ انھوں نے پچیس سال کا طویل عرصہ کتاب کو چھپانے میں صرف کیا وفات رسولؐ کو چھپایا۔ حقوق آل محمدؐ کو چھپایا۔ جب کہ علیؑ نے دفن رسولؐ سے فراغت کے فوراً بعد کتاب کو مرتب کیا۔ مصائب پر صبر فرمایا ساری عمر تبلیغ حق میں گذار دی اور علم و حکمت کے وہ چشمے جاری کئے کہ رہتی دنیا تک کائنات کی سیرابی کے لئے کافی ہیں۔ اُن کے مخالف تلوار چلاتے رہے۔ یہ قلم چلاتے رہے۔ سر کٹاتے رہے اور ان کی قربانیوں کا رنگ یہ آئے گا کہ ان کا بارھواں جانشین اس دنیا جو رو ظلم کو عدل و انصاف سے پُر کر دے گا۔ اُن کی فتوحات ارضی آج ویران آثار قدیمہ بن چکی ہیں مگر ان کی کامیابیاں روز افزوں ترقی کر رہی ہیں۔

علیؑ منصوص خلیفہ بلا فصل

پس حضرت علیؑ چونکہ امام منصوص اور خلیفہ بلا فصل برحق ہیں۔

لہٰذا عین سنت الٰہیہ کے مطابق انھوں نے کلام الٰہی کو محفوظ کیا جس طرح خدا نے توریت و زبور و انجیل کی حفاظت کی اور منکرین کو اُن کے دیدار تک سے محروم کر دیا۔ قرآن کا دعویٰ ہے اُسے صرف مطہرین ہی مس کر سکتے ہیں پس

اُسے آئمہ طاہرین ہی کی حفاظت میں دے دیا کہ حضرت امیرؑ نے حقدار تک حق منتقل کر دیا۔

اصول کافی کا امام مہدیؑ سے مصدقہ ہونا عندالتحقیق امر ہے اور ہم نے کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ اصول کافی صحیح ترین کتاب ہے اور نہ ہم آپ کی طرح اُسے بھی صحیح لکھتے لیکن اس روایت کے مطابق امام معصوم خلیفہ بلافصل علیؑ ابن ابیطالب نے اپنے حقیقی نائب رسولؐ ہونے کا ثبوت دیا ہے کہ عام حالات ہنگامہ میں عام آدمی سب سے پہلے اپنی قیمتی اور محبوب ترین شے کی حفاظت کرتا ہے کہ اسے کوئی نقصان نہ پہنچے۔ منصوص امام نے جب پُر آشوب حالات اور پُر خطر علائم دیکھے تو آنحضرتؑ نے سب سے پہلے اپنے دائمی ساتھی قرآن کو محفوظ کیا اور ناپاک ہاتھوں سے ہمیشہ کے لئے بچا لیا۔ اپنے خون، اپنی اولاد کی شہادت، مال و زر کی پرواہ نہ کی مگر دین کی بنیاد کو بچا لیا۔

باقر شاہ کو دعوت غور

سیّد باقر حسین شاہ صاحب نے اب خوب غور کر لیا ہوگا کہ سُنّی مذہب کے عقائد قرآن کے بارے میں کیا ہیں اور شیعہ قرآن کی کیسی تعظیم کرتے ہیں شیعہ جس قرآن پر ایمان رکھتے ہیں اس کو ناپاک شخص چھو تک نہیں سکتا ہے۔ جبکہ سُنّی جس قرآن کو مانتے ہیں اُسے پیشاب تک سے لکھا جاسکتا ہے۔ ملاحظہ کریں فتاویٰ قاضی خان جلد ۳ صفحہ ۳۱

پس شاہ صاحب کو معلوم ہوگیا ہوگا کہ عجیب و غریب عقائد و مسائل سُنّی مذہب کے ہیں یا شیعہ کے۔

اب ہم سوال نمبر ۲ کا جواب لکھتے ہیں۔

سوال نمبر ۱۔ خلافت ثلاثہ کی تائید میں اکثر آپ کی طرف سے قرآن مجید کی آیت استخلاف سے استدلال (پیش) کیا جاتا ہے۔ کیا صحاح ستہ میں کوئی ایک بھی ایسی روایت ملتی ہے جو مرفوع اور متواتر ہو اور اس کے تمام راوی ثقہ ہوں جس میں اصحاب ثلاثہ میں کسی ایک نے دعویٰ کیا ہو کہ آیت استخلاف ہماری خلافت کی دلیل ہے۔ اگر کوئی ایسی روایت ہے تو اس شرط کے ساتھ مکمل نشاندہی کرائیے کہ سلسلہ رواۃ میں (ثلاثہ میں سے) کوئی ایک صاحب ضرور موجود ہوں۔

مطلوب سائل کو صرف ایک ایسی روایت کی نشاندہی صحاح ستہ میں سے درکار ہے جو مرفوع و متواتر ہو۔ اس کے سارے راوی ثقہ ہوں اور اس کے سلسلہ رواۃ میں حضرات ثلاثہ میں سے کوئی ایک حضرت ضرور ہوں کہ کسی نے اپنی خلافت کے برحق ہونے کی دلیل میں آیت استخلاف کو پیش کیا ہو۔

قاضی صاحب کا جواب (۱) یہ بھی سوال برائے سوال ہے۔ جس سے تحقیق مقصود نہیں کیونکہ ہمارا استدلال آیت استخلاف سے یہ ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالےٰ نے ان لوگوں کو خلیفہ بنانے کا وعدہ فرمایا ہے جو نزول آیت کے وقت موجود تھے۔ اور ایمان اور صالح عمل سے متصف تھے۔ اور گو اس آیت میں نام کسی خلیفہ کا بھی نہیں ہے لیکن اگر خلفائے ثلاثہ کو اس آیت کا مصداق قرار دیا جائے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت نبوت عطا کرنے کا وعدہ صحیح نہیں تسلیم کیا جا سکتا۔ کیونکہ اس حقیقت

سے تو کوئی مخالف بھی انکار نہیں کر سکتا کہ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بالترتیب حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان ذوالنورین منصب خلافت پر متمکن ہوئے ہیں۔ ان کے بعد چوتھے نمبر پر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ بلافصل خلیفہ بنے ہیں۔ اب اگر حسب عقیدہ شیعہ خلفائے ثلاثہ کو برحق خلیفہ تسلیم کیا جائے تو یہ لازم آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنا وعدہ پورا نہ کر سکا اور بجائے مومنین کاملین کے مستحق خلفا کی جگہ غیر مستحق افراد منصب خلافت پر قابض ہو گئے۔ اور حضرت علی المرتضیٰ کی خلافت سے پہلے تقریباً ۲۴-۲۵ سال کا طویل عرصہ کسی بالفصل خلیفہ سے خالی رہا۔ تو اس صورت میں کون صاحب عقل و ہوش مسلمان یہ کہہ سکتا ہے کہ آیت استخلاف میں اللہ تعالیٰ نے جو وعدہ فرمایا تھا وہ پورا ہو گیا۔ اور جب اس وقت کی تمام امت مسلمہ اس حقیقت کا مشاہدہ کر رہی تھی کہ ان خلفائے ثلاثہ نے اپنے اپنے دور خلافت میں دین اسلام کو استحکام عطا کیا ہے اور غلبہ اسلام کا اس درجہ کا ہوا کہ قیصر و کسریٰ کی صدیوں کی طاغوتی طاقتوں کو ان خلفائے اسلام نے نیست و نابود کر دیا۔ تو اب ان حضرات کو اس بات کے اعلان کی کیا ضرورت تھی کہ آیت استخلاف کی پیشگوئی ہمارے حق میں ہی تھی۔ مثلاً ایک شخص آگے کھڑا ہے اور سب لوگ اس کی اقتدا میں نماز پڑھ رہے ہیں تو اب اس امام کے لئے اس اعلان کی کیا ضرورت ہے کہ لوگو! میں تمہارا امام ہوں اور میں نے تم کو نماز پڑھائی ہے۔

(۲) اور اگر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ فرماتے ہیں کہ آیت استخلاف کا مصداق فلاں ہیں تو پھر حضرت علیؓ کے متعلق خلیفہ بلافصل

کا عقیدہ رکھنے والوں کے لئے خلفائے ثلاثہ کی خلافت برحق ہونے کے انکار کے لئے کیا گنجائش باقی رہ جاتی ہے چنانچہ نہج البلاغہ میں اس امر کی تصریح پائی جاتی ہے کہ فارس کی جنگ کے لئے حضرت عمر فاروق خلیفہ ثانی نے جب بنفس خود تشریف لے جانے کے متعلق حضرت علی المرتضیٰ سے مشورہ کیا تو آپ نے فرمایا۔

ان ھذا الامر لم یکن نصرہ ولا خذلانہ بکثرۃ ولا بقلۃ وھو دین اللہ الذی اظھرہ وجندہ الذی اعدہ وامدہ حتی بلغ ما بلغ وطلع حیث طلع ونحن علی موعود من اللہ واللہ منجز وعدہ وناصر جندہ الخ۔

ترجمہ۔ اس امر دین کی کامیابی اور ناکامی (فتح و شکست) لشکر کی کثرت و قلت پر موقوف نہیں ہے۔ اور وہ اللہ کا دین ہے جس کو اس نے غالب کیا ہے۔ اور یہ اس کا لشکر ہے جس کو اس نے مہیا کیا ہے۔ اور اس کو مدد دیتی رہی کہ پہنچا جہاں تک کہ پہنچا۔ اور طلوع ہوا جس حیثیت سے کہ وہ طلوع ہوا (اور دور دور تک پھیل گیا) اور ہم لوگوں سے اللہ کا ایک وعدہ ہے اور اللہ اپنے وعدہ کو پورا کرنے والا ہے اور اپنے لشکر کی مدد کرنے والا ہے۔ الخ

یہاں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اللہ تعالیٰ کے جس وعدے اور اس کے پورا کرنے کا ذکر فرمایا یہ وہی ہے جو سورۃ النور کی زیر بحث آیت استخلاف میں مذکور ہے۔ چنانچہ علامہ میثم بحرانی نے اپنی شرح نہج البلاغہ میں حضرت علی کے مندرجہ ارشاد کے تحت لکھا ہے کہ۔ ثم وعدنا بموعود وھو النصر والغلبۃ والاستخلاف فی الارض لما

قال: وعد اللہ الذین آمنوا منکم وعملوا الصالحات لیستخلفنہم فی الارض کما استخلف الذین من قبلہم الآیۃ ۔ وکل وعد من اللہ فہو مضمون لعدم الخلاف فی خبرہ

(نہج البلاغۃ جلد ثالث ص ۱۹۶ مطبوعہ طہران)

ترجمہ: پھر اللہ نے جو تم سے وعدہ فرمایا ہے وہ نصرت و غلبہ اور ملک میں خلیفہ بنانے کا ہے۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا اس آیت میں وعد اللہ الذین آمنوا وعملوا الصالحات لیستخلفنہم فی الارض کما استخلف الذین من قبلہم اور اللہ تعالیٰ کا ہر وعدہ ضرور پورا ہونے والا ہے کیونکہ اس کی دی ہوئی خبر کے خلاف کوئی بات نہیں ہو سکتی۔

حضرت علی المرتضیٰ کے اس ارشاد سے واضح ہو گیا کہ آپ آیت استخلاف کا مصداق حضرت عمر فاروق کی خلافت کو قرار دیتے ہیں۔ اسی طرح حضرت علی المرتضیٰ نے غزوہ روم میں حضرت عمر فاروق کو مشورہ دیا ہے جس سے حضرت فاروق کا حضرت علی المرتضیٰ کے نزدیک خلیفہ

---

۱ مشہور شیعہ مفسر نے اس آیت استخلاف کا ترجمہ حسب ذیل کیا ہے۔ ان سب لوگوں سے جو تم میں سے ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کئے۔ اللہ نے یہ وعدہ کیا ہے کہ ضرور ان کو اس زمین میں جانشین بنائے گا جیسا کہ ان سے پہلوؤں کو جانشین بنایا تھا اور ضرور ان کے دین کو جو اس نے ان کے لئے پسند کر لیا ہے۔ ان کی خاطر پائیدار کر دے گا اور ضرور ان کے خوف کو امن سے بدل دے گا۔ اس وقت وہ میری عبادت کریں گے۔ اور کسی چیز کو میرا شریک نہ ٹھہرائیں گے۔ جو اس کے بعد ناشکری کرے گا پس نافرمان وہی ہیں۔ (ترجمہ مقبول)

برحق ہونا ثابت ہے۔ لیکن بخوف طوالت اس عبارت کو ہم یہاں پیش نہیں کرتے اور یہ بھی ملحوظ رہے کہ نہج البلاغۃ حضرت علی المرتضیٰ کے ان خطبات کا مجموعہ ہے جسکے متعلق شیعہ علماء یہ تسلیم کرتے ہیں کہ وہ لفظ بلفظ حضرت علیؓ کے ہی ارشادات ہیں اگر اپنی مستند کتابوں سے بھی شیعہ علماء حضرت علی المرتضیٰ کا ارشاد تسلیم نہیں کرتے تو پھر اللہ تعالیٰ ہی کے سپرد ہے۔ واللہ الہادی۔

سائل کی جوابی گذارش

قاضی جی کے جواب کا اوّل بیان یوں ملخص ہے کہ میرا سوال، برائے سوال ہے یعنی برائے جواب نہیں دوسرے الفاظ میں مجیب لاجواب ہے۔ میں نے جو مشروط روایت دریافت کی ہے قاضی جی کو دستیاب نہیں ہے لہٰذا سوال اپنے مقام پر اسی طرح محتاج جواب ہے۔ البتہ بحث پارہ ی اور طنی بدا زیں بھی قاضی صاحب کا طویل بیان محض الزامی گفتگو ہے۔ جو موضوع سے تعلق نہیں رکھتی۔ تاہم اس پر تبصرہ کرنا باوجودیکہ لازم نہیں پھر بھی ہم اس پر اپنی رائے کا اظہار کرتے ہیں۔ قاضی جی نے دبے الفاظ میں تو اعتراف کر لیا ہے کہ آیت استخلاف خلفاء ثلاثہ کی خلافت کے لئے قطعی دلیل نہیں محض ظنی ہے کیونکہ بقول ان کے اگر حضرات ثلاثہ کو اس کا مصداق قرار نہ دیا جائے تو وعدہ صحیح ثابت نہیں ہوتا ہے اگر قاضی صاحب نے اصل کتاب "ہزار تمہاری دس ہماری" کو شرف مطالعہ بخشا کیا ہوتا تو وہ اپنے مباحثہ کے لئے کوئی نیا رُخ اختیار کرتے کیونکہ ان توضیحات کا جواب پہلے ہی دیا جا چکا تھا ملاحظہ کریں اعتراض ۱۹۲ تا اعتراض ۲۱۵ تک کے جوابات۔

آیت استخلاف کو چارہ یا ہے مذہب کے

آیت استخلاف میں خلافت کا مفہوم

یہ سارے گلے پھاڑ پھاڑ کر اپنے خلیفوں کی خلافت کے حق میں بطور دلیل پیش کرتے ہیں لیکن اگر انصاف و توجہ سے اس آیت کو سمجھا جائے تو یہی آیت اُن کی امیدوں پر پانی پھیرنے کے لئے کافی ہے لہٰذا ہم مختصراً چند امور مہمہ کی تنقیح پیش کرتے ہیں۔

ا۔ آیت میں خلافت سے کیا مراد ہے؟

ب۔ وعدہ استخلاف کن لوگوں سے کیا گیا؟

ج۔ وعدہ کب پورا ہوا؟

د۔ اس آیت کی شانِ نزول کیا ہے؟

ر۔ پہلے استخلاف سے کیا مطلب ہے؟

س۔ کیا ثلاثہ مطلوبہ اوصاف سے متصف ہیں؟

اسلامی اصطلاح میں جب لفظِ خلافت یا خلیفہ استعمال کیا جاتا ہے تو اس سے مراد حکومت ارضی یا حاکم و بادشاہ ہوتی ہے لیکن قرآن مجید میں یہ لفظ لغوی و اصطلاحی دونوں معنوں میں وارد ہوا ہے جبکہ لغوی معنی اس کے کسی کی جانشینی و قائم مقامی ہوتے ہیں پس مراد و مقصود اخذ کرنے کے لئے ضروری ہے کہ قرائن حالیہ و مقالیہ اور بالخصوص تفسیر و تشریح کا لحاظ رکھا جائے۔ چنانچہ ان باتوں کو مدِنظر رکھتے ہوئے جب ہم اس آیت میں استعمال کردہ لفظ پر غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے اس خلافت سے مراد تخت نشینی

نہیں بلکہ نیابت و قائم مقامی مقصود ہے یعنی کسی قوم یا گروہ کی جانشینی ان کے ملک و ملک پر تسلط ان کے دیار و امصار پر غلبہ۔ چنانچہ تفسیر جلالین میں ہے کہ یستخلفنھم فی الارض کا مطلب یہ ہے کہ بدلاً عن الکفار یعنی اللہ مسلمانوں کو کافروں کی زمین کا وارث بنا دے گا۔ اسی طرح تفسیر مدارک میں ہے کہ خدا نے وعدہ کیا ہے کہ وہ اسلام کی مدد کرے گا۔ اور مسلمانوں کو کافروں کی زمین کا وارث بنائے گا۔ تقریباً یہی معنی تفسیر ابن جریر اور معالم التنزیل ابن کثیر میں ہیں کہ مسلمانوں کو کفار کی زمین کا جانشین بنائے گا۔

موعود امت ہے

قاضی جی کا خیال ہے کہ یہ وعدہ جو مومنین سے کیا گیا اس کے مصداق حضرات ثلاثہ ہیں لیکن قاضی صاحب کے ہی ہم مسلک علماء کا مختار یہ ہے کہ اس سے مراد جملہ صحابہ مومنین اور بعد کے تمام مسلمان ہیں۔ مثلاً تفسیر کشاف۔ بیضاوی۔ خازن۔ اور مدارک وغیرہ میں ہے کہ گو اس آیت کے مخاطب آنحضرت موجود صحابہ ہیں مگر اس میں "من" بیانیہ ہے لہذا وعدہ جمیع امت سے ہے۔ چنانچہ تفسیر ترجمان القرآن اور فتح البیان میں ہے کہ یہ وعدہ جمیع امت کے لئے ہے بعض کے نزدیک صحابہ سے خاص ہے مگر اس کی کوئی وجہ نہیں کیونکہ ایمان و اعمال صالحہ چند اصحاب ہی کے لئے خاص نہ تھے بلکہ اس کا واقعہ ہونا اس امت کے ہر فرد سے ممکن ہے۔ اور اس شخص کا قول بہت بعید ہے جو یہ کہتا ہے کہ یہ وعدہ خاص ہے خلفاء اربعہ کے لئے یا مہاجرین کے لئے یا یہ کہ ارض سے مراد ارض مکہ ہے اور تو پہچان چکا کہ

اعتبار الفاظ کے عموم کا ہوتا ہے نہ سبب خاص کا۔
(فتح البیان۔ نواب صدیق حسن خانصاحب جلد ۶ ص ۲۳۸)

ظہور کلّی مفقود ہے

اب یہ بات بھی غور طلب ہے کہ خلافت کا جو وعدہ کیا گیا ہے اس سے مراد خلافت کلّی ہے یعنی یہ کہ تمام روئے زمین سے کفار ومشرکین کا خاتمہ ہو جائے گا اور مسلمان ہی ان کے اموال واملاک کے وارث وجانشین ہوں گے جیسا کہ آیت مبارکہ ھو الذی ارسل رسولہ بالھدی ودین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ کا مفاد ہے۔ یا اس سے مراد خلافت جزئی ہے۔ یعنی صرف بعض کفار کی زمین وجائداد پر مسلمان قابض ہوں گے اگر مراد خلافت کلّی ہے تو پھر تا ہنوز ایسا زمانہ کبھی معرض وجود میں نہیں آیا اور وعدہ ابھی تک پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچا۔ بلکہ یہ وعدہ ظہور مہدیؑ و نزول مسیحؑ کے وقت پورا ہوگا۔ اور یہ بات متفق بین الفریقین ہے۔

جزوی وعدہ عہد رسالتؐ میں پورا ہو گیا

اگر مراد جزوی خلافت ہے اور ایسا ہی ہے تو یہ وعدہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے حین حیات میں فتح مکہ کے بعد پورا ہو گیا اور یہی بات اسلامی کتب احادیث وتفاسیر سے ثابت ہوتی ہے۔ چنانچہ تفسیر درمنثور۔ خازن، ابن جریر۔ فتح البیان وغیرہ میں ہے کہ آیت زیر بحث اس وقت نازل ہوئی جب صحابہ جنگ وجدل اور خوف وہراس سے دل برداشتہ ہو کر بارگاہ

نبوی میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ کیا ہم ہمیشہ خائف و ترساں ہی رہیں گے یا کبھی ایسا بھی دن آئے گا کہ ہم ہتھیار اتار دیں گے اور امن و اطمینان کی زندگی بسر کریں گے چنانچہ اس وقت اللہ نے یہ آیت مذکورہ نازل فرمائی چنانچہ مفسرین نے لکھا ہے خدا نے اپنے پیغمبر اور اور صحابہ سے جو وعدہ کیا تھا وہ حضور کی حیات میں ہی پورا کر دیا گیا کیونکہ آپ کی وفات سے پہلے مکہ اور بحرین باقی جزائر عرب و یمن وغیرہ فتح ہو گئے تھے (مدارج النبوۃ) علامہ وحید الزمان نے اپنی تفسیر وحیدی میں لکھا ہے کہ "یہ وعدہ اللہ تعالے کا پورا ہوا۔ اور مسلمانوں کو آنحضرت صلعم کی زندگی میں عرب کے کافروں سے بے فکری ہو گئی"۔ اسی طرح تفسیر ترجمان القرآن میں ہے کہ "اور پورا کیا یہ وعدہ اللہ تبارک و للہ الحمد والمنۃ ابھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فوت نہ ہوئے تھے کہ اللہ نے فتح کر دیا کہ آپ کے واسطے مکہ اور خیبر اور بحرین اور عرب کا کل جزیرہ ..... پھر وہ با امن ہوئے اور ہتھیار رکھ دیئے۔ من بیان کے لئے ہے۔ ... یہ قول صحیح ہے اور معنی یہ ہیں کہ اللہ سبحانہ، خوف کی جگہ امن رکھ دے گا اور چلے جاویں گے ان سے خوف کے اسباب جس میں وہ ہیں اس طرح سے کہ ڈریں گے مگر اللہ سبحانہ سے"۔

(ترجمان القرآن ۱۰۷)

شرط وعدہ

اب رہی یہ تنقیح کہ اللہ نے اس آیت میں جو یہ فرمایا ہے کہ میں تم کو اس طرح خلافت ارضی عطا کروں گا جس طرح تم سے پہلے لوگوں کو دی ہے اس تشبیہہ سے کیا مطلب ہے۔ سو ظاہر ہے کہ کائنات میں شروع سے یہ سلسلہ جاری

کہ نور کے ساتھ تاریکی ایمان کے ساتھ کفر اور ہدایت کے ساتھ گمراہی کا ٹکراؤ رہا ہے تاریخ سے ثابت ہے کہ باطل کی طاغوتی طاقتوں نے متحد ہو کر حق کو مٹانے کی کوشش کی ہے کبھی باطل کو بظاہر تسلط بھی حاصل رہا مگر حسب سنت الٰہیہ آخر کار فتح ہمیشہ حق کی ہوئی ہے۔

قوم نوحؑ نے حضرت نوح علیہ السلام کو اس قدر ستایا کہ آپؑ نے عذاب کی سفارش فرما دی اور یہ قوم بالآخر صفحہ ہستی سے نابود ہو گئی یہی حشر قوم لوطؑ و قوم صالحؑ وغیرہ کا ہوا۔ فرعون اپنی فرعونیت سمیت ڈوب مرا۔ چنانچہ اسی طریقہ جاریہ کے تحت اللہ نے مسلمانوں کو تسلی دی کہ جس طرح پہلے ظالموں کو نیست و نابود کر کے ان کے اموال کا وارث حق پرستوں کو کیا گیا اسی طرح اب اسلام دشمنوں کو مغلوب و مقہور کر کے تم مومنوں کو ان کا وارث بناؤں گا چنانچہ قرآن مجید میں ان واقعات کا ذکر اس طرح ہے۔

(۱) سورہ اعراف میں ہے کہ "اور یاد کرو جب (اللہ) نے تمہیں (قوم) نوحؑ کے بعد سردار بنایا اور تمہیں زیادہ پھیلا دیا۔

(۲) اسی سورہ میں ہے کہ اور یاد کرو جب (اللہ) نے تم کو (قوم) عاد کے بعد سردار بنایا اور زمین پر آباد کیا۔

(۳) اسی سورہ میں ہے کہ "اور کہا قریب ہے کہ تمہارا رب ہلاک کرے تمہارے دشمن کو اور خلیفہ بنائے تم کو زمین میں اور پھر دیکھے کہ تم کیسے کام کرتے ہو۔

علیٰ ھذا القیاس ان نظروں سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ ہمیشہ دشمنان

دین کو مغلوب و مقہور کر کے اہل ایمان کو ان کی جگہ قائم مقام لاتا رہا ہے اسی طرح اس نے وعدہ کیا کہ اُمت مسلمہ کے ساتھ بھی ایسا ہی کرے گا چنانچہ بلاشبہ آنحضرتؐ کی حیات پاک ہی میں اللہ نے اپنا وعدہ پورا کر دیا۔ واضح ہو کہ جو الفاظ آیت استخلاف میں موجود ہیں وہی الفاظ ان آیات میں ہیں جن کا ذکر بطور مثال کیا گیا ہے۔

پس ان تنقیحات کی روشنی میں یہ حقیقت نکھر کر سامنے آجاتی ہے کہ اس آیت کا تعلق حضرات ثلاثہ سے دور کا بھی ثابت نہیں ہوتا۔ اس آیت سے مراد کل اُمت ہے اور ثلاثہ کو اس کا مصداق قرار دینا محض تفسیر بالرائے ہے اور یہ بات دونوں فریقوں میں مسلمہ ہے کہ تفسیر بالرائے کا ارتکاب جہنم میں جانے کی سزا رکھتا ہے۔ مگر ثلاثہ پرستی اور اندھی بہری عقیدت لوگوں کو آخرت سے غافل کر دیتی ہے اور حقائق کی موجودگی کے باوجود آیت کا مصداق اصحاب ثلاثہ ہی کو بتاتے ہیں۔

اس مسئلہ پر میں نے "ہزار تمہاری دس ہماری" میں ان وجوہات کا مفصل ذکر کیا ہے جو حضرات ثلاثہ کو اس آیت کا مصداق ماننے سے روکتی ہیں چنانچہ مختصراً ان کا اعادہ کرتا ہوں۔

تلخیص

۱۔ آیت میں "وعد اللہ" بصیغہ ماضی ہے۔ جو مستقبل پر حاوی نہیں اس لئے خلفاء کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

۲۔ فتح مکہ کے بعد یہ وعدہ جزوی طور پر آنحضرتؐ کی زندگی میں

پورا ہوگیا اور کلی وعدہ زمانہ آخر میں بوقت امام مہدیؑ پورا ہوگا۔

۳۔ اگر وعدہ صرف ثلاثہ کے لئے مان لیا جائے تو چار کے علاوہ باقی تمام صحابہ غیر مومن و غیر صالحین متصور ہوں گے یا وعدہ عارضی ہوگا کیونکہ خلفائے راشدین کے بعد فاسقین برسر اقتدار آ گئے۔ اور یزید و ولید جیسے لوگ خلیفہ بن گئے۔

۴۔ وعدہ اس شرط کے ساتھ ہے کہ اس طرح خلیفہ بنائے گا کہ جس طرح پہلے بنایا جبکہ پہلے کبھی بھی رسولؐ یا نبیؐ کی وصایت کسی صحابی آمیؔ کو حاصل نہ ہوئی نہ ہی کوئی اجماع یا شوریٰ یا جمہوری رائے شماری کا ہوئی۔

۵۔ وعدہ میں دین کی پائیداری کی ضمانت ہے مگر بعد از رسولؐ زمانہ ثلاثہ میں امت میں فتنے اٹھے اور ارتداد و زکوٰۃ کے ہنگاموں سے لے کر قتل عثمان کے غوغہ تک امت آپس میں برسر پیکار رہی یا فوج کشی میں مصروف رہی اور دین بلا تفرقہ یا زنی کا شکار رہا ہے۔!

سارا عہد ثلاثہ جنگ و فتوحات میں گزرا اور حالات جنگ کو ہنگامی حالت کہا جاتا ہے نہ کہ زمانہ امن!

اگر تخت نشین ہو جانا ہی خلافت الٰہیہ پر متمکن ہوتا ہے تو پھر بتائیے کہ نمرود، فرعون، اور یزید اقتدار پر قابض تھے جبکہ حقیقی خلفاء بظاہر محروم تھے۔ اور اگر فوج کشی اور ہوس ملک گیری کو استحکام دین سمجھ لیا جائے تو خلفاء سے زیادہ ممالک اور فاتحین نے فتح کئے ہیں۔ جیساکہ قرآن میں ہے کہ فرعون اس زمین پر غالب تھا۔ (القصص)

عذرِ غیر معقول

خلفاء کے آیت استخلاف کو پیش نہ کرنے کا باعث قاضی جی نے یہ فرض کیا ہے وہ تخت پر تشریف آور تھے اور جب کسی امام کے پیچھے ہزاروں مقتدی نماز پڑھ رہے ہوں تو اسے اپنے امام ہونے کا اعلان کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں کہتا ہوں کہ خدائی خلیفہ علانیہ اپنی خلافت کا اظہار کرتے ہیں ہر نبی نے اپنے منصب نبوت کا اظہار کیا۔ اگر صرف بادشاہ بن کر غلبہ حاصل کر لینا ہی خدائی خلافت کے حصول کی دلیل ہوتا ہے تو پھر نمرود کی خلافت تسلیم کر کے ابراہیمؑ کی امامت کا انکار کیجئے۔ فرعون کو خلیفہ مانیئے اور موسیٰؑ کی نیابت کو جھٹلا دیجئے۔ یزیدؔ کو بحق خلیفہ مان کر حسینؑ کو ناصب کی طرح باغی قرار دیجئے۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی کی تکذیب کیجئے کہ انھوں نے معاذ اللہ غلط کہا۔ ؎

شاہ ہست حسینؑ، بادشاہ ہست حسینؑ!
دیں ہست حسینؑ، دیں پناہ ہست حسینؑ
سر داد نہ داد دست در دست یزیدؔ
حقا کہ بنائے لا الٰہ ہست حسینؑ

خلفائے ثلاثہ سے لاتعلقی

قاضی صاحب آج صدیوں کے بعد آپ کی تفسیر بالرائے کوئی وزن نہیں رکھتی ہے کیونکہ خود آپ کے ممدوحین حضرات ثلاثہ کے اعمال سے یہ پوری طرح ثابت ہوتا ہے کہ اس آیت کا اُن سے

کسی طرح کا کوئی واسطہ نہ تھا اسی لئے جب ہنگامہ سقیفہ میں حضرت ابوبکر کو بادشاہ بنایا گیا تو مخالف اصحاب انصار ین کو یہ کہکر چپ کرایا گیا کہ حضور نے فرمایا ہے "الائمہ من القریش"، حالانکہ اگر اصحاب یا حضرت ابوبکر کے علم میں یہ آیت ہوتی تو اپنی حمایت میں اس کو لوگوں کے سامنے پیش کرتے۔ اگر حضرت عمر کو اس آیت کا اپنے بارے میں نازل ہونا معلوم ہوتا تو ہرگز نہ کہتے کہ ابوبکر کی بیعت فتنہ ہے اللہ نے اس کے شر سے محفوظ رکھ لیا۔ اسی طرح حضرت عمر کی نامزدگی کے لئے حضرت عمر کو کسی وصیّت کے اہتمام کی ضرورت نہ پڑتی بس آیت قرآن کی طرف اشارہ کافی ہوتا۔ نیز حضرت عمر کو اپنی موت کے وقت چھ رکنی کمیٹی کے تشکیل کرنے کی ضرورت نہ محسوس ہوتی علاوہ حضرت عثمان کو اپنا ولی عہد فرما جاتے۔ ان تاریخی حقائق کی روشنی میں آپ کی غلط عقیدت پر مبنی پر قیاس آرائی ہرگز صحیح قرار نہیں پا سکتی پس اللہ کا وعدہ تو حضور ہی کے عہد میں پورا ہو گیا اور ثلاثہ کو اس عہد سے کوئی فائدہ نہیں پہنچتا ہے۔

عبارت نہج البلاغۃ کا جواب

قاضی صاحب نے اپنے نمبر ۲ بیان میں نہج البلاغۃ کے حوالہ سے حضرت امیر علیہ السلام کا کلام نقل کیا ہے اس کا جواب میں نے اپنی کتاب ذکاء الافہام بجواب جلاء الافہام یعنی سو سنار کی ایک لوہار کی، میں لکھا ہے۔ اللہ کا دین ہر دور میں غالب ہے خواہ وہ دور عمر ہو یا دور یزید لعین۔ دین کا مغلوب ہونا امر محال ہے۔ مولا علیؑ کے اس فرمان سے دراصل حضرت امیرؑ کی شان ولایت ظاہر ہوتی ہے۔

جناب اولی الامر کا ارشاد ہے کہ یہ اللہ کا دین ہے جسے اس نے ظاہر کیا ہے۔ یعنی باوجود تصرف حکومت کے حاکم صاحب تاج و تخت و اقتدار مجبور ہے کہ وہ ہادی بہ حق سے مشورہ لے۔ اگر حضرت علیؑ کا مقصود حضرت عمر کی خلافت و حکومت کی حقانیت کی تائید ہوتا تو آپ حکومت یا حکمران کی شان و تعریف بیان کرتے نہ کہ دین کی اہمیت کا اظہار فرماتے۔ دراصل ارشاد مولاؑ کے معنی یہ ہیں کہ اللہ نے حق کو ظاہر و غالب کیا ہے۔ دین حقہ کو غلبہ عطا کیا ہے کہ حاکم غاصب مجبور ہو کر جاہ و حشم کے باوجود حجت خدا جو کہ گوشہ نشیں ہے کی چوکھٹ پر سر نیاز تسلیم خم کر رہا ہے یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ کا دین غالب ہے۔ اور حکومت مذکور حقیقی وارث دین کے سامنے مغلوب ہے۔ چنانچہ آپ نے فرمایا "نحن علی موعود من اللہ"، کہ ہم سے اللہ نے وعدہ کیا ہوا ہے" تم سے نہیں۔ لہذا معلوم ہوا کہ موعود من اللہ آئمہ علیہم السلام طاہرین ہیں نہ کہ غیر معصوم حاکم۔!

عمر نگاہِ علیؑ میں

واضح ہو کہ حضرت امیر المومنینؑ کا یہ ارشاد حضرت عمر یا ان کے لشکر کے لئے نہیں ہے بلکہ آپ نے لشکر اسلام کے لئے فرمایا ہے گفتگو ماضی کے صیغہ میں ہے۔ اور بشارت دین کے غلبہ کی ہے۔ حضرت عمر کے بارے میں تو آپ نے فرمایا ہے کہ

"عمر، اس دنیا سے اس حال میں رخصت ہوا کہ لوگوں کو گوناگون راستوں پر ڈال دیا جن میں گمراہ راہ یاب نہیں ہو سکتے اور راہ یافتہ یقین پر قائم نہیں رہ سکتے"۔ نہج البلاغہ ص۶۴۸

پس جب اس کلام کا تعلق حضرت عمر کی ذات یا ان کی حکومت سے ہی نہیں تو پھر ان کی خلافت کے برحق ہونے کا ثبوت کیونکر ہو سکتا ہے یہی وجہ ہے شیعہ علماء نے حضرت ثانی کی خلافت کو تسلیم نہیں کیا ہے کیونکہ ان کے امام معصوم نے آنجناب کو مختلف راہوں پر ڈالنے والا حاکم قرار دیا ہے۔ پس جب یہ معاملہ اللہ کے سپرد کر دیا گیا ہے تو پھر ہم بے خوف ہو کر یہی جواب دیں گے کہ اے ذات قدوس تیرے ولی نے اس حاکم کو ایسے الفاظ میں یاد کیا کہ ان کی وجہ سے گمراہ ہدایت سے محروم رہتے ہیں اور ہدایت یافتہ یقین سے۔ پس یہ صفات تیرے مقرر کردہ خلیفہ کی ہم نے کبھی سنی نہیں۔ اس لئے باوجود اس حقیقت کے کہ وہ کرسئ اقتدار پر رہا ہم کسی ہدایت کے لائق اس سے اعتقاد نہیں کرتے رہے۔ اے احکم الحاکمین سانپ کا کاٹا رسی سے ڈرتا ہے ہم نے فرعون، قارون، نمرود، شداد کی عظیم الشان سلطنتوں کی چمک سے لوگوں کو اندھا ہوتے دیکھا ہے لہذا وسعت ارضی اور رعب داب ہمیں مرعوب نہ کر سکے۔ ہمیں تو رشد، ہدایت، علم و عرفان اور معرفت حقیقی کی طلب تھی جو تیرے رسول کے گھر میں تقسیم ہوتی تھی اور ہر سائل کو اس کے ظرف و ضرورت کے مطابق وہاں سے اتنا ملتا تھا جو دوسروں سے بے نیاز بنا دیتا تھا۔ لہذا ہم نے وہ در چھوڑ کر ایسی در بدری اختیار نہ کی کہ جہاں گمراہی کی صورت میں ہدایت سے محرومی کا خدشہ تھا۔ اور ہدایت یابی کی صورت میں عدم یقین کا خوف تھا تو ہماری نیتوں سے اور ہمارے خلوص سے بہتر واقف ہے کہ تیرے رسول کے حکم کے مطابق ہم نے اپنا ہادی اس ہستی

کو مانا جیسے تیرے محبوب نے کہا۔

"علیؑ حق کے ساتھ ہے اور حق علیؑ کے ساتھ ہے۔ اے اللہ پھیر دے حق کو ادھر جدھر علیؑ پھر جائے۔"

یہ فرمان رسولؐ صرف شیخین کا ہی نہ تھا بلکہ ثلاثہ و خصوصاً جناب عمر کے پرستار بھی اس کو ٹھیک کہا کرتے تھے لہٰذا دونوں طرف کا مسلمہ ہم نے پلے باندھا کہ وہی راہ اختیار کی جو "حق" کے ساتھ تھی بلکہ حق کے متبوع کی راہ تھی۔ اب اگر ہم قصور وار ہیں تو تجھے اختیار و اقتدار حاصل ہے ہمیں سزا دے یا بخش دے یا جزا دے۔

فتوحات مضر ہوئیں

تنگ دل پسند لوگ ہم کو یہ شور و ضرور دیتے تھے کہ اُن کے ممدوح نے بڑے بڑے ممالک فتح کرکے وہاں اسلام پھیلایا ہے مگر جب ہم ان ہی کے علماء کے ایسے فتوے پڑھتے تھے جن سے معلوم ہوتا تھا کہ یہ زمین مغصوص ہیں تو ہم اس جال میں پھنسنے سے بچ گئے۔ اور یہ طعنہ کہ "اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے۔" ہم بہ ذات خود نہ کہہ سکے کیونکہ تیرے رسولؐ نے کبھی یہ تعلیم نہیں دی ہے کہ بزور شمشیر فوج کشی کرکے اسلام پھیلایا جائے پس جب یہ فتوحات ہی اسلام سے رشتہ نہیں رکھتے تھے تو ہم ان کو مفید کیسے جان لیتے۔ ان عارضی کامیابیوں نے تو دائمی نقصانات پہنچائے ہیں۔

سوال نمبر ۲۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے لکھا ہے کہ "افعال قبائح کو قدرت و تمکین بندے پر بخشا اسی (خدا) کا کام ہے۔" (تحفۂ اثنا عشریہ) جب ہم اس جملے کا تجزیہ

کرتے ہیں تو نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ اہل سنّت صدور برائیوں کا باری تعالیٰ سے تجویز کرتے ہیں اس تجویز سے ذات خداوندی کی بے ادبی ظاہر ہوتی ہے عقلاً جواب دیں کہ یہ عقیدہ کیونکر معقول ہے؟

مطلوب :- تحفہ اثنا عشریہ میں شاہ عبدالعزیز کا تحریر کردہ جملہ جس کا ماحصل یہ ہے کہ بندے کو گناہ کرنے کی قدرت و تمکین اللہ سے ملتی ہے کا جب تجزیہ کیا جائے تو نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ برائیوں کا صدور بجانب خدا ہے جس سے ذات باری کی بے ادبی ظاہر ہوتی ہے لہٰذا اس عقیدہ کی معقولیت پر دلائل درکار ہیں۔

جواب :- (۱) سائل نے تحفہ اثنا عشریہ مترجم اردو سے یہ عبارت نقل کی ہے حالانکہ اس میں کتابت کی غلطی پائی جاتی ہے لیکن سائل نے بلافہم اس کو سوال میں نقل کر دیا ہے اگر وہ اتنی فہم رکھتے تو اس اردو عبارت کی تصحیح کر لیتے اب بھی ان پر لازم ہے کہ وہ صحیح عبارت پیش کریں۔

(۲) اہل السنّت والجماعت کا یہ عقیدہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ برائیوں کا ارتکاب کرتا ہے بلکہ یہ عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر شے کا خالق ہے چنانچہ قرآن مجید میں ہے۔ قل اللہ خالق کل شئی وھوالواحد القھار ؛ آپ فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز کا خالق ہے اور وہی واحد اور غالب ہے۔ (پارہ ۱۳۔ سورۃ الرعد ع ۲)

(ب) اللہ تعالیٰ نے ہی اچھی یا بری چیز کو پیدا کیا ہے مثلاً ابلیس کو بھی اسی نے پیدا کیا ہے اور خنزیر کا پیدا کرنے والا وہی ہے۔ اگر شیعوں کا بھی یہی عقیدہ ہے تو پھر اگر کوئی غیر مسلم یہ اعتراض کرے

کہ اللہ تعالیٰ نے شیطان اور خنزیر کو کیوں پیدا کیا ہے۔ اور یہ کہے کہ اس مجسمہ شر مخلوق کو پیدا کرنے کی وجہ سے یہ لازم آتا ہے کہ العیاذ باللہ اللہ تعالیٰ میں شر پائی جاتی ہے تو شیعہ علماء اس کا کیا جواب دینگے۔

(۲) اور جب ہر چیز کا خالق (پیدا کرنے والا) اللہ ہے تو خیر و شر بھی تو مخلوق ہیں اگر مخلوق ہیں تو ان کا خالق بھی اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اور اس حقیقت کا اعلان بھی خود اس نے قرآن حکیم میں کر دیا ہے۔ چنانچہ فرمایا واللہ خلقکم وما تعملون" (پارہ ۲۳ سورۃ الصفٰت ع ۳) اور اللہ تعالیٰ نے تم کو پیدا کیا ہے اور جو تم عمل کرتے ہو اس کو بھی (اس نے پیدا کیا ہے۔) یہ قول دراصل امام الموحدین حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کا ہے۔ جو بالکل حق ہے اور اسی کے مطابق اہل السنت والجماعت کا عقیدہ ہے اور حضرت شاہ صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے تحفہ اثنا عشریہ میں اس مسئلہ کی مدلل وضاحت فرما دی ہے۔ اگر سائل اس کو سمجھنے کی اہلیت رکھتے ہیں تو ہم کہتے ہیں خلق قبیح قبیح نہیں ہے بلکہ کسب قبیح قبیح ہے اور اگر سائل صاحب خلق اور کسب میں فرق نہیں کر سکتے تو ایسے علمی مسائل میں دخل دینے کی کیا ضرورت ہے۔؟

(۳) اگر شیعہ انسان کے افعال و اعمال کا خالق اللہ تعالیٰ کو نہیں مانتے تو ان کے افعال کا خالق کون ہے اگر خود وہ انسان ہے تو وہ اس پہلو سے خالق بن گیا۔ جس سے یہ لازم آتا ہے کہ ہر انسان من وجہ خالق ہے۔ تو پھر ایک خالق تو نہ رہا۔ بلکہ شیعہ عقیدہ کے تحت بے شمار خالق ہوں گے۔ العیاذ باللہ۔

(۴) ایک انسان چوری کرتا ہے ۔ تو یہ اس کا کرسب ہے ۔ جس کی بناء پر اس کو شرعاً چوری کے جرم کی سزا دی جائے گی ۔ لیکن جس ہاتھ سے اس نے چوری کی ہے اس میں قوت رکھنے والا کون ہے ۔ صرف ایک اللہ ۔ تو اعتراض تو یہاں بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس چور کے ہاتھ کو کیوں طاقت دی تھی اس کو دیکھنے ، سُننے اور چلنے پھرنے کی کیوں قوت عطا کی تھی اگر اللہ تعالیٰ اس کو یہ جسمانی قوتیں نہ عطا کرتا تو وہ چوری نہیں کر سکتا تھا ۔ تو کیا اس بناء پر اللہ پر کوئی اعتراض وارد ہو سکتا ہے ہرگز نہیں ۔

(۵) سائل صاحب کو بجائے اہل سُنت کے ایک صحیح عقیدہ پر اعتراض کرنے کے اپنے مذہب کے مشہور عقیدہ بدا پر غور و فکر کرنا چاہیئے تھا جس سے اللہ تعالیٰ کا العیاذ باللہ جاہل ہونا لازم آتا ہے اور انشاء اللہ تعالیٰ اس عقیدہ بدا پر بھی حسب مقام تبصرہ کر دیا جائے گا ۔ یہاں صرف توجہ دلادی ہے ۔

جواب الجواب واللہ المعین علی الصواب

مجیب نے اولاً یہ کہا ہے کہ میں نے تحفہ سے بلا فہم عبارت نقل کر دی ہے حالانکہ وہاں کتابت کی غلطی تھی جسے صحیح کیا جا سکتا تھا جب کہ سائل کے نزدیک عبارت قابل اصلاح نہ تھی ۔ اگر بالفرض سہواً مجھ سے غلطی ہو گئی تھی تو مجیب کا فرض تھا کہ اس کی تصحیح کر دیتے ان کا دُرشتگی سے گریز فرمانا اس امر کا ثبوت ہے کہ وہ عوام الناس کو وہ غلانے کی سوچ رہے ہیں وہ یہ بات یہی ہے جو میں نے نقل کی ہے اور اس کی

خود انہوں نے اپنے آخری پیراگراف میں ان الفاظ میں تصدیق کی ہے۔ "سائل صاحب کو بجائے اہل سنت کے ایک صحیح عقیدہ پر اعتراض کرنے کے اپنے مذہب کے مشہور عقیدہ بداء پر غور کرنا چاہیئے تھا" پس عرض یہ ہے کہ جب آپ کے نزدیک مسئولہ عقیدہ صحیح ہے تو پھر اس کے عقلی دلائل کیوں پیش نہیں فرماتے۔

قاضی صاحب نے۔۲۔ میں کہا کہ اللہ ہر شئے کا خالق ہے اور اہلسنت اللہ تعالےٰ کے لئے برائیوں کا ارتکاب نہیں تجویز کرتے لیکن اس امر کو نفس سوال سے کوئی ربط نہیں ہے۔ اس سوال میں ہم نے عبدالعزیز محدث کی عبارت کی وضاحت دریافت کی ہے خالق و مخلوق کی بحث نہیں پوچھی۔ استفسار یہ ہے کہ جب "افعال قبائح کو قدرت (تمکین بندہ) پیدا کرنا بخشنا اللہ ہی کا کام ہے تو عقلی اعتبار سے خدا برائیوں کے صدور سے کیسے منزہ ہے۔؟ یہی امر جواب طلب ہے مگر مذہب سنیہ کی روشنی میں۔!

پیراگراف "ب" میں بھی وہی بات ہے اچھی و بُری چیز کو پیدا کرنے والا اللہ ہے مگر مجھے خلقت سے کوئی واسطہ نہیں ہے کیوں کہ عقلی لحاظ سے خالق مخلوق کی کارکردگی کا ذمہ دار نہیں ہے۔ اور نہ ہی خلقت باعث قباحت قرار دی جا سکتی ہے۔

(۲) حضرت ابراہیمؑ کا جو قول قرآن میں ہے اس سے مراد جناب خلیل اللہ کی یہ نہیں ہے کہ اللہ نے تم کو پیدا کیا ہے اس لئے جو تم بُرے کام کرتے ہو معاذ اللہ وہ بھی اللہ کرتا ہے بلکہ آپ کا مقصد یہ تھا کہ تمھیں بھی اللہ ہی نے پیدا کیا ہے۔ اور جو تم اپنے فن و محنت

پیسے بناتے ہیں وہ بھی اللہ ہی پیدا کرتا ہے۔ اور حضرت خلیل کا قول بلاشبہ صحیح ہے۔ یا تو قاضی صاحب میرے سوال کو سمجھ نہیں سکے ہیں۔ یا پھر وہ جان بوجھ کر بات کو الٹ پلٹ کر اپنی جان چھڑانا چاہتے ہیں حالانکہ سوال میں یہ چیز ہرگز نہیں پوچھی گئی کہ خالق کون ہے۔ بلکہ اس قول کی تائید میں عقلی دلائل دریافت کئے گئے ہیں جو شاہ صاحب نے لکھے ہیں اور ان کا مطلب یہ نکلتا ہے کہ معاذ اللہ بڑے کام کرنے کی قدرت و تمکین بڑے آدمی کو اللہ دیتا ہے کھلے الفاظ میں یہ کہ اللہ ہی معاذ اللہ لوگوں سے بڑے کام کرواتا ہے۔ تو یہاں کسب زیر بحث ہوگا نہ کہ "خلق"۔

مجھے یہ اعتراف ہے کہ آپ کا یہ دقیق علمی مسئلہ باوجود شاہ صاحب کی وضاحت کے سمجھ میں نہیں آسکا اس لئے میں نے سوال کر دیا کہ شاید کوئی بھائی میرے علم میں اضافہ کر سکے۔

(۳) بحیثیت خالق عقلی اعتبار سے خدا کو انسان کے اعمال و افعال کا ذمہ دار نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔ کیونکہ خالق نے قدرت طاقت عطا کر کے نیکی و بدی کا شعور بھی عطا کیا ہے۔ اب یہ انسان کا اپنا مختار ہے کہ جس شئے کو پسند کر لے۔ اللہ کی طرف سے جبر نہیں ہے مثلاً موجدین و سائنسدانوں نے انسانی فلاح کے لئے بڑی آلات بناتے ہیں لیکن اگر کوئی شخص ان کو تخریبی طرزوں پر برے کارلاتا ہے تو موجدان اشیاء کا اس کی اس تخریبی کارروائی کا ہرگز ذمہ دار نہ ہوگا۔

خداوند عالم بے شک خالق مطلق ہے مگر اس نے انسان میں کبھی

یہ قدرت دی ہے وہ مجازی طور پر خالق قرار پایا جاتا ہے۔ اسی لئے خدا نے خود کو "احسن الخالقین" کہا ہے عقلی طور پر اس کا انکار کرنا حقیقت سے انحراف ہوگا۔

(۴) اگر انسان چوری کرتا ہے تو خالق انسان اس کا ہرگز ذمہ دار نہیں ہے کیونکہ اس نے اس کو یہ فعل بجا لانے سے منع کر دیا ہے۔ اور اس نے جو اس کو طاقت و ہاتھ عطا کئے ہیں اُن کے استعمال کی ہدایات بھی جاری کر دی ہیں۔ اب اگر وہ خالق کی بتائی ہوئی نصیحت پر عمل نہیں کرتا ہے تو یہ اس کا اپنا قصور رہے گا۔ لہٰذا وہ خود اس ارتکاب پر مستحق سزا ہے۔ یعنی شیعہ عقیدہ یہ ہے کہ جو قوت عطا کردہ خدا ہیں۔ مگر قیام و وجود بندے کا فعل ہے اس لئے ہمیں "عدلیہ" کہتے ہیں۔

اگر خالق نے اس کو طاقت و قدرت کے ساتھ تمکین عطا کر کے فعل پر مجبور کر دیا ہے تو پھر یہ الزام خالق پر دار د ہوگا کہ اس کی منشاء و منظوری و رضا مندی سے یہ فعل کیا گیا ہے۔ شاہ صاحب کی عبارت سے یہی نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ اللہ نے افعال قبائح کو قدرت و تمکین بندے پر بخشی ہے۔ لہٰذا ایسی صورت میں مذہب سُنیہ کے محدث شاہ عبدالعزیز کے مطابق بندہ غلط کاری غلط کاری خدا کے منشاء کے مطابق ٹھہرتی ہے۔ جو عقلی اعتبار سے خدا کے لئے تجویز نہیں کی جا سکتی ہے۔

پس مختصراً ماحصل اس بحث کا یہ ہوا کہ خلقت کا مسئلہ زیر بحث سوال سے متعلق نہیں ہے۔ بلکہ "قدرت و تمکین افعال قبائح

کے لئے بندے پرکھنا" اصل اعتراض یا سوال ہے۔ اس مفروضہ کو خرد و دانش کی کسوٹی پر پرکھنے کی دعوت دینا اس سوال کا مقصد ہے رہ گیا شیعہ عقیدہ بداء تو حسب مقام اس پر بحث ہو گی یہر دست زیر بحث گتھی کو سلجھائیے۔

اگر آپ کا دعویٰ ہے کہ سُنّی مذہب حق ہے تو اس الجھن کا حل بتائیے۔ کیونکہ یہ سوال سائل کے علاوہ غیر مسلم لوگ بھی مذہب عامہ پر کرتے رہتے ہیں مگر اس کا کبھی تشفی بخش جواب نہیں دیا گیا۔ اور کیونکہ اہل تشیع کا اس عقیدے سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ اس لئے اس جواب کی ذمہ داری ان پر عائد نہیں ہو سکتی ہے۔

سوال نمبرا۔ آپ حضرات خود کو "سُنّی"، یا اہل سنۃ والجماعت کہلواتے ہیں۔ براہ مہربانی کتب صحاح ستہ میں کوئی ایسی روایت دکھائیے جس میں حضرات ثلاثہ (ابوبکر، عمر، عثمان) میں سے کسی ایک نے بھی یہ کہا ہو۔ "میں سُنّی ہوں" یا میرا مذہب اہل سنۃ والجماعت ہے"۔ حوالہ مکمل دیجئے اور پیش کردہ روایت کی توثیق بھی تحریر فرمائیے۔

مطلوب:۔ اس سوال میں سائل نے حضرات ثلاثہ کی زبان سے ادا کیا گیا یہ جملہ "میں سُنّی ہوں" یا میرا مذہب اہل سنۃ والجماعت ہے"، صحاح ستہ میں منقول کا مکمل حوالہ پوچھا ہے۔ اور روایت کی توثیق طلب کی ہے۔ بشرطیکہ اس کا وجود رہے۔

جواب المجیب:۔ یہاں تو مولوی عبدالکریم مشتاق نے حدیثیں

سے اہل سنّت ہونے کا مطالبہ پیش کیا ہے لیکن انھوں نے اپنے رسالہ "میں شیعہ کیوں ہوا" کے آخر میں مذہب اہل السنّت والجماعت پر جو نمبر وار یکصد سوالات وارد کیئے ہیں اس میں پہلا سوال یہ ہے کہ: "آپ کے مذہب کا نام سنی یا اہل سنّت یا اہل السنّت والجماعت۔ قرآن کی اس آیت کا نشان دیجئے جہاں آپ کے مذہب کا نام مذکور ہو۔؟ گویا کہ شیعہ سائل صاحب کا یہ مطلب ہے کہ اگر قرآن مجید میں یا کسی حدیث میں اہل سنّت یا اہل السنّت والجماعت کے الفاظ کا ثبوت نہیں ملتا تو اس بات کی دلیل ہے کہ مذہب اہلسنّت برحق نہیں ہے۔ اور پھر سائل موصوف نے نمبر شمار بڑھانے کے لئے اسی ایک سوال کو مختلف اجزاء میں پھیلا کر اس کے دس عدد سوالات بنا دیئے ہیں۔ حالانکہ ان کی یہ روش صرف سستی شہرت حاصل کرنے کے لئے ہے جس کا تحقیق حق یا تبلیغ حق سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اگر اس قسم کے سوالات کی بناء پر کسی مذہب کے حق اور باطل ہونے کا فیصلہ کیا جائے تو پھر شیعہ مذہب کی حیثیت تو بالکل ختم ہو جائے گی۔

(الف) مثلاً شیعہ مذہب میں حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلّم کے بعد حضرت علیؓ سے لے کر امام غائب حضرت مہدی تک بارہ امام اللہ تعالےٰ کی طرف سے مثل انبیاء کے امام نامزد ہیں اور وہ انبیاء سابقین حضرت ابراہیم خلیل اللہ حضرت موسیٰ کلیم اللہ اور حضرت عیسیٰ روح اللہ علیہم السلام سے بھی افضل ہیں۔ اور شیعوں کے نزدیک اصول دین پانچ ہیں۔ توحید ۱ عدل ۲ نبوّت ۳

امامت - قیامت۔ ملاحظہ ہو تحفۃ العوام حصہ اول ص۳ مطبوعہ لکھنؤ ۱۹۳۱ء) اور مولوی عبدالکریم صاحب مشتاق نے بھی اپنے رسالہ "میں شیعہ کیوں ہوا" ص۴ پر لکھا ہے۔ مذہب شیعہ کے مطابق اسلام کی اساس مندرجہ ذیل پانچ اصولوں پر ہے

(۱) توحید (۲) عدل (۳) نبوت و رسالت (۴) امامت (۵) قیامت

لیکن موجودہ قرآن مجید میں جہاں توحید و رسالت اور قیامت کا جابجا ذکر ملتا ہے وہاں امامت کا مثل نبوت اور رسالت کے کہیں ثبوت نہیں ملتا۔ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد ایمانیات میں امامت اور اماموں پر ایمان لانے کا کسی آیت میں بھی کوئی حکم نہیں پایا جاتا۔ مثلاً فرمایا۔ امن الرسول بما انزل الیہ من ربہ والمؤمنون کل امن باللہ و ملٰئکتہ وکتبہ ورسلہ (سورۃ البقرہ رکوع ۴۰)

ترجمہ۔ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس (وحی) پر ایمان رکھتے ہیں جو آپ کے رب کی طرف سے آپ کے پاس نازل کی گئی ہے اور مومنین بھی (اس پر ایمان رکھتے ہیں۔) سب کے سب ایمان رکھتے ہیں اللہ کے ساتھ اور اس کے فرشتوں کے ساتھ اور اس کی کتابوں کے ساتھ اور اس کے رسولوں کے ساتھ)

یہاں ملائکہ اور رسل پر ایمان لانے کا تو ذکر واضح ہے لیکن امامت اور آئمہ پر ایمان لانے کا کوئی ادنیٰ سے ادنیٰ نشان بھی موجود نہیں ہے۔

(۲) لیس البر ان تولوا وجوھکم قبل المشرق والمغرب ولکن البر من امن باللہ والیوم الاخر والملئکۃ والکتب والنبین (البقرہ ع ۲۲) ترجمہ: یہ بڑی نیکی نہیں ہے کہ تم اپنے منہ کو مشرق یا مغرب کی طرف کر لو لیکن کامل نیکی یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ پر ایمان رکھے اور قیامت کے دن پر اور فرشتوں پر اور کتابوں پر اور نبیوں پر۔"

اس آیت میں بھی انبیا ملائکہ وغیرہ پر ایمان رکھنے کا ذکر تو صراحتاً پایا جاتا ہے لیکن اس میں امامت اور آئمہ کا کہیں سراغ نہیں ملتا۔ شیعہ علماء اس قرآن عظیم میں کوئی ایسی آیت ثابت کر دیں جس میں مومنین کے مثل انبیاء و رسل کے امامت اور آئمہ پر ایمان لانے کا حکم یا ذکر موجود ہے۔

(۳) تعجب ہے کہ جو انبیائے کرام پہلی امتوں میں گزر چکے ہیں ان سب پر تو ایمان لانے کا ذکر موجود ہے اور ان میں سے بعض انبیاء کرام کا نام لے کر ان پر اور ان کی کتابوں اور صحیفوں پر ایمان لانے کا تذکرہ پایا جاتا ہے مثلاً قولوا امنا باللہ وما انزل الینا وما انزل الی ابراھیم واسمعیل واسحق ویعقوب والاسباط وما اوتی موسی وعیسی وما اوتی النبیون من ربھم (البقرہ ع ۱۶)

ترجمہ: تم کہہ دو کہ ہم ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اور اس پر جو ہماری طرف نازل ہوا ہے۔ اور اس پر جو ابراہیم اسماعیل، اسحاق، یعقوب اور آپ کی اولاد پر نازل ہوا ہے۔ اور اس پر جو حضرت موسیٰ حضرت عیسیٰ کو دیا گیا۔ اور اس پر جو دوسرے پیغمبروں کو ان کے رب کی طرف سے دیا گیا ہے۔

لیکن حسب عقیدہ شیعہ جن بارہ اماموں پر مثل انبیاء و رسل

کے ایمان لانا فرض ہے اور جو انبیائے سابقین علیہم السلام سے بھی افضل ہیں ان پر ایمان لانے کا کوئی حکم نہیں دیا گیا اور نہیں تو کم از کم ان پہلے تین اماموں پر ایمان لانے کا تو ذکر ضرور ہی تھا جو نزول قرآن کے وقت موجود تھے یعنی حضرت علی المرتضٰی۔ حضرت حسنؑ اور حضرت حسینؑ اور اگر ان تینوں کا نہیں تو صرف حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر ایمان لانے کا ذکر پایا جاتا جو ابو الآئمہ ہیں اور حسب عقیدہ شیعہ کلمہ اسلام میں تو حید و رسالت کے بعد ان کی خلافت بلا فصل کا اگر اقرار نہ کیا جائے تو آدمی ایمان سے محروم رہتا ہے۔ خواہ وہ تو حید و رسالت کا اقرار کرے۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت علیؓ کی خلافت و امامت پر ایمان لانا تو کجا علی بن ابی طالب کا تو قرآن میں کہیں نام کے ساتھ کوئی ذکر بھی موجود نہیں ہے تو ان بارہ اماموں میں سے قرآن میں کسی امام کا بھی بہ نشان نام ذکر نہ کرنا اور ان کی امامت کے تذکرہ سے بھی قرآن مجید کا خالی رہ جانا کیا اس امر کی بین دلیل نہیں ہے کہ یہ بارہ امام مثل انبیاء و رسل کے کوئی خدائی عہدہ مثل امامت وغیرہ کے نہیں رکھتے جس کی بنا پر مثل انبیاء کے ان پر ایمان لانا واجب ہو۔

(۴) اہل السنت کے نزدیک حضرت علی المرتضٰی سے لے کر حضرت حسن عسکری تک سب اولیا اللہ ہیں۔ جن میں سے پہلے تین حضرات یعنی حضرت علی۔ حضرت حسن اور حضرت حسین کو شرف صحابیت حاصل ہے اور ان میں سے حضرت علی المرتضٰی جو تھے برحق خلیفہ ہیں۔ اور امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی برحق ہیں۔ لیکن آپ نے چھ ماہ کے بعد

اپنی خلافت سے دستبردار ہو کر حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلیفۂ اسلام تسلیم کر لیا اور مع اپنے بھائی امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ان سے سالانہ لاکھوں روپئے وظیفہ لیتے رہے۔ اہلسنت ان حضرات کو ان کے درجات کے مطابق مانتے ہیں اور حضرت مہدی قریب قیامت پیدا ہوں گے اور خلافت حقہ کے منصب پر فائز المرام ہوں گے لیکن جس طرح ان حضرات کو شیعہ فرقہ کے لوگ مانتے ہیں اس کا موجودہ قرآن میں تو کوئی نام و نشان نہیں ملتا۔ ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین۔ بہر حال اگر اس قرآن میں ان بارہ اماموں کا نام نہیں پایا جاتا جن پر حسب عقیدہ شیعہ مثل انبیاء کے ایمان لانا واجب ہے تو اگر اہل سُنت یا اہل السنت والجماعت کے الفاظ قرآن مجید میں نہ موجود ہوں تو یہ کیونکر محل اعتراض بن سکتا ہے۔

(۵) لفظ شیعہ کا گو قرآن مجید میں مذکور ہے لیکن اکثر مذموم معنی میں پایا جاتا ہے مثلاً (۱) ان فرعون علا فی الارض وجعل اھلھا شیعا " (پارہ ۲۰ سورۃ القصص رکوع ۱) شیعہ مفسر مولوی مقبول احمد دہلوی نے اس آیت کا ترجمہ یہ لکھا ہے۔

بے شک فرعون اس زمین پر غالب تھا اور اس کے باشندوں کو اس نے کئی گروہ بنا دیا تھا لفظ شیعا جمع شیعہ کی ہے یعنی گروہ اگر شیعہ کوئی مذہبی اصلاح ہے جیسا کہ شیعہ علماء دعویٰ کرتے ہیں تو پھر ہم کہہ سکتے ہیں کہ شیعوں کا بانی فرعون ہے۔

فوربک لنحشرنھم والشیطین ثم لنحضرنھم حول جھنم جثیا ہ ثم لننزعن من کل شیعۃ ایھم اشد علی الرحمن عتیا ہ

(پارہ ۱۶ سورہ مریم رکوع ۵) سو قسم ہے آپ کے رب کی ہم ان کو (اس وقت) جمع کریں گے اور شیاطین کو بھی پھر ان کو دوزخ کے گردا گرد گھٹنوں کے بل گرا ہوا حاضر کریں گے پھر ضرور ہم گروہ میں سے ان کو الگ کریں گے جو خدا کے برخلاف زیادہ ہیکڑی کرنے والے تھے (ترجمہ مقبول)

اور اگر شیعہ کوئی مذہبی اصطلاح ہے تو پھر یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس آیت کے تحت قیامت میں ہر شیعہ کو جہنم میں ڈالدیا جائے گا؟ از روئے لغت لفظ شیعہ کا معنی گروہ یا پیرو کار کے ہیں اور قرآن مجید میں کہیں بھی کسی مذہبی نام کے طور پر لفظ شیعہ کا استعمال موجود نہیں ہے۔ لیکن شیعہ عموماً یہ پروپیگنڈا کرتے رہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام شیعہ تھے۔ اور قرآن میں ان کے شیعہ ہونے کا ذکر حسب ذیل آیت میں ہے۔

وان من شیعتہ لابراھیم (پ ۲۳ الصفٰت ع ۳) ترجمہ اور یقیناً ابراہیم بھی ان (یعنی حضرت نوح) ہی کے پیروؤں میں سے تھے۔" (ترجمہ مقبول)

کیا اس ترجمہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آیت میں لفظ شیعہ کسی مذہبی نام کے طور پر استعمال ہوا ہے جس کی بناء پر یہ کہا جائے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام شیعہ تھے۔

(ب) اگر بالفرض مذہبی نام کی حیثیت سے حضرت ابراہیم علیہ السلام شیعہ تھے تو پھر تو آپ کی ملّت کی پیروی کی بناء پر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی شیعہ ماننا چاہیئے۔ لیکن کیا

شیعہ انجمن۔ قرآن یا حدیث سے ثابت کر سکتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہو کہ میں شیعہ ہوں؟ اور کیا کوئی ثابت کر سکتا ہے کہ حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا ہو کہ میں شیعہ ہوں سائل پر لازم تھا کہ وہ پہلے حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی المرتضٰی کے بارے میں قرآن یا حدیث صحیح سے پیش کرتے کہ انھوں نے یہ فرمایا ہے کہ ہم شیعہ ہیں اور پھر اہل السنت والجماعت سے یہ مطالبہ کرتے کہ براہ مہربانی کتب صحاح ستہ میں کوئی ایسی روایت دکھائیے جس میں ابوبکر۔ عمر۔ عثمان میں سے کسی ایک نے یہ بھی کہا کہ میں سنی ہوں۔ یا میرا مذہب اہل السنۃ والجماعۃ ہے۔

(۶) اور شیعہ علماء اپنے مذہب کے ثبوت کے لئے جو یہ روایت پیش کرتے ہیں اور مولوی عبد الکریم مشتاق صاحب نے بھی یہی روایت پیش کی ہے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا علی انت وشیعتک ھم الفائزون (اے علی تو اور تیرے شیعہ جنتی ہیں) (میں شیعہ کیوں ہوا؟ صفحہ ۳) قطع نظر اس کے کہ یہ روایت عقائد کے ثبوت میں پیش کی جا سکتی ہے یا نہیں ہم کہتے ہیں کہ کیا کوئی شیعہ عالم و مجتہد علم و دیانت کی بناء پر کہہ سکتا ہے کہ اس روایت میں لفظ شیعہ کسی مذہبی اصطلاح کے طور پر استعمال ہوا ہے ہرگز نہیں بلکہ یہاں بھی لفظ شیعہ لغوی معنی میں استعمال ہوا ہے۔ یعنی اے علی آپ اور آپ کی پیروی کرنے والے آخرت میں کامیاب ہوں گے۔ اور اگر اس طرح کی روایت کو موجودہ شیعہ اپنے لئے جنت کا ٹکٹ سمجھتے

ہیں تو پھر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پیروکاروں کو جنتی تسلیم کرنا پڑے گا۔ چنانچہ فروع کافی جلد ثالث کتاب الروضہ صفحہ ۹۹ میں ہے۔ ینادی منادٍ الا ان فلان بن فلان و شیعتہ ہم الفائزون اوّل النہار و ینادی آخر النہار الا ان عثمان و شیعتہ ہم الفائزون : ایک پکارنے والا دن کے اوّل حصہ میں پکارتا ہے کہ فلاں بن فلاں اور اس کے پیروکار کامیاب ہونے والے ہیں (یعنی جنتی ہیں) اور دن کے آخری حصے میں پکارتا ہے کہ عثمان اور انکے پیروکار کامیاب ہونے والے ہیں۔ (یعنی جنتی ہیں)۔ کیا فروع کافی کی اس حدیث کی بنا پر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور آپ کے گروہ اور پیروکاروں کو جنتی مان لیں گے۔؟

(۷) مولوی عبدالکریم صاحب مشتاق نے اپنے رسالہ "میں شیعہ کیوں ہوا"؟ ص۱ پر لکھا ہے اور مذہب شیعہ امامیہ" ص۲ پر لکھا ہے مذہب شیعہ اثنا عشریہ اور ص۳ پر لکھا ہے مذہب شیعہ کے علاوہ کسی مذہب کا یہ دعویٰ نہیں ہے کہ وہ آل محمدؐ کا مذہب ہے اور ص۱۰ پر لکھا ہے سوائے مذہب اہل بیت کے اس عقیدہ کو کسی دوسرے مذہب نے اپنے اُصول دین میں جگہ نہیں دی۔

تو ہمارا سوال یہ ہے کہ کیا شیعہ علماء قرآن مجید سے مذہب شیعہ امامیہ، مذہب شیعہ اثنا عشریہ۔ مذہب آل محمدؐ اور مذہب اہل بیت کے الفاظ ثابت کر سکتے ہیں۔ اور کیا قرآن مجید سے آل محمدؐ کے الفاظ کا کہیں ثبوت مل سکتا ہے۔؟ ہرگز نہیں تو پھر آئے دن عوام شیعہ کو مطمئن کرنے اور عوام اہل سنت کو گمراہ کرنے کے لئے یہ کیوں

پروپیگنڈا کیا جاتا ہے کہ قرآن یا حدیث سے اہل سنّت اور اہل السنّت والجماعت کے الفاظ کا ثبوت نہیں ملتا علاوہ ازیں ماتم و سینہ کوبی کرنے والے اور خواص خلفاء کی محبت ترک نہ کرنے والے مجاہدین کو ماتمی کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے تو کیا ماتمی کا لفظ اور مخصوص الفاظ کا بھی ثبوت مل سکتا ہے۔

(۸) شیعہ احادیث سے ثابت ہے کہ اہل تشیع کا اصلی نام جو اللہ تعالیٰ نے تجویز فرمایا ہے وہ رافضی ہے۔ چنانچہ شیعہ مذہب کی سب سے زیادہ صحیح ترین کتاب حدیث فروع کافی کتاب الروضہ ص۱۶ میں ابوبصیر کی روایت میں ہے کہ انھوں نے امام جعفر صادقؒ کی خدمت میں یہ شکایت پیش کی کہ مخالفین ہم کو رافضی کے نام سے پکارتے ہیں جس سے ہم دل شکستہ ہو گئے ہیں تو امام جعفر صادقؒ نے ان کو تسلی دیتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا کہ لا واللہ ما ھم سموکم بل اللہ سماکم خدا کی قسم مخالفین نے نہیں بلکہ خدا نے تمہارا یہ نام یعنی رافضی رکھا ہے تو شیعہ علماء پر لازم ہے کہ قرآن سے اپنا نام رافضی ثابت کریں اور پھر ہم سے مطالبہ کریں کہ اہل سنّت کا نام قرآن سے ثابت کریں کوئی ہے روئے زمین پر ایسا شیعہ عالم و مجتہد جو رافضی کا نام قرآن سے ثابت کر سکے؟

اہل السنت والجماعت

اہل السنّت والجماعت سے مراد وہ مسلمان ہے جو سنّت رسول اور جماعت رسول اللہ علیہ وسلم کا ماننے والا ہے۔ بے شک اللہ کے دین کا نام اسلام ہے جسکی بنا پر اسلام پر ایمان لانے والوں کو مسلمان

اور اہل اسلام کہا جاتا ہے۔ اور شیعہ علماء بھی بوجہ دعویٰ اسلام کے اپنے کو مسلم مسلمان اور اہل اسلام کہتے ہوں گے اور اسلام پر عقیدہ رکھنے کی بناء پر اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں مسلم ہوں یا میں مسلمان ہوں یا میں اہل اسلام میں سے ہوں تو کیا کوئی صاحب عقل و ہوش انسان اس پر اعتراض کر سکتا ہے کہ تو قرآن میں مسلمان یا اہل اسلام کے الفاظ کا ثبوت پیش کر دے تو مسلمان ہے۔ اور تیرا دین اسلام برحق ہے ورنہ نہیں۔ اسی طرح ہم کہتے ہیں کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور حضور کی جماعت کا ثبوت موجود ہے تو اگر کوئی مسلمان سنت اور جماعت کو ماننے کی وجہ سے اپنے آپ کو سنی۔ اور اہل سنت یا اہل سنت والجماعت کہدے تو بالکل صحیح ہے اور علم و دیانت کی روشنی میں اس کو مطعون نہیں کیا جا سکتا اور یہاں بوجہ اختصار کے بجائے کتب اہلسنت والجماعت کے شیعوں کی مستند کتاب نہج البلاغہ سے سنت اور اس کی اتباع کے لازمی ہونے کا ثبوت حضرت علی المرتضٰے کے ارشادسے ثابت کیا جاتا ہے تاکہ شیعہ علما کے لئے انکار کی گنجائش باقی نہ رہے۔ قرآن مجید میں ہے یا ایہا الذین اٰمنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم؟ فان تنازعتم فی شی فردوہ الی اللہ والرسول ان کنتم تومنون باللہ والیوم الاخر (پارہ ۵ ۔ سورۃ النساء ۸)

شیعہ مفسر مولوی مقبول احمد دہلوی نے اس کا ترجمہ یہ لکھا ہے۔

"اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو۔ اور اس کے رسول اور والیان امر کی اطاعت کرو جو تم ہی میں سے ہیں۔ پھر اگر کسی معاملے

پس تم میں آپس میں جھگڑا ہو تو اسے اللہ اور اس کے رسول کی طرف پھیرو لیکن بشرطیکہ تم اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہو۔"

اس آیت کے تحت حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالےٰ عنہ ارشاد فرماتے ہیں فرد ہ الی اللہ ان نحکم بکتابہ ورد ہ الی الرسول ان ناخذ بسنتہ (نہج البلاغۃ مطبوعہ تہران ص۱۷۵) ترجمہ "پس اس نزاع کو اللہ کی طرف پھیرنے کا مطلب یہ ہے کہ ہم اس کی کتاب (قرآن) کے مطابق فیصلہ کریں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اس کو پھیرنے کا مطلب یہ ہے کہ ہم آپ کی سنت پر عمل کریں۔

تو جب حضرت علی المرتضیٰ نے قرآن کی مندرجہ آیت سے سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرنے کا حکم ثابت کیا ہے تو جن مسلمان کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی پیروی کے متعلق یہ عقیدہ ہے کہ وہ رضائے خداوندی حاصل کرنے کا ذریعہ ہے اور اطاعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی اطاعت خداوندی نصیب ہوتی ہے جیساکہ قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے۔ من یطع الرسول فقد اطاع اللہ (سورۃ النسا آیت ۸۵) یعنی جس نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی اس نے اللہ ہی کی اطاعت کی تو اس نسبت سے اگر وہ اپنے آپ کو اہل سنت کہے تو اس پر کوئی علمی اعتراض نہیں کیا جاسکتا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدسہ اور سنت جامعہ ہی وہ مستقل واسطہ اور ذریعہ ہے جس سے قرآن ملتا ہے۔ قرب الٰہی

کا مقام نصیب ہوتا ہے لہٰذا مسلمان کے لئے اعلیٰ اور اصل نسبت اہل
سُنّت ہونے کی نسبت ہی ہے یعنی مسلمانوں نے اس نسبت کے
ذریعہ اپنا رابطہ ایمانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی ذات پاک
کے ساتھ قائم کر لیا ہے۔ اور یہی ان کے اہل حق ہونے کی دلیل ہے۔
لیکن شیعہ فرقہ نے اہل سُنّت ہونے کو انکار کر کے اپنا ایمانی رابطہ
حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے منقطع کر لیا ہے اور ہم
اپنی امتیازی نسبت اہل سنت ہونے کو افضل والعلیٰ قرار دیتے
ہیں اور اس کے بعد دوسرے درجہ پر جماعت رسول صلی اللہ علیہ
وسلم کے ساتھ اپنی نسبت کا اقرار کرتے ہیں لیکن شیعہ سُنّت
رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت کا اقرار نہیں کرتے بلکہ اس کا انکار
کرتے ہیں۔ اور اہل حضرات کی نسبت پر اعتراض کرتے ہیں اور بجائے
اس کے وہ اپنی نسبت صرف حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ
ظاہر کرتے ہیں۔ کیونکہ شیعہ علیؓ یا شیعان علیؓ یعنی حضرت علی کا
گروہ یا ان کے پیرو کار بے شک ہم اہل سُنّت حضرت علی المرتضیٰ
کو اپنے درجہ پر برحق خلیفہ مانتے ہیں۔ جنتی مانتے ہیں۔ جامع الکمالات
تسلیم کرتے ہیں اور ان کی عظمت شان میں تنقیص والوں کو ایمان
کے لئے خطرہ قرار دیتے ہیں۔ حضرت علی کے دشمن کے ہم دشمن ہیں۔
ان کی محبت کو ہم جزو ایمان تسلیم کرتے ہیں لیکن نسبت علیؓ سے بہرحال
نسبت رسولؐ اور نسبت سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اولیٰ اور
برتر ہے۔ اگر شیعہ سُنّت رسولؐ کی نسبت کا کبھی اپنے امتیازی نام میں
اظہار کرتے اور پھر دوسرے درجہ میں حضرت علی المرتضیٰ کی نسبت کا اقرار

کرتے تو اور بات تھی لیکن اہل سنت ہونے کی نسبت کو اپنے امتیازی اور خصوصی نام میں بالکل ترک کر کے لفظوں میں ارشادات خداوندی من یطع الرسول فقد اطاع اللہ اور (۲) قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ (پارہ ۳ سورۃ آل عمران ع ۴) کو نظر انداز کر دیا ہے اس آیت ع۲ کا ترجمہ مولوی مقبول احمد دہلوی نے یہ کیا ہے۔ (اے رسول) کہہ دو اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میری پیروی کرو تاکہ اللہ تمہیں دوست رکھے" (ترجمہ مقبول) (۳) اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام فیض یافتہ اور جنتی جماعت کے ساتھ اپنی دینی نسبت کا اظہار کرتے ہیں جس میں حضرت علی المرتضیٰ سمیت چاروں خلفائے راشدین اور حضرت حسنؓ حضرت حسینؓ اور دوسرے تمام اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم شامل ہیں لہٰذا اہل السنت والجماعت وہ جامع نسبت ہے جس میں صرف شیعہ علیؓ کی نسبت سے بہرحال فوقیت و برتری پائی جاتی ہے۔ اور سنت کے بعد جماعت کے تذکرہ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ امام الانبیاء والمرسلین رحمت للعالمین خاتم النبیینؐ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض صحبت سے نہ صرف یہ کہ حضرت علی المرتضیٰ یا چند افراد کامل الایمان اور جنتی بنائے گئے ہیں۔ بلکہ ایک عظیم جماعت مومنین کو رضائے الٰہی کی اعلیٰ سندیں ملی ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن سے وابستہ ہو جانے والوں کو ایک امت بلکہ خیر امت سے خطاب فرمایا ہے چنانچہ قرآن مجید ہے: کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنہون عن المنکر (پارہ ۴ - سورۃ آل عمران ع ۱۲) مولوی مقبول احمد دہلوی شیعہ مفسر

نے اس آیت کا یہ ترجمہ لکھا ہے۔ جتنی امتیں ہدایت ہر دم کے لئے پیدا کی گئی ہیں ان میں تم سب سے بہتر ہو۔ نیکی کرنے کا حکم دیتے ہو۔ اور بدی سے منع کرتے ہو۔ اور اللہ پر ایمان لاتے ہو۔ (ترجمہ مقبول)

از روئے احادیث شیعہ سنّت و جماعت کی عظمت!

(۱) شیعوں کے شیخ ابن بابویہ قمی المعروف بہ شیخ صدوق مؤلف "من لا یحضرہ الفقیہ" اپنی کتاب جامع الاخبار میں لکھتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا اور فرمایا کہ لیس علیٰ من مات علی السنۃ الجماعۃ عذاب القبر ولا شدۃ یوم القیامت (جو شخص سنّت اور جماعت پر مرے گا اس پر عذاب قبر نہیں ہوگا اور نہ ہی اس پر قیامت کی سختی ہوگی۔

(۲) اسی کتاب میں ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ الا ومن مات علی حب آل محمد مات علی السنۃ والجماعۃ (صفحہ ۱۶۶) خبردار جو شخص حب آل محمد پر مرے گا وہ سنّت اور جماعت پر مرے گا۔

فرمایئے! شیعہ مذہب کی مستند کتاب کی حدیث میں تو یہ لکھا ہے کہ حب آل محمد پر جس شخص کی موت آتی ہے وہ گویا سنّت اور

جماعت پر ہی مرتا ہے۔ لیکن اس کے خلاف مولوی عبدالکریم مشتاق وغیرہ شیعہ علماء ایک مستقل مہم چلا رہے ہیں کہ اہل السنت والجماعت ہونا ہی صحیح نہیں ہے اور اہل السنت والجماعت العیاذ باللہ آل محمد سے دشمنی رکھتے ہیں۔

حضرت علی المرتضیٰ اور اہل سنت شیعہ مذہب کی مستند کتاب

کتاب احتجاج طبرسی میں ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ ایک دن جب بصرہ میں خطبہ دے رہے تھے تو ایک شخص نے آپ سے سوال کیا کہ یا امیر المومنین علیہ السلام اخبرنی من اھل الجماعۃ ومن اھل الفرقۃ ومن اھل البدعۃ ومن اھل السنۃ فقال ۔ ویحک اما اذا سالتنی فافھم عنی ولا علیک ان تسئل عنھا احداً بعدی ۔ اما اھل الجماعۃ فانا ومن اتبعنی وان قلوا وذالک الحق عن امر اللہ تعالیٰ وعن امر رسولہ واھل الفرقۃ المخالفون لی ولمن اتبعنی وان کثروا واما اھل السنۃ فالمتمسکون بما سنہ اللہ لھم ورسولہ وان قلوا اما اھل البدعۃ فالمخالفون لامر اللہ ولکتابہ ولرسولہ العاملون برائیھم واھواءھم وان کثروا ۔ (الاحتجاج الطبرسی جلد اوّل ص۲۴۶ مطبوعہ نجف اشرف)

اے امیر المومنین آپ مجھے بتائیں کہ اہل جماعت ۔ اہل فرقہ ۔ اہل بدعت اور اہل سنت کون ہیں ؟ تو آپ نے فرمایا ۔ تعجب ہے تجھ پر

ف یہ نہیں فرمایا جو مذہب اہلسنۃ والجماعۃ پہ مرتا ہے حب آل محمد میں مرتا ہے ۔ فوقیت آل محمد کو حاصل ہے ۔ !

اور جب تو نے مجھ سے یہ بات پوچھی ہے تو مجھ سے سمجھ لے اور اس کے بعد تجھ پر لازم نہیں ہے کہ میرے بعد یہ بات تو کسی اور سے دریافت کرے۔ لیکن اہل جماعت تو بس ہوں اور میرے پیروکار اگرچہ وہ کم ہوں اور یہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم کے تحت حق ہے اور اہل فرقہ وہ لوگ ہیں جو میری مخالفت کرنے والے ہیں ۔ اور میری اتباع کرنے والوں کے بھی مخالف ہیں ۔ اگرچہ وہ زیادہ ہوں لیکن اہل سُنّت وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالےٰ کے طریقے (حکم) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنّت (طریقے) کو مضبوطی سے پکڑنے والے ہیں ۔ جو ان کے لئے مقرر کیا گیا ہے ۔ اگرچہ وہ تھوڑے ہوں لیکن اہل بدعت وہ ہیں جو اللہ تعالےٰ اور اس کی کتاب (قرآن) اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم کے حکم کی مخالفت کرنے والے ہیں اور صرف اپنی رائے اور خواہشات پر عمل کرنے والے ہیں ۔ اگرچہ وہ زیادہ ہوں ۔

حضرت علی المرتضےٰ رضی اللہ تعالےٰ عنہ، کے اس ارشاد سے اہل سُنّت اور اہل جماعت کی مدح اور تعریف ثابت ہوتی ہے ۔ اور اہل بدعت اور اہل فرقہ کی مذمت واضح ہوتی ہے۔

(ب) اور اس سے یہ ثابت ہو گیا کہ اہل سُنّت اور اہل جماعت ہونا مذہبی اصطلاحیں ہیں جو مطلوب ہیں ۔

(ج) سائل کے سوال اور حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ، کے جواب سے بالکل اس امر کی وضاحت ہو جاتی ہے کہ اہل سُنّت وغیرہ کے نام اس زمانہ میں معروف و مشہور تھے ۔ اور اہل حق کے لئے اہل سُنّت اور اہل جماعت کی مذہبی اصطلاحیں استعمال کی جاتی تھیں۔

اور اس کے برعکس دورِ مرتضوی میں لفظ شیعہ بطور مذہب کے استعمال نہیں کیا جاتا تھا۔ ورنہ سائل شیعہ کے متعلق بھی سوال کرتا اور اگر اس نے کسی وجہ سے اس کو نظر انداز کر دیا تھا تو پھر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہٗ اپنی طرف سے مسلمانوں کے اس مجمع میں اعلان فرما دیتے کہ حق فرقہ شیعہ کا ہے۔ اور میں بھی مذہبًا شیعہ ہوں۔ اور میرے متبعین بھی لیکن حضرت خلیفہ برحق نے شیعہ مذہب کی طرف کوئی ادنیٰ سے ادنیٰ اشارہ بھی نہیں فرمایا۔ اور اس کے برعکس اہل سنت اور اور اہل جماعت کی پوری وضاحت سے حقانیت بیان فرما دی لیکن آج کے شیعہ تو اہل سُنّت و جماعت کے نام سے ہی عناد رکھتے ہیں۔ یہ اس بات کی بیّن دلیل ہے کہ دورِ حاضر کے شیعہ حضرت علی المرتضیٰ کے متبع نہیں بلکہ مخالف ہیں اور حضرت علیؓ کے محبین و متبعین اہل السنّت والجماعت ہیں جو سُنّت رسول اور جماعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی عظیم دینی اور ایمانی نسبتوں کے مبلغ اور محافظ ہیں اور اہل السنّت اور اہل الجماعۃ ہونے کو ہی حسب ارشاد مرتضویؓ اپنے لئے جنت اور رضائے الٰہی کے حصول کا ذریعہ تسلیم کرتے ہیں۔

امام حسینؓ اور اہل سنت

جب حضرت علی المرتضیٰؓ کے نزدیک اہلسنّت ہونا اہل حق ہونے کی نشانی ہے تو پھر آپ کے جگر پارے حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کیوں نہ اہل سُنّت ہوں گے۔ چنانچہ میدان کربلا میں نواسۂ رسول مقبول جگر گوشۂ بتول حضرت امام حسین رضی اللہ

لعابی عون نے اپنے طویل خطبہ میں مخالفین پر اتمام حجت کرتے ہوئے یہ بھی فرمایا تھا کہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لی ولاخی انتما سیدا شباب اھل الجنۃ وقرۃ عین اھل السنۃ (تاریخ کامل ابن اثیر جلد چہارم صہ ۶۲ مطبع بیروت)

ترجمہ:- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے اور میرے بھائی (حضرت حسنؑ) کے حق میں یہ فرمایا تھا کہ تم دونوں جوانان اہل جنت کے سردار ہو اور تم دونوں اہل سُنّت کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہو"

فرمائیے مولوی عبدالکریم مشتاق صاحب جیسے شیعہ مصنفین تو اہل سنت کے نام پر اپنے غیظ و غضب کا اظہار کرتے ہیں لیکن جن حضرات کا ماتم کر کے اپنی عبادت بناتے ہیں ان کو تو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل سُنّت کی آنکھوں کی ٹھنڈک قرار دیا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ نہ صرف دورِ حسینی میں بلکہ دورِ رسالت میں بھی اہل سُنّت ہونے کی اصطلاح رائج تھی۔

اہل السنّۃ والجماعت جنتی ہیں

(۱) حافظ ابن کثیر محدث سورۃ آل عمران رکوع ۱۱۔ کی آیت یوم تبیض وجوہ وتسود وجوہ (یعنی قیامت کے دن کہ بعض کے چہرے سفید (روشن) ہوں گے اور بعض کے چہرے سیاہ ہوں گے۔) کی تفسیر میں فرماتے ہیں یعنی یوم القیامۃ حین تبیض وجوہ اھل السنۃ والجماعۃ وتسود وجوہ اھل البدعۃ والفرقۃ قال ابن عباسؓ (تفسیر ابن کثیر)

یعنی حضرت عبداللہ بن عباس نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا کہ قیامت کے دن جن لوگوں کے چہرے سفید اور روشن ہوں گے وہ اہل السنّت والجماعت ہوں گے اور جن لوگوں کے چہرے سیاہ ہوں گے وہ اہل فرقہ اور اہل بدعت ہوں گے۔

یہاں بھی حضرت عبداللہ ابن عباسؓ نے ان ہی چار قسموں کا انجام ذکر فرمایا ہے۔ جن کے متعلق حضرت علی المرتضیٰؓ نے اپنے خطبہ میں ایک سائل کے جواب میں تشریح فرمادی تھی اور حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کا یہی ارشاد حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب محدث پانی پتی نے اپنی تفسیر مظہری میں اور علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے اپنی تفسیر دُرِّ منثور میں نقل کیا ہے۔

(۲) تفسیر دُرِّ منثور میں یہ بھی مذکور ہے: عن ابن عمر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی قولہ تعالیٰ۔ یوم تبیض وجوہ وتسود وجوہ قال تبیض وجوہ اھل السنۃ وتسود وجوہ اھل البدعۃ۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت یوم تبیض وجوہ وتسود وجوہ کے متعلق ارشاد فرمایا تھا کہ قیامت میں اہل سنت کے چہرے سفید (نورانی) ہوں گے اور اہل بدعت کے چہرے کالے سیاہ ہوں گے۔

حضرت علی المرتضےٰ۔ امام حسنؓ مجتبیٰ اور حضرت عبداللہ ابن عباسؓ بلکہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے جب اہل السنّت والجماعت کا جنتی ہونا ثابت ہو گیا اور حضرت علی المرتضےٰ نے اہل سنت کی تائید اور اہل بدعت کی تردید فرمادی اور اپنے دور کی مروجہ اصطلاحات

میں سے شیعہ کا مذہبی حیثیت سے اپنے بصرہ کے طویل خطبہ میں کسی قسم کا ذکر ہی نہیں فرمایا۔ تو اب کون اہل دین و عقل یہ کہنے کی جرات کر سکتا ہے کہ اصل مذہب شیعہ ہے۔ اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم شیعہ مذہب کے بانی ہیں اور حضرت علی المرتضیٰ اس کے مبلغ اور محافظ تھے اور گیارہ اماموں نے شیعیت کی ہی تعلیم دی ہے اور امام مہدی آخری امام شیعہ مذہب کے دفائن سمیٹ کر کسی غار میں چھپے ہوئے ہیں جب قرب قیامت میں لوگوں کے سامنے جلوہ فرما ہوں گے تو اصلی قرآن اور اصلی شیعیت سے امت مسلمہ کو روشناس کرائیں گے ظہور امام غائب سے پہلے پہلے جو چاہو کہہ دو اور جو چاہو کرو۔ امام کی غائبانہ سرپرستی میں سب کچھ مقبول ہے۔ ؎

کہ ہمیں مذہب وہمیں غائب کار مومن تمام خراب شد

سائل کا جواب الجواب

"مطلوب" کے مسئلہ کے مطابق مجھے کوئی ایسی روایت درکار ہے جو کتب صحاح ستہ (بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، ابن داؤد) میں سے کسی ایک صاحب سے مروی ہو۔ اور اس کے صحیح ہونے کی توثیق و تصدیق ہو جنہیں کسی صاحب نے یہ فرمایا ہو کہ "میں سنی ہوں" یا ہمارا مذہب اہل السنت والجماعت ہے۔

قاضی کے دل کی بھڑاس

قاضی جی نے میرے اس پہلے سوال کو سب سے آخر میں

حل فرمانے کی کوشش فرمائی دوسرے سوالات کی نسبت اسے طویل اور قائم علمی بحث۔ لیکن افسوس ہے کہ وہ میری مطلوبہ روایت تلاش کرنے میں ناکام رہے۔ اور ایک بھی ضعیف یا قوی روایت ایسی پیش نہ کر سکے جو مجھے درکار تھی۔ لہذا مجیب کا قاصر رہنا اس بات کا بین ثبوت ہے کہ ان کے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہیں ہے۔ البتہ حسب عادت جواب سوال دینے کے بجائے ایک لمبا چوڑا الزامی مضمون سپرد قلم کر کے لاجوابی پر دل کی بھڑاس نکالی۔ اور میری کتاب اصول دین سے ایک سو سوالات میں سے پہلے سوال کو نشانہ اعتراض بنایا حالانکہ اصول و قاعدہ کے خلاف یہ کوشش زیر بحث سوال سے غیر متعلقہ تھی اگر انہیں اس کتاب میں شائع شدہ سوالات پر کچھ اظہار خیال کرنا منظور تھا تو وہ الگ سے یہ طبع آزمائی کر سکتے تھے۔ لیکن جب نابینا کو راہ منزل نہیں ملتی تو وہ ادھر ادھر ہاتھ پیر مارتا ہے۔ بہر حال سوال تو اپنی جگہ پر لاجواب ہی ہے مگر مجیب کی الزامی بحث پر اپنی رائے کا اظہار کرتا ہوں۔

لفظی یا معنوی اختلاف نہیں

اوّل گذارش یہ ہے کہ سائل کو لفظ "اہل سنت والجماعت" سے نہ ہی کوئی اختلاف ہے اور نہ ہی اس کے معنوی تقدس سے انکار ہے۔ اگر میں نے سوالات کئے ہیں تو افہام و تفہیم کے جذبے کے تحت کیونکہ اعتراض ہے تو صرف یہ ہے کہ اصطلاح "اہل سنۃ والجماعت" مذہب اہل سنۃ کے مزعومہ مفہوم کے ماتحت نہیں ہے بلکہ تاریخی لحاظ سے یہ مقدس نام بطور لیبل اختیار کیا گیا ہے حالانکہ

سنّت و جماعت کے حقیقی پیرو کار ہم شیعہ ہیں۔ میں نے یہ دعویٰ کبھی نہیں کیا ہے کہ جس لفظ کا ثبوت قرآن مجید یا حدیث سے نہ مل سکے وہ حق نہیں ہے یہ غلط فہمی صرف ایک چالبازی کا حربہ ہے جب سائل اس کا مدعی ہی نہیں تو پھر بلا وجہ بات کو الجھانے سے کیا حاصل ہے۔ کیا مجیب میری کسی تحریر سے یہ بات ثابت کر سکتے ہیں کہ میں سنّت کی پیروی یا جماعت کے اتباع کا مخالف ہوں۔ بلکہ میں نے اپنی کتاب "فروع دین" میں جگہ جگہ اس شکایت کا اظہار کیا ہے کہ سنّی حضرات نام کے تو اہل سنّت والجماعت بنتے ہیں مگر حقیقت میں وہ ہر عمل و فعل میں مخالف سنّت ہیں۔ اور محض اچھا نام اختیار کر لینا کسی گروہ کے لئے حقانیت کی دلیل نہیں ہے۔

اگر معنوی لحاظ سے اچھے الفاظ کو پسند کر کے اپنے فرقہ کا نام رکھ لیا جائے تو باوجودیکہ نام اپنی جگہ پر صحیح ہوگا لیکن دین میں ایک نئی شئے کا اضافہ سمجھا جائے گا۔ مثلاً ہمارے دین کا نام اسلام ہے۔ لیکن اگر کوئی اس نام کو چھوڑ کر "دین الٰہی" نام رکھ لیتا ہے تو بلاشبہ نام میں کوئی قباحت نہ ہوگی مگر اصطلاح نص کے خلاف ہوگا۔ کیونکہ یہ نام "اسلام" اللہ کا پسندیدہ اسم دین ہے لہٰذا اس نام کے علاوہ کوئی دوسرا نام اختیار کرنا مداخلت فی الدین قرار پائے گا۔ اسی طرح اہل اسلام کو مسلمان کہا گیا اور جنت کی بشارت بھی دی گئی ہے لہٰذا کوئی شخص ایک جماعت بنا کر خود کو ممیز کرنے کے لئے اپنے گروہ کا نام "اہل جنۃ" رکھ لیتا ہے تو اس میں نام ہر اس لحاظ سے اعتراض نہ ہوگا کہ اس کے معنی و مفہوم ناقص یا مکروہ ہیں بلکہ

ایک نئی پارٹی کا اضافہ موجب تفرقہ بازی ہونے کی حیثیت سے قابل اعتراض ہوگا لہٰذا میرا مدعا یہ ہرگز نہیں ہے کہ اگر اہل سنت والجماعت کا مطلب یہ ہے کہ سنت رسول اور جماعت رسول کے مطیعین تو قابل اعتراض ہے۔ بلکہ میرا شکوہ صرف یہ ہے کہ اس اصطلاح سے ناجائز فائدہ اٹھا کر دین میں نئی جماعت دنیا ناصبیت پیدا کیا گیا ہے لہٰذا اسی تاریخی پس منظر میں ہم نے اصول دین میں پیش کردہ سوالات اس موضوع پر پوچھنے کی جرات کی تاکہ ان کے جوابات سے یہ حقیقت بزبان مخالف ثابت ہو جائے کہ زمانہ رسول مقبول میں اس نام کا کوئی گروہ وجود نہیں رکھتا تھا۔ بلکہ ایک صفاتی اصطلاح کو بے جا طور پر تعارفاتی اصطلاح بنا کر عوام الناس کو فریب میں پھانس لیا گیا جبکہ اس نئی جماعت کے تمام احکامات سنت محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے متعارض و غیر موافق ہیں۔ اور حقیقتاً سنت سے مراد آل محمد وحیین کی سیرتوں کا اتباع ہے۔ جو بعد از رسول محلاتی سازشوں سے برسر اقتدار آئے اور دین حق میں اپنی ذاتی صوابدید کے مطابق تغیر و تبدل کرتے رہے متفق بین الفریقین حکم رسول کہ "میں تم میں دو گرانقدر چیزیں چھوڑے جاتا ہوں۔ کتاب اللہ اور میری عترت میرے اہل بیت" کے مطابق حضور نے امت کو قرآن و اہل بیت کے حوالے کیا۔ لہٰذا سنت رسول کی پیروی کا اولین تقاضا یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد پر نیک نیتی سے عمل کیا جائے اور تمسک بالثقلین کے واضح حکم کی تعمیل کی جائے۔ جو گروہ جماعت اہل بیت اور سنت سے

مخالف ہو کر اہل سنت کا دعویٰ کرتا ہے وہ سفید جھوٹ بولتا ہے کیونکہ خود قاضی صاحب نے روایت نقل کی ہے کہ اہل سنت والجماعت وہی ہو سکتا ہے جو حب آل محمدؐ میں مرے۔ پس قول رسولؐ سے یہ گواہی مجیب ثابت ہوا ہے کہ جب تک حب اہل بیت رسولؐ نہ ہو اہل سنت والجماعت ہونے کا دعویٰ کرنا غلط ہے۔ اہل سنت یا اہل جماعت صرف وہی ہوگا جو محب آل محمدؐ ہوگا۔ پس محبت اہل بیت ہی واحد ایسی کسوٹی ہے جس پر حق و باطل کی پہچان ہو سکتی ہے۔ اور چونکہ نام نہاد اہل السنت والجماعت گروہ شروع ہی سے محض زبانی محبت کا دعویدار رہا ہے۔ اور حقیقت میں اہل بیت سے دور رہا ہے پس ان کا اہل سنت والجماعت ہونے کا دعویٰ حقیقت پر مبنی نہیں ہو سکتا چنانچہ علامہ وحیدالزمان مترجم و شارح صحاح ستہ اس کا اعتراف بڑے صاف الفاظ میں کرتے ہیں۔

علامہ وحیدالزمان کا اعتراف

"اور مقلدوں نے کیا کیا زبانی محبت اہلبیت کی لبہ ڈھینگ مارتے ہیں لیکن عملاً ذرا بھی اہلبیت کی طرف توجہ نہیں کی ان کی کتابوں میں جہاں دیکھو ابوحنیفہ اور شافعی اور ابو یوسف اور محمد بن حسن اور رہ کے اقوال بھرے پڑے ہیں میں نے آج تک کسی حنفی یا شافعی کو نہیں دیکھا جو صادق یا امام باقرؑ یا دیگر آئمہ اہل بیت کے اقوال تلاش کر کے ان پر چلے وہ ہر مسئلہ میں اپنے مجتہدین پر جان دیتے ہیں ـــ معاذ اللہ یہ کیا آفت مسلمانوں پر چھا گئی جن کی پیروی کا حکم تھا ان کو تو چھوڑ بیٹھے اور لفنوں کو

بنالیا۔" (الغدا اللغۃ ۲۷ بذیل حدیث ثقلین)

علامہ وحیدالزماں صاحب اسی کتاب میں لکھتے ہیں کہ "ان کے سُنّیوں نے عترت کو چھوڑ دیا کیونکہ امام حسنؑ و امام حسینؑ و امام زین العابدین امام محمد باقر و امام جعفر صادق و امام موسیٰ کاظم و امام علی رضا کے اقوال سے اپنی فقہ بناتے انھوں نے اپنی ساری کتابیں ابو حنیفہ و شافعی کے اقوال سے بھر دیں کبھی بھولے بھٹکے بھی کسی مسئلہ میں اہلبیت طہارت کا قول تلاش نہیں کرتے۔ یہ قیامت نہیں تو کیا ہے۔؟"

علامہ وحیدالزماں اہل سنت کے جیّد علماء میں تھے لیکن خدا نے ان کی زبان سے حق کا اجراء فرمایا۔ اب قاضی صاحب تعصب سے ہٹ کر عاقبت اندیشی کو سامنے رکھتے ہوئے انصاف کریں کہ کیا ایسا مذہب حق ہو سکتا ہے جس میں رسول برحق کے ارشاد کی خلاف ورزی ہو اور جس وسیلے کے پکڑنے کو رسولؐ نے فرمایا ہو اس سے تخلف کر کے اپنی الٹوں کو اپنا پیشوا بنالے۔ مذہب سُنیہ کے باطل ہونے کی یہی ایک دلیل کافی ہے۔ اب چاہے وہ اپنا لقب اہل سُنّت رکھیں یا اہل جماعت رکھیں یا اس سے بھی بڑھ کر اہل رسول و اہل اللہ بنجائیں لیکن محض نام کا انتخاب اُن کی حقانیت کا ثبوت نہ ہو گا۔

(ل) مجیب نے اپنے بیان کے حصہ اول میں اور دوم میں تحریر کیا ہے کہ قرآن مجید میں خدا نے ملائکہ رسل، فرشتوں اور کتابوں پر ایمان لانے کا حکم دیا ہے یا ذکر کیا ہے مگر امامت اور آئمہ پر ایمان لانے کا کوئی تذکرہ نہیں کیا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ عقیدہ

امامت پر قرآن میں کئی آیات ہیں اور ہماری طرف سے اس موضوع پر متعدد کتب تحریر کی گئی ہیں اور آیت تبلیغ اس سلسلہ میں لطور شاہد پیش کی جاتی ہے جسے ہم آئندہ نقل کر رہے ہیں لیکن صرف اتنا عرض کریں گے کہ کیا کوئی مسلمان قرآن مجید میں کسی جگہ یہ حکم دکھا سکتا ہے کہ "اللہ" کی توحید پر ایمان لاؤ"، اگر توحید پر ایمان لانے کا حکم بایں الفاظ نہیں ہے تو پھر تعجب ہے کہ امامت پر اعتراض کیا جا رہا ہے پہلے اپنی توحید تو دکھاؤ۔ پھر امامت کی بات کرو۔ قرآن میں تو امام کی اطاعت کا حکم بایں الفاظ واضح ہے کہ

"یا ایھا الذین امنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم"

کہ اے ایمان والو اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور صاحبان امر کی جو تم میں سے ہیں۔

اب قاضی صاحب اور اُن کے ہمنوا بتائیں کہ جب خدا نے "اولی الامر" کی اطاعت کا حکم اپنی کتاب مقدس میں واضح الفاظ میں جاری کیا ہے تو پھر امام کا انکار کرنا کتاب خدا کا نہ ماننا ہوگا کہ نہیں۔

۳۔ قرآن مجید میں ہے کہ۔ یوم ندعوا کل اناس بامامھم یعنی اس دن جب ہم زمانے کے لوگوں کو ان کے امام کے ساتھ بلائیں گے باری تعالے کے اس ارشاد سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ہر دور اور ہر زمانے اور ہر قرن میں کوئی نہ کوئی امام ضرور ہے۔ اگر "امام" پر ایمان لانا ضروری ہی نہیں ہے تو پھر امام کے ساتھ لوگوں کو بلانے کی کیا ضرورت ہے۔ پس شیعہ عقیدہ

امامت کا انکار کرنا درحقیقت کلام ربانی کی تکفیر ہے۔ خدا نے اس چھوٹے سے فقرے میں یہ مسئلہ خود حل کر دیا ہے کہ امام کا وجود ہر دور میں ضروری ہے۔ اور ہر نہ ماننے کے لوگوں کو ان کے امام کے ساتھ بلایا جائے گا۔ لہٰذا امام پر ایمان لانا ضروری قرار پایا۔

اب رہی یہ بات کہ آئمہ کے نام قرآن میں کیوں نہ نازل ہوئے تو یہ امر ضروری نہیں تھا جب کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء میں سے ایک سو نبیوں کے نام بھی قرآن میں نہیں ہیں خدا نے صفات بیان کر کے معیار امامت اور شرائط ولایت سے آگاہ کر دیا۔ رسول خدا کی موجودگی میں اطاعت اولی الامر کا حکم دے کر دائمی طور پر اُمت کو اولی الامر کی اطاعت کا پابند بنا دیا۔ اور اسی آیت کی تفسیر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام آئمہ کے نام اُمت پر ظاہر کر دیئے۔ اور میری کتاب "ہزار تمہاری دس ہماری" میں اعتراض ۲ کے جواب میں اس کا ثبوت پیش کر دیا گیا ہے اور سُنی کتابوں میں آیت تبلیغ یعنی اے رسول جو تیری طرف تیرے رب کی جانب سے اُتارا گیا ہے وہ پہنچا دے بقول معتبر مفسرین اہل سنت یہ آیت حضرت علی علیہ السلام کے حق میں اُتری چنانچہ تفسیر درمنثور جلد ۲ صفحہ ۲۹۸ میں ابن ابی حاتم و ابن عساکر و ابن مردویہ کے اسناد سے بروایت ابی سعید خدری اور باسناد ابن مردویہ ابن مسعود سے مروی ہے کہتے ہیں کہ ہم عہد رسول اللہ میں اس آیت کو اس طرح پڑھتے تھے "یا ایھا الرسول بلغ ما انزل

الیك من ربك ان علیا مولی المومنین "یعنی اے رسولؐ جو تیری طرف تیرے رب کی طرف سے اتارا گیا ہے وہ پہنچا دے یہ کہ تحقیق جناب علیؑ مومنین کے سردار ہیں۔ اور اسی طرح تفسیر مظہری صفحہ ۶۸ فتح البیان ج ۳ صفحہ ۹۸، تفسیر کبیر جلد ۳ صفحہ ۴۲۵ تفسیر نیشاپوری جلد ۲ اور تاریخ حبیب السیر وغیرہ میں ہے۔

اب یہ اعتراض نہ کیا جائے کہ قراءت ان علیا مولی المومنین شاذ ہے۔ اور اس سے استدلال نہیں ہو سکتا اس لئے کہ علامہ سیوطی کی اتقان میں ہے کہ قراءت شاذہ صحت و قوت تاویل و رجحان معنی تفسیری کا فائدہ ضرور دیتی ہے۔ دیکھئے اتقان جلد ۱ صفحہ ۸۲ مطبوعہ مصر۔

اب جبکہ ہم قرآن مجید میں امام و امامت کا ذکر بالصراحت موجود پاتے ہیں تو پھر اس عقیدہ سے انحراف کرنا در اصل خدا کے سچے کلام کو جھٹلانا ہے۔ واضح ہو کہ عہدہ خلافت و امامت اسقدر اہم ہے کہ خداوند کریم نے انسانوں کو فرش ارض پر بھیجنے سے قبل ہی اس کی اہمیت و ضرورت ظاہر فرما دی تھی۔ اور حضرت آدمؑ کو بلا تاج و تخت و لشکر و افواج کے عالم بالا میں اپنا خلیفہ بنا کر اس شبہ کا ازالہ کر دیا تھا کہ خلیفہ خدا کے پاس دنیوی اقتدار ہونا ضروری ہے البتہ علم لدنی کو معیار خلافت قرار دے کر خود خدا نے معترضین کا منہ بند کر دیا تھا خدا نے حضرت آدمؑ کو جب اپنا خلیفہ بنایا تو فرشتوں نے اعتراض کیا کہ ایسے کو خلیفہ بناتا ہے جو زمین پر خونریزی کرے گا یعنی خدا نے اپنی معصوم مخلوق کی زبانی یہ کہلوا کر لوگوں

کے نظریہ کو مردود قرار دیا بلکہ واضح کیا کہ خلیفہ حق وہ ہے جو خونریزی و فساد نہیں کرتا بلکہ صاحب علم ہوتا ہے۔ اسی لئے اللہ نے جواب دیا کہ میں آدمؑ کو اس کے علم کی وجہ سے یہ منصب دے رہا ہوں چنانچہ فرشتوں اور آدمؑ کا امتحان ہوا۔ آدمؑ پاس ہوئے۔ پس خدا نے اطاعت گزاری کے عہد کی خاطر ان کو جھکنے کا حکم دیا لیکن ملائکہ کے سردار خالص موحد ابلیس نے انکار کیا۔ اللہ نے اس کی عبادات اور ایمان بالتوحید کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے اپنے خلیفہ کی اطاعت کے انکار کرنے پر اسے مردود قرار دے دیا۔ پس یہ واقعہ ثابت کرتا ہے کہ خلیفہ خدا پر ایمان لانا اتنا ہی ضروری ہے جتنا خدا کی توحید پر۔ لہذا قاضی جی کا یہ فرمانا کہ امامت پر ایمان لانا واجب نہیں قطعاً غلط ہے۔ چنانچہ قاضی جی کے ایک پیشوا مولوی اسماعیل المشہور شہید نے اپنی کتاب "منصب امامت" میں صاف الفاظ میں لکھا ہے کہ روز قیامت ولایت و امامت علویہ کا سوال کیا جائے گا اب جب امام و خلیفہ پر ایمان لانا ضروری ہی نہیں ہے تو پھر غیر ضروری سوال کرنے کی کیا ضرورت ہوگی۔ صرف توحید و رسالت کا اقرار کر لینا مومن ہونے کی دلیل نہیں رہے کیونکہ منافق بھی یہ اقرار کرتے رہے اور حال ہی میں مرزائیوں کو باوجود اقرار توحید و رسالت کے کافر قرار دیا گیا ہے۔ لیکن اقوال پیغمبرؐ سے ثابت ہوتا ہے کہ منافق و مومن کی پہچان صرف ولایت علیؑ کی کسوٹی پر کی جا سکتی ہے اور اصحاب رسولؐ اسی معیار پر یہ شناخت کر لیا کرتے تھے۔ یہ ساری تفصیل میں نے "ہزار تمہاری دس ہماری"، اور "علی ولی اللہ"، میں

کی ہے نیز امامت اثنا عشریہ از روئے قرآن میں نے اپنی کتاب "اصول دین" میں ثابت کی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔

(۴) قاضی جی نے اپنے بیان کے چھٹے پیرہ میں کہا ہے کہ قرآن مجید میں بارہ اماموں کا نام نہیں پایا جاتا لہذا اگر اہل سنت یا اہل السنت والجماعت کے الفاظ قرآن مجید میں نہ موجود ہوں تو قابل اعتراض بات نہیں ہے۔

غیر معقول مطالبہ کا جواب

میرا جواب یہ ہے کہ دنیا کا قانون داں طبقہ اس طریقہ بیان پر متفق ہے اور یہی اسلوب تمام آئینی اور قانونی کتب کی تدوین میں رائج ہے کہ ریاست کے سربراہ کے اوصاف اہلیت و معیار تو درج ہوتے ہیں مگر کسی حکمراں کی نامزدگی نہیں کی جاتی ہے بلکہ مطلوبہ شرائط کا حامل فرد اس عہدہ کا اہل قرار دے دیا جاتا ہے۔ اب جبکہ قرآن کو عالمگیری قانونی کتاب کی حیثیت حاصل ہے لہذا اس میں بھی یہی طریقہ اختیار کیا گیا ہے کہ خلیفہ کی خصوصیات بیان کر دی گئی ہیں اب یہ امت کی ذمہ داری ہے کہ حقیقی طور پر متصف شخص کو خلیفہ تسلیم کرے۔

ہمارے نزدیک کسی لفظ کا قرآن میں موجود نہ ہونا قابل اعتراض بات نہیں ہے لہذا ہمیں محض اہل سنت یا اہل السنت والجماعت کے نام کی قرآن میں عدم موجودگی پر کوئی اعتراض نہیں بلکہ اس نام کی پارٹی کے معرض وجود میں آنے کے اسباب و علل اور پس منظر پر اعتراضات ہیں کیونکہ جب یہ جماعت

متعارف ہوئی تو اس نے قرآن مجید میں موجود لقب کو ناپسند کر کے اپنے لئے نیا نام تجویز کیا۔ اب اس کا نام چاہے کیسا ہی دلکش ہو پھر بھی وہ قرآنی نام کے مدمقابل آنے کی صلاحیت سے محروم ہوگا۔ شیعہ کہ اہل سُنّت یا اہل السُّنّت والجماعت کے نام پر قرآنی اعتبار سے فوقیت حاصل رہے گی۔ کیونکہ وجود بہر حال عدم سے بہتر ہوتا ہے۔

دین اسلام خدا کا پسندیدہ ہے

دُنیا میں جس قدر بھی ادیان و مذاہب رائج ہو چکے ہیں ان سب میں دین اسلام کو طرۂ امتیاز حاصل ہے کہ یہ خدا کا پسندیدہ دین ہے اور اسلام کے علاوہ کوئی دوسرا دین خدا کے نزدیک قابل قبول نہ ہوگا۔ اسلام کے معنی ایسی فرمانبرداری۔ اطاعت شعاری اور حکم کی تعمیل کے ہیں جس میں دعویدار اسلام اپنے آپ کو کلی طور پر اپنے مطاع و مولا کی رضا و خوشنودی کے لئے وقف کر دے اور شریعت اسلامیہ وہ دستور ضابطہ حیات رہا ہے جو بنی نوع انسان کی فلاح و بہبود کے لئے بذریعہ وحی خالق کائنات نے اپنے امین بندہ و رسول کی معرفت بھیجا اور اس میں کسی بھی فرد کو چون و چرا کی گنجائش حاصل نہیں ہے۔ بلکہ بلا عذر اور بغیر حیل و حجت تسلیم خم کرنا لازمی ہے۔ حضرت آدمؑ سے لے کر حضرت خاتمؐ تک تمام انبیاءؑ اسی دین فطرت کی دعوت نوع انسانی کو دیتے رہے۔ چنانچہ قرآن پاک میں ہے کہ

تفرقہ بازی مذموم ہے

اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے دین

کا وہی راستہ مقرر کیا ہے جس پر چلنے کا نوحؑ کو حکم دیا تھا۔ اور اے رسولؐ اسی (شرع دین) کی وحی ہم نے تمہارے پاس بھیجی ہے اور اسی کا ابراہیمؑ، موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو بھی حکم دیا تھا اور وہ یہ ہے کہ دین کو قائم رکھنا اور تفرقہ بازی نہ ہونے دینا" (۱۳/۴۲)

ہر مسلمان شیعہ ہو سکتا ہے

اس آیہ دائی ہدایہ سے معلوم ہوا کہ "فرقہ بندی اور تفرقہ بازی" سے اجتناب کرنا ابتدا سے حقیقی دین اسلام کا جزو رہا ہے اور یہ چیز نگاہِ قدرت میں معیوب ہے۔ علیٰ ھذا جب اسلام میں کوئی نیا فرقہ بنے گا تو اس کا نام چاہے کیسا ہی خوبصورت کیوں نہ ہو اللہ کے نزدیک ناپسندیدہ ہی ہوگا۔ لیکن "شیعہ" شروع ہی سے راضی اور خدا کا پسندیدہ لقب ہے۔ اور مسلمان کا شیعہ کہلوانا اللہ کے نزدیک معیوب نہیں ہے بلکہ مقبول ہے۔ چنانچہ قرآن الحکیم کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے خداوند عالم نے تمام انبیاء اور ان کے متبعین کو کتب سابقہ اور قرآن میں "مسلم"، کے نام سے سرفراز فرمایا ہے جیسا کہ سورۂ حج کے آخری رکوع میں ہے کہ ھو سمٰکم المسلمین من قبل وفی ھٰذا، یعنی خدا نے قرآن میں اور اس سے پہلے نازل شدہ کتب میں دین کے پیروکاروں کا نام مسلمین رکھا۔ اسیطرح حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ کی تعمیر کعبہ کے وقت کی دعا میں انھوں نے التجا کی کہ پالنے والے ہم دونوں کو اپنا مسلمان بنالے اور ہماری اولاد میں بھی ایک امت مسلمہ قرار دے حضرت خلیل علیہ السلام کی یہ دعا مستجاب ہوئی اور اللہ نے اعلان کیا کہ "ابراہیمؑ یہودی

یا نصرانی نہ تھے بلکہ وہ ایسے مسلمان تھے جو تمام ادیان باطلہ سے لاتعلق تھے پھر ایسے سچے مسلمان کے لئے خدا نے کہا ہے کہ "وان من شیعتہ لابراھیم" یعنی بالتحقیق ابراہیمؑ نوحؑ کے شیعوں میں سے تھے۔

شیعہ کے معنی

لفظ "شیعہ" شاع سے مشتق ہے۔ شاع کے معنی ہیں پیچھے چلنا۔ چنانچہ ہم کہتے ہیں شاعہ یعنی وہ اس کے پیچھے پیچھے چلا اس لحاظ سے "شیعتہ الرجل" ان لوگوں کو کہتے ہیں جو کسی کے پیچھے چلیں کسی کے طریق پہ گامزن ہوں۔ کسی کی پیروی کریں چنانچہ اہل السنۃ کے مشہور امام بیضاوی اس آیہ کی تفسیر میں لفظ شیعہ کی تفسیر میں کیا ہے کہ "من شایعہ فی الایمان واصول الشرع یعنی (بیضاوی جلد ۲ ص ۲۳۲ مطبوعہ مصر) پس آیت کے معنی اس طرح ہوئے کہ حضرت ابراہیم ایمان اور اصول شریعت میں حضرت نوحؑ کے طریق پہ چلتے تھے لہذا ثابت ہوا کہ "مسلم" اور "شیعہ" مترادف اور ہم معنی الفاظ ہیں لیکن ان کے استعمال میں تھوڑا فرق ہے کہ لفظ مسلم کی اضافت و نسبت قرآن پاک میں صرف ذات خداوندی کی طرف پائی جاتی ہے۔ غیر خدا کی طرف نہیں۔ یعنی ہم نہیں کہہ سکتے کہ فلاں شخص مسلم رسولؐ یا مسلم علیؑ۔ یا مسلم ابوبکر ہے۔ بلکہ کہیں گے کہ فلاں شخص اللہ کا مسلم ہے۔ اس کے برعکس لفظ "شیعہ" کے معنی میں اتباع اور نقش قدم پہ چلنے کا مفہوم نمایاں ہے اس لئے اس کی اضافت اور نسبت اللہ تعالے کی طرف نہیں ہوتی کیونکہ وہ ذات سبحان مادیت و جسمانیت سے مبرا و منزہ ہے اور اس کا

اتباع بایں معنی ممکن الوقوع نہیں۔ اسی لئے اس ذات نے اپنے اتباع کی بجائے اپنے رسول کے اتباع کو اپنی محبت کا معیار قرار دیا۔ اور میں اپنے رسالہ "تصدیق لفظ شیعہ" میں اس موضوع پر تفصیل سے روشنی ڈال چکا ہوں۔ المختصر "اہل سُنّت" یا "اہل السنت والجماعت" کے الفاظ کو خدا کا اپنے کلام پاک میں جگہ نہ دینا اور "شیعہ" کا اپنے اولالعزم انبیاء کے لئے استعمال کرنا اس بات کی ناطق دلیل ہے کہ "شیعہ" کے لقب کو "اہل سُنّت" یا "اہل السنت والجماعت" پر فوقیت حاصل ہے اور چونکہ سُنّی القاب کو اختیار کرکے ملّت میں فرقہ بندی کی گئی ہے لہٰذا اس لحاظ سے مسجد ضرار کی طرح ناگوار خدا و رسول ہیں یہ القاب بے وقعت و ناپسندیدہ ہیں اور یہی بات سائل کے لئے باعث اعتراض ہے۔

(۵) قاضی جی نے اپنے پانچویں سلسلہ بیان میں سورۂ قصص کی آیت میں مستعمل لفظ "شیعا" پر اعتراض کیا ہے اور کہا ہے یہ لفظ اکثر مذموم معنی میں پایا جاتا ہے۔ اگر شیعہ کوئی مذہبی اصطلاح ہے جیسا کہ شیعہ علماء دعویٰ کرتے ہیں تو پھر ہم کہہ سکتے ہیں شیعوں کا بانی فرعون ہے۔

شیعوں کا بانی فرعون نہیں نوحؑ ہیں

میں کہتا ہوں کہ اگر کوئی لفظ مذموم معنوں میں استعمال ہو جائے تو اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہوتا کہ وہ ہر مقام پر ویسے ہی معنی میں سمجھا جائے اگر اس طریقہ پر تحقیق کی جائے گی تو کوئی ایک لفظ بھی اس زد سے محفوظ نہ

رہے گا مثلاً حدیث کا لفظ کفارہ کی فضولیات کے لئے آیا ہے۔ الہ غیر خدا
معبودوں کے لئے استعمال ہوا ہے۔ نمازیوں (مصلین) کو برے
معنوں میں لیا گیا ہے علیٰ ھٰذا القیاس میں نے رسالہ "لقبِ لفظ
شیعہ" میں کافی مثالیں لکھ دی ہیں۔ اب ایسا اعتراض خدا پر
کریں کہ اس نے اپنے خلیلؑ کے لئے مذموم لفظ کیوں استعمال کیا
یہ بات تو ظاہر ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام فرعون سے بہت پہلے
گزرے ہیں اور ان کو نوحؑ کا شیعہ کہا گیا ہے۔ لہٰذا شیعوں کا
بانی فرعون کہنا جہالت کی بدترین مثال ہوگی۔ نیز یہ کہ فرعون نے
اپنے باشندوں کو گروہوں میں تقسیم کر دیا تھا اور ان ہی گروہوں
میں سے ایک گروہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے شیعوں کا تھا جو
کہ حق پر تھا اور قاضی صاحب نے اگلی آیتیں وسورۂ مریم کی نقل
کی ہیں ان میں بھی ہے کہ ہر گروہ میں سے ان لوگوں کو الگ کریں گے
جو خدا کے برخلاف سرکش رہے۔ اس آیت میں بڑی عمدہ بات
ظاہر ہوتی ہے یعنی ارشاد ہے۔

صرف شیعہ ناجی ہیں

"سو قسم ہے آپ کے رب کی ہم ان کو (اس وقت) جمع کریں گے اور شیاطین
کو بھی پھر ان کو دوزخ کے گرداگرد گھٹنوں کے بل گرا ہوا حاضر کریں
گے"۔ پھر آیت ہے کہ

ثم لننزعن من کل شیعۃ ایھم اشد علی الرحمٰن عتیا ہ

"پھر ہم کل شیعوں میں سے اُن کو الگ کریں گے جو خدا کے برخلاف
زیادہ ہیکڑی کرنے والے تھے۔

بائیں ہوں گے۔" (صواعق محرقہ ص۹۶)

شفاعت شیعوں کیلئے ہے

دوسری روایت میں ہے کہ "ہماری شفاعت اپنی اُمت کے ان لوگوں کے لئے ہے جو تیرے اہل بیت سے محبت رکھتے ہیں اور وہی ہمارے شیعہ ہیں۔" (کنز العمال جلد ششم ص۲۱۱)

سلام شیعوں پر از غوث الاعظم

حسنی غوث الاعظم حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی اپنی کتاب "کبریت احمر" میں رقمطراز ہیں کہ "یا اللہ صلوٰۃ و سلام بھیج محمدؐ و آل محمدؐ پر تا اینکہ کہا کہ سلام بھیج تا بعد ازاں اور شیعان محمدؐ پر۔"

اسی طرح دارقطنی نے مرفوعاً حدیث روایت کی ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا اے علیؑ تو اور تیرے اصحاب اور تیرے شیعہ بہشت میں ہوں گے۔" (کنز العمال جلد ۱ ص۵۷)

پس جب خاتم النبیینؐ اور سیدالاوصیاؑ دونوں سے شیعہ کا ناجی ہونا منقول ہے تو پھر ہمیں حق حاصل ہے کہ ہم صحاح کتب اہلسنت میں کسی ایسی روایت کی زیارت کرنے کا مطالبہ کریں جس میں اُن کے خلفاء نے خود سُنی، اہل سُنت یا اہل السنتؐ والجماعت کے مذہب سے اپنی وابستگی کا اظہار کیا ہو۔ اگر ایسا نہیں ہے تو پھر ہم پورے بھروسے اور جرات کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ زمانہ رسولؐ میں اس نام کا کوئی گروہ موجود نہیں تھا۔ بلکہ ایک صفاتی نام کو منتخب کر کے خدا و رسولؐ کے پسندیدہ نام کو چھوڑ کر نئی جماعت روشناس کرائی گئی اور امت

حمیدہ میں تفریق پیدا کی گئی حالانکہ یہ مخصوص صفت بھی در اصل شیعہ ہی کی ہے۔

سُنّی بھی شیعہ بنتے رہے ہیں

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی جیسے علماء اہل سنت اپنے تجربہ کردہ اس نام کو دورِ نبوت میں ثابت کرنے سے عاجز رہا ہے اور باوجود شیعہ دشمنی کے لاچار ہو کر بڑے پیٹ پیٹ کر کہتے رہے ہیں کہ اصلی شیعہ ہم ہیں۔ قاضی صاحب کے مرشد تو خود کو شیعہ کہتے رہے ہیں مگر انھوں نے شیعوں کا بانی فرعون کو ٹھہرا کر اپنے ہی بزرگوں کو فرعونی قرار دے دیا۔ چنانچہ شاہ صاحب موصوف اپنی کتاب تحفہ اثنا عشریہ، میں بار بار اس بات پر زور دیتے ہیں کہ شیعہ اولیٰ ہم (سنی) ہیں میں نے یہ عبارتیں اپنی کتاب "چودہ مسئلے"، اور تحقیق لفظ شیعہ میں نقل کی ہوئی ہیں۔ دیکھ لیں۔

شیعہ کے لغوی و اصطلاحی معنی ایک ہی ہیں

قاضی صاحب نے اپنے چھٹے پیراگراف میں میری اصول دین میں نقل کردہ اس سنی روایت کہ "اے علی تو اور تیرے شیعہ جنتی ہیں" کے بارے میں دریافت کیا ہے کہ کیا کوئی شیعہ عالم و مجتہد علم و دیانت کی بنا پر یہ کہہ سکتا ہے کہ اس روایت میں لفظ شیعہ کسی مذہبی اصطلاح کے طور پر استعمال ہوا ہے ہرگز نہیں بلکہ یہاں بھی لغوی معنی میں استعمال ہوا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ میرے نزدیک اس مقام پر لغوی معنوں اور اصطلاحی معنی بھی اس لفظ کے ہی ہیں۔ جب دونوں مترادف ہیں تو بحکم علم و دیانت

کا واسطہ دیکر لٹو سے ہانے کی کیا ضرورت ہے۔ الحمد للہ جنت کا ٹکٹ
تو قرآن و حدیث کی رو سے شیعوں کو حاصل ہے اور رہی شیعان
عثمان کے بارے میں کتاب الروضہ کی روایت تو اس کا جواب ہم پہلے
ہی اپنی کتاب "سو سنار کی ایک لوہار کی" میں دے چکے ہیں لہذا بار
دیگر اسی کو لکھتے ہیں۔ اور مجیب کو متوجہ کرتے ہیں کہ "کتاب ہزار
تمہاری دنش ہماری" میں اعتراضات ۳۲ سے ۳۸ تک کے
جوابات میں اس مسئلہ کی بالتفصیل وضاحت کردی ہے۔ اگر مجیب
جواب چھپوانے سے قبل اصل کتاب کا مطالعہ فرما لیتے تو بے کار محنت
اسراف اوقات سے بچ جاتے۔

مجیب کی منقولہ عبارت نا مکمل ہے۔ اور نقل بھی بمطابق اصل
نہیں ہے۔ بلکہ عبارت کو محرّف بنایا گیا ہے کتاب الروضہ میں یہ روایت
علامات قیامت کے سلسلے میں ہے اور یہ پیش گوئی ظاہر کرتی ہے کہ
ظہور امام مہدی کے قریب دن کے پہلے حصّے میں آسمان میں ایک ندا
کرنے والا آواز دے گا کہ بے شک علی علیہ السلام اور اُن کے شیعہ
کامران ہیں لیکن دن کے آخری حصے میں کوئی منادی یہ ندا کرے گا
کہ عثمان اور اس کے شیعہ کامیاب ہیں۔ اصل روایت اس طرح ہے

محمد بن یحییٰ عن احمد بن محمد عن ابن فضال عن ابی
جمیلۃ عن محمد بن علی الحلبی قال سمعت ابا عبد اللہ علیہ السلام
یقول اختلاف بنی العباس من المحتوم وخروج القائم من المحتوم
قلت وکیف الندا؟ قال
ینادی مناد من السماء اول النہار الا ان علیا

علیہ السلام وشیعتہ ھم الفائزون قال وینا دی مناد اخر النھار الا ان عثمان وشیعتہ ھم الفائزون عدۃ من اصحابنا۔"

کتاب الروضہ کی روایت کا جواب

اب قارئین کرام قاضی صاحب کی منقولہ عبارت کو اصل اقتباس سے ملا کر خود فیصلہ کر سکتے ہیں کہ انھوں نے کس مکر سے روایت کو بیش کیا ہے اس روایت پر غور کیا جائے تو معلوم ہو جاتا ہے کہ حضرت علی اور ان کے شیعوں کی کامیابی کا اعلان آسمان میں دن کے ابتدائی حصہ میں منجانب خدا ہوگا لیکن لوگوں کو دھوکہ دینے کی خاطر حامیان عثمان دن کے آخری حصے میں ایسی ہی ندا کروائیں گے۔ یا لوگوں کو گمراہ کرنے کے لئے شیطان یہ آواز دے گا۔ قابل توجہ امر یہ ہے کہ حضرت علیؑ کی حمایت میں ندا آسمان سے آئے گی۔ اور ظاہر ہے کہ یہ منادی اللہ کی طرف سے ہوگی۔ مگر حضرت عثمان کے بارے میں ایسی بات موجود نہیں ہے ہاں اگر عثمان کے بارے میں بھی خدا، فرشتہ یا حجت خدا کا ذکر ہوتا تو ان کے لئے مفید ہو سکتا تھا۔ اب جبکہ روایت کے لفظی اعتبار سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت عثمان اور ان کی باری والی ندا منجانب خدا نہ ہوگی بلکہ محض دھوکہ دہی کی خاطر خود ایسی منادی کرادی جائے گی تو پھر اس کا فائدہ عثمان و شیعان عثمان کے لئے ہرگز نہیں ہوگا۔ پس آواز شیطانی ہوگی جو کامیابی کی دلیل نہیں ہے۔

قیامت کی حتمی علامات میں جو امام مہدی کے ظہور کے موقع پر ظاہر ہوں گی ایک یہ بھی ہے کہ ایک مرد منحوس از اولاد ابو سفیان بن حرب

جس کا نام عثمان ہوگا خروج کرے گا اور بتایا گیا ہے کہ یہ شخص آٹھ ماہ تک صاحب اقتدار رہے گا۔ ممکن ہے ایسی منادی اس مردود عثمان کے بارے میں ہو۔ واللہ اعلم۔

المختصر اس بات سے حضرت عثمان بن عفان کا قطعی کوئی تعلق نہیں ہے۔

وعدہ کامرانی شیعہ علی کیلئے ہے

پھر روایت کے آخری الفاظ "عدوہ من اصحابنا" سے یہ فیصلہ ہو جاتا ہے کہ وعدہ (کامرانی) ہمارے اصحاب کے لئے ہے پس جب وعدۂ فائز المرامی اصحاب آل محمد علیہم السلام سے مخصوص ہے تو ان کے غیر کا اخراج خود بخود ثابت ہو جاتا ہے۔ لہٰذا یہ روایت ہرگز ہرگز حضرت عثمان اور ان کے گروہ و پیروکاروں کو جنتی یا کامیاب نہیں ثابت کرتی ہے۔

گروہ عثمانی دجال کا حامی ہے

علاوہ ازیں کتب اہل سنتہ میں ایسی روایات بکثرت دستیاب ہیں کہ حضرت علی اور ان کے شیعہ کامیاب ہوں گے لیکن اس کے برعکس صحنی کتابوں ہی میں یہ ہے کہ گروہ عثمان دجال کا حامی و مددگار ہوگا۔ چنانچہ رازدار رسول حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ آنحضرت کا ارشاد بیان کرتے ہیں کہ

عن حذیفہ قال رسول اللہ صلعم اذا خرج الدجال تبعہ من کان یحب عثمان"

(میزان الاعتدال علامہ ذہبی بحوالہ آلایات ۳ صفحہ ۱۶۹۵)

یعنی حضرت حذیفہؓ سے مروی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا جب دجّال خروج کرے گا تو اس کے ساتھی حضرت عثمان کے متبعین و مطیعین ہوں ہوں گے یعنی شیعان عثمان ہوں گے۔ پس شیعہ علیؑ اور شیعہ عثمان کا فرق بقول رسولؐ بشہادت راز دار پیغمبرؐ صحابی جناب حذیفہ بذریعہ امام اہلسنت ذہبی واضح ہو گیا کہ علیؑ کا گروہ فائزون کا ہوگا اور عثمان کا گروہ دجال کا ہوگا۔ فافہم۔

قاضی صاحب نے اپنے بیان کی شق ۲ میں راقم حقیر پر الزامی سوالات کی بوچھاڑ کی ہے اور پوچھا ہے کہ مذہب شیعہ امامیہ۔ مذہب شیعہ اثنا عشریہ۔ مذہب آل محمدؐ اور مذہب اہل بیت کے الفاظ ثابت کریں۔ حدیث صحیح سے مذہب شیعہ امامیہ اور مذہب اثنا عشریہ کی اصطلاحوں کا ثبوت دو اور آل محمد کے الفاظ قرآن سے بتاؤ۔

مجیب کی طفلانہ لڑائی

قاضی جی نے جس طرح سوالات کا جوابات لکھتے ہوئے بچگانہ ترکیب اختیار کر کے تسلسل کا لحاظ نہیں کیا اسی طرح جوابات میں بھی بچوں کی طرح لڑائی کر رہے ہیں کہ کل تم نے جو میری دوات میں اپنے قلم کو ڈبویا تھا وہ نکالو۔ مجھے مارا ہے میرے ماموں کو مار کر دکھاؤ۔ جان برادر کیا یہ انداز دین کی تحقیق کرتے ہوئے اپنایا جا سکتا ہے۔ میں ان بچگانہ بلکہ احمقانہ سوالات کا جواب اس وقت دوں گا۔ جب آپ مجھے سب سے پہلے میرے سوالوں کا جواب دیں گے کیونکہ سائل پہلے میں ہوں یا تو خوش دلی اور جرأت سے اقرار کر لیں کہ آپ کے پاس ان سوالوں کا تسلی بخش جواب نہیں اور پھر اپنے سوالات کریں۔ ورنہ لوگوں کو بدھو

بنانے سے کیا حاصل ہوگا۔ اپنی عاقبت بھی بگڑے گی اور دوسروں کو بھی گمراہی میں دھکیلنے کا بوجھ دائمی طور پر کمر پر رہیگا۔

کیا قاضی جی یا ان کا کوئی حامی قرآن سے "پروردگار"، "پیغمبر خدا"، "نماز"، "روزہ"، "مذہب"، "دیوبندی"، وغیرہ کے الفاظ دکھا سکے گا۔ یا ان کی عدم موجودگی کی صورت میں ان الفاظ کے معنی و مفہوم کا انکار کر سکے گا۔

میں نے پیچھے عرض کیا ہے کہ مجھے "سنی"، "اہل سنت" اور "اہل السنت والجماعت" کے الفاظ سے بلحاظ الفاظ کوئی اعتراض نہیں ہے بلکہ مجھے اس نام کو بطور لیبل استعمال کرنے والی جماعت کے مسلک پر اعتراض ہے کیونکہ یہ اچھا لقب بدنیتی پر مبنی ملوکیت کی سیاسی چال کے طور پر بعد از رسول اپنا لیا گیا۔ جب کہ اس سے پہلے کسی زمانہ میں اس نام کا کوئی فرقہ ملت مسلمہ میں نہ تھا۔ یہ حرکت ویسی ہی ہے جیسی ملک میں بائیں بازو والی پارٹیاں سوشلزم اور اشتراکیت کے ساتھ لفظ "اسلامی" استعمال کرتی ہیں۔ اور مقصد صرف اسلام کے نام سے دھوکہ دینا ہوتا ہے۔ اور حقیقت میں تمام تر لادینیت پر ہوتا ہے ایسی سازش کو بے نقاب کرنے کے لئے ہم خبردار کرتے ہیں کہ شیعہ کا لقب ٹھیک ہے۔ قرآن و حدیث سے اس کے متعدد اثبات ملتے ہیں لیکن اہل سنت نے خدا اور رسولؐ کا یہ پسندیدہ لقب ترک کر کے خود اپنی مرضی سے اپنی الگ جماعت بنا کر تفرقہ بازی کی اور بدعت جاری کی۔ حالانکہ پہلے سب شیعہ تھے۔ چنانچہ شاہ عبدالعزیز یہ اقرار کرتے ہیں کہ

شاہ عبدالعزیز کا بیان

جاننا چاہیے کہ شیعہ اولیٰ فرقہ سنیہ اور تفضیلیہ کا نام ہے پہلے زمانے میں یہ لوگ بھی شیعہ لقب سے ملقب تھے۔ لیکن جب غالیوں، رافضیوں، زیدیوں اور اسماعیلیوں نے اس لقب سے اپنے کو ملقب کیا تو الحاد کی اور عملی برائیوں کے مرتکب ہونے لگے تو التباس باطل کے خوف سے فرقہ سنیہ اور تفضیلیہ نے اپنے آپ پر اس لقب کو پسند نہ کیا اور اپنا لقب اہلسنت والجماعت رکھ لیا۔ (تحفۂ اثنا عشریہ صفحہ ۹)

سُنّی خاتم المحدثین کے بیان سے ثابت ہوا کہ دراصل اہل سُنّت بھی پہلے شیعہ ہی کہلاتے تھے لیکن بعد میں انھوں نے یہ نام اپنی مرضی سے تبدیل کر لیا۔ اب رہی یہ بات کہ کچھ لوگوں نے اس لقب کو اختیار کر کے اعتقادی اور عملی برائیوں کا ارتکاب کیا۔ لہٰذا التباس باطل کے خوف سے نام بدلنا ضروری ہو گیا تو یہ توضیح بالکل کمزور ہے۔ اس طرح تو پھر دین کی کوئی شے محفوظ نہیں رہے گی جس کو ترک نہ کیا جائے۔ اور اس پر مکمل بحث میں نے "جھوٹ کا سر نیچا" میں ہدیۂ قارئین کی ہے۔ اب سُنّی حضرات میں کئی پارٹیاں ہیں۔ مثلاً اہل حدیث، بریلوی، ناصبی، اہل قرآن منکرین حدیث وغیرہ جو سب خود کو اہل سنت ہی کہلواتے ہیں۔ مگر اعتقادات و اعمال میں کافی اختلافات ہیں تو کیا ان اختلافات کی بناء پر اب کوئی نیا نام تجویز ہو گا۔ رسول ایک متبرک نام ہے مگر عربوں نے اس کو ہندو پنڈت نہرو کے لئے استعمال کیا اور اسے "رسول امن" کا لقب دے دیا۔ اب تو پھر اس لفظ کو چھوڑ دینا چاہیے کہ خلیفہ معزز نام ہے مگر لوگ حجاموں یا نان کار افراد پر یہ لفظ بولتے ہیں لہٰذا

اب اس لفظ کو بھی چھوڑ دیجئے۔ یار کا لفظ تو گالی کے طور پر استعمال ہوتا ہے اس لئے "چار یار" کہنا بند کر دیجئے علیٰ ھذا القیاس بہت سے ایسے محترم الفاظ ہیں جن کا استعمال غلط محلات پر رائج ہے تو پھر آخر شیعہ لفظ سے کیا خاص عداوت ہے اس کو ترک کر دیا گیا۔ جبکہ یہ قرآن و حدیث میں موجود ہے اور اس کی موجودگی کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنے لئے نیا لقب تجویز کیا۔

پس میں جو معترض ہوں تو صرف اس لئے کہ اس راز سے پردہ اٹھ جائے کہ نہ صرف جماعتی طور پر سُنی۔ اہل سُنّت اور اہل السنت والجماعت کے القاب قرآن و حدیث میں موجود نہیں رکھتے بلکہ یہ نام زمانہ رسولؐ کے کافی بعد سیاسی حیلہ کے طور پر اپنا لئے گئے۔ اور جس طرح خدا کو مسجد ضرار ناپسند ہوئی اسی طرح باوجود نام کی معنوی اچھائی کے کام کی برائی کے باعث یہ پارٹی قبول نہیں ہے۔

رہی ماتمی مجاہدین کے لفظ ماتمی کی اصطلاح کے ثبوت کی بات تو یہ ثبوت اس وقت دیا جائے گا جب آپ اپنے مرشدوں اصحاب ثلاثہ یا حق چار یار کی اصطلاحیں نہیں تو کم سے کم خلافت راشدہ یا نظام خلافت راشدہ کے ثبوت دیں گے۔ کیونکہ ماتمی مجاہدوں کی حیثیت مریدوں کی سی ہے۔ جبکہ آپ کے یاروں کی حیثیت آپ کے پیروں کی طرح ہے۔ اس لئے "پیر" کو پہلے ثبوت دینا چاہیئے۔ ماتمی ہمیشہ مظلوم ہوتے ہیں۔ اور مظلومین کا ذکر قرآن میں موجود ہے۔ لفظ نہیں کم سے کم معنی تو موجود ہیں۔

بحث رافضی:- (۸) مجیب نے اپنے بیان کی آخری شق

میں کتاب الروضہ میں ابوبصیر کی روایت نقل کی ہے کہ امام نے فرمایا خدا نے تمہارا نام رافضی رکھا ہے لہٰذا کوئی شیعہ عالم اس نام کو قرآن میں سے ثابت کرے۔ تو جواب اس قفول مطالبے کا یہ ہے کہ پہلے دور میں دشمنان دین و ایمان محبین اہلبیت رسول کو شیعہ خیرالبریہ کہنے کی بجائے اپنے دل کی بھڑاس نکالنے اور حسد و عداوت کی آگ ٹھنڈی کرنے کے لئے طنز و مذاق سے رافضی کہکر ٹھٹھہ بازی کیا کرتے تھے چنانچہ مومنین کرام دل شکستہ ہوتے تھے چنانچہ انھوں نے امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں یہ تکلیف بیان کی تو امام پاک نے ان کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ خدا کی قسم تمہارا یہ نام مخالفین نے رکھا بلکہ اللہ نے رکھا ہے۔

اب چونکہ ہم شیعہ امام معصوم کو وارث قرآن اور قرآن ناطق مانتے ہیں لہٰذا امام کا فرمان قرآن ناطق کی آیت ہے۔ اور اس میں کسی قسم کی کوئی قباحت نہیں پائی جاتی کیونکہ لفظ "رفض" فی نفسہ نہ ہی اچھا لفظ ہے اور نہ ہی برا بلکہ جو بھی اچھائی برائی اسے حاصل ہوگی وہ اسے نسبت و اضافت سے ہوگی۔ "رفض" کے لغوی معنی "ترک کرنا"، "چھوڑ دینا" ہوتے ہیں۔ جس طرح اچھائی کا ترک کرنا برا ہے اسی طرح برائی کا ترک کرنا اچھا ہے۔ لہٰذا اگر شیعوں کو اس اعتبار سے رافضی کہا جائے کہ یہ برے لوگوں اور بری باتوں کے تارک ہیں تو اس میں کوئی قباحت نہیں ہے یہی امام علیہ السلام کے اس فرمان کا ماحصل ہے۔ چنانچہ امامؑ نے فرمایا ہے کہ پہلے پہل یہ لقب فرعون اور فرعونیوں نے ان جادوگروں کو دیا تھا جو اعجاز موسوی دیکھکر مسلمان

ہو گئے تھے اور فرعون کی خدائی کا انکار کر کے تائب ہوئے تھے۔ بالکل اسی طرح امت محمدیہ کے بعض فراعین مدعیان خلافت الٰہیہ کو چھوڑنے والے اور ان کی نسبت کو ترک کرنے والے شیعان محمدؐ و علیؑ کو فرعونی لوگوں نے رافضی کہنا شروع کر دیا۔ کیونکہ امت مسلمہ کو امت موسوی سے مماثلت حاصل ہے۔ پس شیعوں نے جھوٹوں کی پیروی کو ترک کیا اور غاصبوں، ظالموں، اور غداروں کو چھوڑ کر خدا کے مقرر کردہ ہادیان برحق کو مرکز ہدایت مانا۔ اس لئے جھوٹوں کے مریدوں نے انہیں رافضی کہنا شروع کر دیا۔ اور امامؑ نے ان کی تسلی کے لئے فرمایا۔ اس سے تو شیعہ خیر البریہ کی مدح ظاہر ہوتی ہے اور رافضی کا طعن کرنے والوں کی قدح۔ قرآن میں یہ لفظ ہو یا نہ ہو ہمیں اس سے کیا سروکار!

اہل السنت والجماعت

قاضی صاحب ڈھینگ ہانکتے ہیں کہ اہل السنت والجماعت سے مراد وہ مسلمان ہیں جو سنت رسولؐ اور جماعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ماننے والا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ یہ محض فریب ہے کیونکہ اہل السنت کو سنت رسولؐ سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ اور ان کا یہ لقب اختیار کرنا ہی سنت کی خلاف ورزی کرنے کا پہلا ثبوت ہے۔ خدا کی سنت میں تبدیلی نہیں ہوتی اور رسولؐ کی سنت ہی دراصل خدا کی سنت ہے۔ اب خدا و رسولؐ نے لقب شیعہ کو اپنے محبوبین کے لئے پسند کیا قرآن و حدیث میں تذکرہ کیا لیکن آپ کو خدا و رسولؐ کی سنت کے خلاف یہ

لقب ناپسند ہوا اور اس کو بدل کر آپ سُنی بن گئے۔

اُموی لودہ

ہماری تحقیق کے مطابق سُنی "اہل السنت والجماعت" نہیں بلکہ اہل السنتہ والجماعتہ " ہیں یعنی آپ اہل سُنت نہیں بلکہ "اہل سنہ" ہیں یعنی ایک خاص سال والے لوگ اور اس سے مراد صلح حسنی کے بعد معاویہ بن ابو سفیان کے تخت حکومت پر آنے والا سال ہے۔ چنانچہ مشہور سنی کتب فتح الباری شرح صحیح بخاری جلد ۶ صـ۵۵۲ اور استیعاب برحاشیہ اصابہ جلد اوّل صـ۳۶۲ اور صـ۳۷۳ وغیرہ پر ہے کہ حکومت حاصل کرنے کے بعد معاویہ کوفہ میں داخل ہوا اور لوگوں نے اس کی بیعت کی اور اس سال کا نام "سنۃ الجماعۃ" رکھا گیا۔ کیونکہ اس سال جنگ ختم ہوئی اور سب لوگ معاویہ کی حکومت پر جمع ہو گئے۔

علامہ دمیری نے حیاۃ الحیوان جلد ۱ صـ۵۲ پر اور علامہ جلال الدین سیوطی نے تاریخ الخلفاء صـ۱۳۲ پر بھی اس سال کا نام "عام الجماعۃ" لکھا گیا ہے اور معاویہ والے "اہل سنۃ الجماعۃ" جماعت کے سال والے لوگ کہلائے پھر مرور ایام سے یہ لفظ بدلتے بدلتے اہل السنۃ والجماعت بن گیا۔

محدث عبدالعزیز دہلوی کے بیان کے مطابق سنیوں نے یہ لقب تقریباً ڈیڑھ صدی بعد وفات رسولؐ اپنے لئے منتخب کیا حالانکہ نام نہاد موجودہ اہل السنّت والجماعت کے مذہب کی اصل حقیقت جو اُن کی اپنی ہی معتبر کتابوں سے سامنے آئی ہے یہی ہے کہ یہ مذہب معاویہ بن ابو سفیان کا خود کاشتہ پودا ہے۔ اور خود معاویہ کی لقب وہ خلیفہ اہل سنّۃ

حضرت عمر بن خطاب کی مرہون منّت ہے۔ لہٰذا رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا اس پارٹی کی تشکیل و نام میں سے کوئی تعلق ثابت نہیں ہے۔

اگر مجیب حقیقی طور پر اہل السُنّت ہیں تو کم سے کم اُن کو حضور پر درود ادھورا نہیں لکھنا چاہیئے کیونکہ کتُب صحاح سے آنحضرت کا حکم ثابت ہے کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا مجھ پر دُم کٹا درود نہ بھیجا کرو۔ لیکن قاضی صاحب خود زبان سے متبع سُنّت رسولؐ ہونے کے دعویدار ہیں عملاً مخالفِ رسولؐ اور حکم عدول پیغمبرؐ ثابت ہوتے ہیں کہ انھوں نے ہر جگہ حضورؐ پر ادھورا درود لکھا ہے یعنی "صلی اللہ علیہ وسلم،" جبکہ سرکارِ ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے درود میں اپنی آلِ اطہار کو شامل کیا ہے۔

لہٰذا سُنّت کی اتباع کا زبانی کلامی دعویٰ اور اطاعت رسول کے مسلّمہ احکامات کی نشاندہی کرتے رہنے سے کوئی شخص مطیع رسولؐ یا پیروکار سُنّت رسولؐ ثابت نہیں ہو سکتا ہے جبکہ اس کے جملہ اعمال مخالفِ سُنّت رسولؐ ہوں۔ سُنّت کی پیروی کرنے پر اہل سُنّت کہلوانا کوئی قابل اعتراض بات نہیں ہے۔ لیکن اس نام کو بطور لیبل چسپاں کرنا اور اُمت کے اتحاد کو پارہ پارہ کرنے کے لئے متفرق ہو کر جماعت سازی کرنا یقیناً مضر ہے۔ سُنّت رسولؐ کی پیروی اس بات کا ہرگز تقاضا نہیں کرتی ہے کہ سُنّت کے ماننے والا ملت کے مرکز کو ٹھیس پہنچا کر اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد جُدا بنا لے۔ یہ حرکت بدعت تو ہو سکتی ہے مگر سُنّت نہیں خواہ اُسے لاکھ معزز نسبتوں سے جوڑ

لیا جاوے پس جس پس منظر میں جماعت شیعہ معرض وجود میں آئی ہے اس کی روشنی میں سمجھا جا سکتا ہے کہ اس پارٹی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مقدسہ اور آنحضرت کی سنت شریفہ سے ہرگز کوئی واسطہ نہیں ہے۔

قرآنی حکم ہے کہ سچوں کے ساتھ رہو یعنی کونوا مع الصادقین اب اگر ہم اس حکم کی بنیاد پر مسلمانوں میں ایک نئی جماعت "اہل الصادقین" تشکیل دوں اور اپنے کو مسلمان یا شیعہ کہلوانا چھوڑ دوں بلکہ ان الفاظ کی مخالفت کروں اس دلیل پر کہ اللہ نے صادقوں کا ساتھ دینے کا حکم دیا ہے۔ اب چونکہ مسلمان زیادہ تر عملی زندگی میں سچے نہیں ہوتے ہیں اس لئے اس لقب ہی کو ترک کر دیا جائے تو کیا کوئی صاحب عقل سلیم میری اس توضیح کو قبول کر کے اپنے کو مسلمان کہلوانا پسند کریگا ہرگز نہیں بلکہ مجھے یہ مشورہ دیا جائیگا کہ نام سے کچھ حاصل نہیں کام سے سب کچھ ملتا ہے۔ آپ ملت کے اتحاد کو پارہ پارہ نہ کریں بلکہ معاشرت و تمدن میں مسلمان ہوتے ہوئے سچوں کی حمایت کریں اور جھوٹوں کو چھوڑ دیں۔ شرعی اصطلاحات کی تبدیلی کا اختیار صرف خدا و رسولؐ کو حاصل ہے۔ البتہ افہام و تفہیم اور سمجھنے سمجھانے کے لئے ایسی نسبتیں یا اضافتیں صفاتی طور پر استعمال میں لائی جا سکتی ہیں بشرطیکہ اُن سے کسی ایسی اصطلاح کی مخالفت مقصود نہ ہو جو خدا و رسولؐ نے استعمال کی ہو۔ قرن اول میں خوارج نے بھی اسی طرح کی نعرہ بازی کی تھی یعنی "لاحکم الا اللہ"، لیکن اہل ایمان نے اُن کو کبھی برحق نہیں مانا ہے۔

نسبت سنت

اس میں کیا شک ہو سکتا ہے کہ مسلمان کے لئے اعلیٰ و اصل نسبت اہل سنت رسول ہونے کی نسبت ہے۔ لیکن اس نسبت کو منافقانہ اختیار کرنا بلا شبہ مذموم ہے حالانکہ نسبت محفوظ ہے۔ اگر خدا و رسولؐ کو اس نسبت کا بطور "جماعتی نام" بن جانا پسند ہوتا تو اخبار میں یہ اصطلاح بطور مذہب و مسلک ضرور ملجاتی لہٰذا قاضی جی کی یہ دلیل کہ سنی مسلمانوں نے اس نسبت کے ذریعہ اپنا رابطہ ایمانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک کے ساتھ قائم کر لیا اور یہی ان کے اہل حق ہونے کی دلیل ہے۔ ؎ محض ایک مفروضہ ہے اور استدلال ظنی ہے۔ حق و باطل کے مباحثوں میں نصی استدلال قابل قبول ہوتے ہیں نہ کہ ظنی اگر ایسے ہی خیالات پر حق و باطل کا فیصلہ ہے تو پھر منکرین حدیث "اہل القرآن" پر کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ حالانکہ اس نسبت سے رابطہ ایمانی براہ راست کلام خدا سے قائم ہوتا ہے۔ اور بہر کیف اللہ رسولؐ سے اعلیٰ و بالا ہے۔

لہٰذا شیعوں کو اہل سنت رسولؐ کی نسبت پر تو ہرگز کوئی اعتراض نہیں ہے کیونکہ شیعوں سے بڑھ کر اہل سنت رسول اور کوئی نہیں ہے اسی لئے ان کے امام نے بوقت شوریٰ محض سنت نبویؐ کی حفاظت کے لئے سیرت الشیخین کی اتباع سے انکار کر کے حکومت کو ٹھوکر مار دی تھی۔ البتہ شیعوں کو اہل سنت کی نسبت کے دعویداروں پر اس لئے

؎ یہ محاورہ دراصل اس بات کا اقرار ہے نسبت اپنی مرضی سے بنائی گئی کہ رسول اللہؐ نے ایسی نسبت کے لئے نص نہ فرمائی۔

سنبل سکینہ
حیدرآباد لطیف آباد، یونٹ نمبر ۸-C1

اعتراض ہے کہ یہ سُنّت محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کوئی تعلق نہیں رکھتے بلکہ غیر رسولؐ۔ اُمتی لوگوں کی سُنّت کے اہل ہیں۔

نسبت علیؑ

خود قاضی جی نے تسلیم کیا ہے کہ شیعہ سے مراد شیعۃ العلی رضی یا شیعان علی رضی یعنی حضرت علی کا گروہ یا ان کے پیروکار ہیں پھر قاضی صاحب کہتے ہیں لیکن نسبت علیؑ سے بہر حال نسبت رسولؐ اور نسبت سُنّت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اولیٰ و بہتر ہے۔ اگر شیعہ سُنّت رسولؐ کی نسبت کا بھی اپنے امتیازی نام میں اظہار کرتے تو اور بات تھی۔ پھر دوسرے درجہ میں حضرت علیؑ المرتضیٰ کی نسبت کا اظہار کرتے تو اور بات تھی لیکن اہل سُنّت ہونے کی نسبت کو اپنے امتیازی اور خصوصی نام میں بالکل ترک کر کے انہوں نے ارشادات خداوندی کو نظر انداز کر دیا ہے۔

بسر و چشم قبول ہے کہ نسبت رسولؐ نسبت علیؑ سے بہتر ہے آپ نے خود مان لیا ہے کہ شیعہ سے مراد شیعہ علیؑ ہیں۔ جبکہ میں یہ نہیں مانتا کہ "اہل سُنّت" سے مراد "اہل سنت رسول" ہے۔ سنت کا لفظ اپنے معنوی اعتبار میں اچھے و بُرے دونوں معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ اگر بالفرض آپ اہل سُنّت ہیں تو اس کے ساتھ اضافت کونسی ہے کس کی سُنّت کے اہل ہیں یعنی آپ کی نسبت نامقبول اور متنازعہ ہے۔ جبکہ میری نسبت مسلمہ و غیر متنازعہ ہے۔ میں علیؑ کا شیعہ یعنی پیروکار ہوں جو آپ نے مان لیا ہے۔ "علی کی محبت جزو ایمان ہے"، آپ نے تسلیم کیا ہے "علیؑ خلیفہ برحق اور جامع الکمالات ہیں۔ آپ نے اعتراف کیا ہے لہٰذا ان اقراری باتوں کی موجودگی میں آپ یہ ہرگز نہیں کہہ سکتے کہ علیؑ کا

پیرو کار صحیح راستہ پر نہیں ہے۔ اب میری نسبت بزبان مخالف مقبول و منظور ہونے کے سبب سے آپ کی اختیار کردہ متنازعہ نسبت سے برتری و فوقیت رکھتی ہے۔ کیونکہ آپ کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے میرے نزدیک مسلّمہ و مصدقہ نہیں ہے۔ پس آپ کا کسی شخص غیر از نبی کی سُنّت کا اہل ہونا ہرگز دلیل حق نہیں ہے اور میرا علی علیہ السلام کا پیروکار ہونا بحدت حق ہے پس شیعہ کو بلحاظ نسبت علویہ اہل سُنّت پر باعتبار احتیاج صاحب السنت برتری حاصل ہے۔ اور رسولؐ کا یہ فرمان کہ "اے علیؑ تو اور تیرے شیعہ کامیاب ہیں" یہ تعمیل چاہتا ہے کہ سُنّت رسولؐ کے اتباع میں شیعہ علیؑ بنا جائے جبکہ سُنیوں کے پاس ایسا کوئی دعویٰ نہیں ہے کہ رسولؐ نے فرمایا ہو کہ اے فلاں تو اور تیرے سُنّی یا اہل سُنّت یا اہل سُنّت والجماعت کامران ہیں لہذا صرف شیعہ علی بننا ہی سُنّت کی پیروی کرنا ہے اور اہل السنت والجماعت، بننا "اہل سُنّت رسولؐ"، بننے کے خلاف ہے۔

اسی طرح مجیب کی یہ قیاس آرائی کہ سُنّت رسولؐ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت کے اظہار و اعلان کے بعد ہم بجائے کسی ایک صحابی کے "الجماعت" کے لفظ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام فیض یافتہ اور جنتی جماعت کے ساتھ نسبت کا اظہار کرتے ہیں۔ یہ بھی غیر مستند اور خیالی بات ہے کیونکہ آپ نے جماعت رسولؐ سے تمسک قائم نہیں رکھا اور بقول شما اہل جماعت کی تعریف مولا علیؑ نے یہ بیان فرمائی ہے کہ "اہل جماعت تو میں ہوں اور میرے پیروکار اگرچہ وہ کم ہوں یعنی علیؑ اور شیعان علیؑ۔ جس طرح آپ کے بارے میں یہ بات مصدقہ

نہیں کہ آپ سُنّتِ رسولِ خدا کے پیروکار نہیں اسی طرح یہ بات بھی غیر محقق ہے کہ آپ حقیقی جماعت رسولؐ کے ماننے والے ہیں۔

قاضی صاحب جب ہم آپ کی تاریخ پر غیر جانبدارانہ نظر ڈالتے ہیں تو ثابت ہوتا ہے کہ اہل بدعت ہیں کیونکہ محض اپنی رائے اور خواہش کے مطابق دین کے احکامات میں تبدیلی کی ہے اور حضرت علیؑ نے اسی عمل کو اہل بدعت کی شناخت کا نشان بتایا ہے جسے خود آپ نے نقل بھی کیا ہے۔

پس اصطلاح اہلسنّت والجماعۃ کی جامعیت اسی وقت مدلل ہوسکتی ہے جب نسبت ثابت ہوجائے اور "شیعہ" کی نسبت اس قدر جامع ہے کہ خود بخود سُنّتِ رسولؐ اور جماعتِ رسولؐ کی پیروی ثابت ہوجاتی ہے کیونکہ شیعہ وہی ہوگا جو حضرت علیؑ کا پیروکار ہوگا اور علیؑ کی پیروی سراسر اتباع سُنّتِ رسولؐ ہے نیز آپ ہی مع اپنے شیعوں کے حقیقی جماعت رسولؐ ہیں جب کہ آپ معاویہ بن ابوسفیان کے لگائے ہوئے پودے "اہل السنۃ الجماعت" ہیں۔

شیعہ علیؑ کی نسبت وہ اعلیٰ و برتر نسبت ہے جو مختصر ہونے کے باوجود مفصل و جامع ہے کہ سیدالمرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر سے تعلق پیدا کرتی ہے علوم و فنون کے دریا چھلکاتی ہے منافقوں کے ہر پیدا کرتی ہے اور غدار، کاذب و خائن لوگوں سے بیزار کرتی ہے۔ اور یہ بات ہر صاحب شعور تسلیم کرتا ہے کہ گھر والوں سے تعلقداری باہر والوں کی صحبت سے افضل ہوتی ہے۔ سب شیعوں نے اس نسبت سے نبیؐ کے گھر کے دروازے کی چوکھٹ کو مضبوطی

سے مقام لیا۔ علم و حکمت کے دریا کی مضبوط رسی کو پکڑ لیا اور ایک ہی مرکز کو اپنی ہدایت کا مینارہ مان لیا۔ جبکہ اہل السنۃ والجماعت نے گھر کو چھوڑ کر باہر کے دھاگے ہاتھ میں لینا شروع کر دیئے۔

سُنّیوں کی سُنّت کی خلاف ورزی

سُنیوں نے انتباہ رسول کی پرواہ کئے بغیر سُنّت رسول کی خلاف ورزی کرتے ہوئے آئمہ ضلالت کو اپنا ہادی تسلیم کیا حالانکہ حضورؐ نے فرمایا تھا کہ میرے بعد میری اُمّت میں ہمیشہ عادلین میرے اہلبیت سے موجود رہیں گے جو اس دین کو گمراہ لوگوں کی تحریف، تاویل جاہلین اور جھوٹے لوگوں سے بچا کر راہ حق کی ہدایت کرتے رہیں گے۔

خبردار! تمہارے پیشوا تم کو خدا کے سامنے اپنے ساتھ لے جانے والے ہیں اس لئے سوچ لو کہ کیسے شخص کو پیشوا بنا رہے ہو اور مشکوٰۃ شریف کتاب الفتن جلد ۲ صفحہ ۴۵۵ میں ہے کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ میں اپنی اُمّت میں گمراہ کرنے والے آئمہ سے ڈرتا ہوں۔

شیعوں کا اہلبیت سے تمسک

پس شیعوں نے اطاعت سنّت رسولؐ کی اور آپؐ کے اہلبیت سے تمسک کر لیا اور دیگر لوگوں سے خبردار رہے۔ جبکہ سُنیوں نے اہلبیت رسول کو چھوڑ کر دوسروں کو اپنا پیشوا بنا کر سُنّت رسول کی علانیہ مخالفت کی اس لئے نہ ہی وہ اہل السنۃ رسول ہو سکتے ہیں اور نہ ہی اہل جماعت رسول لہٰذا ان کی حضورؐ سے وابستگی ہی ثابت نہیں تو پھر ان کو شیعہ پر کیونکر فوقیت ہو سکتی ہے اب چونکہ قول پیغمبر سے

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا حق ہدایت صرف آنحضرتؐ کے اہلبیتؑ کے لئے ثابت ہے اس لئے خیر امت یعنی اہلبیتؑ ہی ہیں اور اس آیت کی تفسیر میں مفسرین نے یہی لکھا ہے اور حضور نے حضرت علیؑ کی ذات کو خیر امت فرمایا ہے اس آیت کا مصداق اہل بیتؑ کے علاوہ اور کوئی نہیں ہے چنانچہ ابن ابی حاتم نے حضرت ابو جعفر سے روایت کی ہے کہ "خیر امت" اہل بیت رسول ہیں۔ ملاحظہ کریں تفسیر در منثور علامہ سیوطی جلد ۲ صفحہ ۶۴ مطبوعہ مصر۔

از روئے احادیث شیعہ سنت و جماعت کی عظمت

مجیب نے اس عنوان کے تحت "سنت اور جماعت کی عظمت میں" "من لا یحضرہ الفقیہ" سے دو روایتیں نقل کی ہیں جو اُن کے لئے مفید نہیں ہیں کیونکہ ان سے ثابت ہے کہ جو حُبِ آل محمدؐ پر مرے گا وہی مطیع سنت اور پیرو کار جماعت رسولؐ ہو گا۔ سائل کو سنت رسولؐ یا جماعت رسولؐ کی عظمت سے ہرگز انکار نہیں ہے۔ اور میں خود یہی روایت فروع دین میں ابن عربی کے حوالہ سے اپنے مذہب سابق کے ترک کی ایک وجہ کے طور پر لکھ چکا ہوں۔ عبدالکریم مشتاق کی مہم اس دغابازی کے خلاف ہے کہ سُنی خود کو "اہل السنت والجماعت" ظاہر کرتے ہیں مگر ان کے مذہب میں دشمنی آل محمدؐ کوٹ کوٹ کر بھری ہے۔ اور سنت رسولؐ یا جماعت رسولؐ سے اس گروہ کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

سبیلِ سکینہؑ
حیدرآباد و لطیف آباد، یونٹ نمبر ۸-C1

حضرت علی المرتضٰےؑ اور اہلِ سنّت

اس عنوان کے تحت قاضی صاحب نے امیر المومنین کے ارشاد سے اہلِ سنت اور اہلِ جماعت کی تشریح و تعریف نقل کی ہے جناب امیرؑ نے اہل جماعت کی تعریف یہ بتائی کہ وہ علیؑ اور ان کے شیعہ ہیں اور اہلِ سنت وہ ہیں جو اللہ و رسولؐ کی سُنّت و طریقہ کو پکڑنے والے ہیں یہ تعریفات سنیوں کے لئے کس طرح مفید ہو سکتی ہیں جب کہ اُن کو علیؑ کا شیعہ ہونا منظور نہیں لہٰذا جماعت سے ان کا تعلق ختم اور سُنّتِ رسولؐ کے مطابق تمسّک بالثقلین ضروری ہے لہٰذا اس تخلف کے باعث سنیوں کا سُنّت سے کوئی واسطہ نہ رہا۔ کیونکہ یہ نہ ہی حضرت علیؑ کو ہادی منصوص مانتے اور نہ ہی آئمہ اہلِ بیتؑ کو۔ لہٰذا مولا علیؑ کی تشریح کے مطابق تو یہ گروہ "اہل الفرقۃ والبدعت" ثابت ہوتا ہے کیونکہ اہل فرقہ وہ ہیں جو لوگ علیؑ اور شیعانِ علیؑ کے مخالف ہوں اور اہل بدعت وہ ہیں جو اپنی رائے اور خواہشات پر عمل کرنے والے ہوں۔ چنانچہ یہ صفات حقیقی اہل سنن ہی کے ہیں کہ ہمیشہ انھوں نے اپنی رائے اور خواہشات کو قیاس کا نام دیکر اس پر عمل کیا۔ اسی بنیاد پر انھوں نے لقب شیعہ اپنی مرضی سے ترک کر لیا۔ اہل السنۃ والجماعت کا نام اپنا لیا اور پھر ڈیڑھ سو سال بعد خود ہی "اہل السنت والجماعت" بن بیٹھے۔ ان ہی نے اپنی رائے سے بعد از رسولؐ ایک غیر معصوم و غیر منصوص صحابی کو مسندِ ہدایت پر لا بٹھایا۔ لہٰذا اس تشریح سے تو اہل السنۃ والجماعۃ کی مذمت ثابت ہوتی ہے نہ کہ مدح۔! نیز یہ کہ ان اصطلاحات "اہل سنت"

اہل جماعت" سے کسی گروہ یا جماعت کے القابات کی تعریف نہیں ہے بلکہ یہ صفاتِ عامہ کے تحت سنتِ رسولؐ اور جماعتِ رسولؐ کے پیروکاروں کی ستائش و توصیف بیان ہوئی ہے لہٰذا مجیب کی یہ دھوکہ دہی کہ اہل سنت اور اہل جماعت کی مذہبی اصطلاحیں ثابت ہوتی ہیں بہت گہری سازش ہے واضح ہو کہ سائل تو ان الفاظ کے مذہبی ہونے یا نہ ہونے پر اعتراض نہیں ہے بلکہ مجھے "لقب جماعت و گروہ" کی حیثیت سے اعتراض ہے کہ یہ الفاظ ایک پارٹی یا مذہبی جماعت کے لئے اللہ و رسولؐ کے کلام سے ثابت نہیں ہے اور نہ ہی خلفاءِ ثلاثہ کے کلام سے واضح ہو کہ حضرت علیؑ نے چار صفتوں کے حامل لوگوں کا تعارف کرایا ہے۔ ان میں دو اہل سنت اور دو اہل جماعت ہیں جب کہ سنیوں کا نام "اہل سنت والجماعت" ہے جو ایک جماعت و گروہ پر منطبق ہے نہ کہ دو جماعتوں کا مجموعہ گروہ ہے۔

اہل حق کے لئے اہل سنت اور اہل جماعت کی مذہبی اصطلاحیں بطور صفت تو ضرور استعمال ہوتی تھیں لیکن بحیثیت ایک گروہ یا مذہبی پارٹی ان کا کبھی اطلاق نہیں ہوا ہے۔ سائل کا امیر المومنینؑ سے مجمع عام میں سوال کرنا اس بات کا بین ثبوت ہے یہ اصطلاحیں اس زمانہ میں بطور مذہب رائج نہ تھیں بلکہ کردار کی اعتبار پر عام معنی میں مستعمل تھیں لہٰذا سائل کو ان کی تشریح دریافت کرنا پڑی اگر اس زمانہ میں ان ناموں کی جماعتیں مسلک و مذہب کے لحاظ سے موجود ہوتیں تو سائل کا انداز سوال دوسرا ہوتا۔ اور سائل کا "شیعہ" کے بارے میں کچھ نہ پوچھنا اس بات کی دلیل ہوگا کہ وہ یہ عام مروج لقب سے بخوبی واقف تھا اور جناب امیر علیہ السلام نے خود کو اور اپنے

پیروکار ہوں یعنی "علیؑ و شیعان علیؑ" کو ہی اہل جماعت فرمایا اور ساتھ یہ بھی کہا کہ اگرچہ وہ کم ہوں اور یہ اللہ و رسولؐ کے امر کے تحت برحق ہیں یہی کہ وہ حقیقی اعتبار سے سنّت رسولؐ کا پیروکار اور جماعت رسولؐ کا متبع ہے۔

امام حسینؑ اور اہل سنّت

مجیب نے اس سرخی کے تحت تاریخ کامل ابن اثیر سے امام حسینؑ کے خطبہ کا حوالہ دے کر یہ روایت لکھی ہے امام مظلومؑ نے فرمایا کہ رسول اللہ کا ارشاد ہے کہ میں اور میرے بھائی حسنؑ جنت کے جوانوں کے سردار ہیں اور ہم دونوں (حسنینؑ) اہل سنّت کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہیں۔

سید الشہداء علیہ السلام نے یہ خطبہ میدان کربلا میں اتمام حجت کرتے ہوئے دیا اور لوگوں کو حدیث یاد دلائی کہ ہم سبطین رسولؐ سنّت رسول کے ماننے والوں کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہیں۔

اگر تم فی الحقیقت سنّت نبوی کے پیروکار ہو تو ہماری عظمت کو مان لو۔ بصورت دیگر تم اہل سنّت نہیں ہو۔ زمانہ گواہ ہے کہ شیعوں کا بچہ بچہ حسنینؑ کے ذکر سے اپنی آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچاتا ہے جبکہ سنّی اس ذکر کو ہر ممکن طریقے سے روکنا چاہتے ہیں اور ان کے بڑے بڑے اماموں نے ذکر حسینؑ کو واعظ پر حرام کہا ہے اب سنّت کے مقلد اہل شیعہ ہیں کہ سنّی۔

یہاں پر ایک اور لطیف پہلو ہے کہ قاضی صاحب نے پچھلے بیان میں کہا ہے کہ دور مرتضوی میں شیعہ فرقہ نہیں تھا اور امام حسینؑ نے

بھی اہل سُنّت ہی پر اتمام حجت کرتے ہوئے کہا کہ اگر تم اہل سُنّت ہونے کے دعویدار ہو تو مجھے اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک تسلیم کرو کیوں کہ قول رسولؐ یہی ہے یعنی میدان کربلا میں تمہارے مقابل گروہ اہل سنت تھا کیونکہ شیعہ فرقہ بقول قاضی تھا ہی نہیں تو پھر یہ کیوں بہتان باندھا جاتا ہے کہ شیعوں نے امام حسینؑ کو شہید کیا کیوں نہیں کہتے کہ اہل سنت ہونے کے دعویداروں نے سنت کو پس پشت ڈال کر روح سنت کو عالم فانی میں بھیجدیا۔

خداوند کریم کا نمازیوں کو "فویل للمصلین" کہنا اگر نماز پڑھنے والوں کے لیے اظہار غیظ و غضب خدا ہو سکتا ہے تو پھر یہ بھی نام نہاد "اہل السنت والجماعت" پر اعتراضات کرکے دعوت تحقیق دینا غضب سمجھا جا سکتا ہے۔ جس طرح خدا کو نماز سے کوئی پرخاش نہیں بلکہ صرف نام نہاد نمازیوں پر ویل ہے۔ اسی طرح بندہ کریم مشتاق کو سُنّت و جماعتِ رسولؐ سے کوئی پرخاش نہیں بلکہ خود ساختہ "اہل السُنّت والجماعت" کی جماعتی تشکیل اور تفرقانی بنیاد پر اعتراض ہے یعنی نام سے نہیں کام سے سروکار ہے۔ نام کی دلکشی جام کی خوبصورتی اسی وقت مقدّر ہو سکتی ہیں جب کام بھی پیارا ہو مگر آپ ہیں کہ نام میں سُنّت اور ہر کام میں بدعت ہی بدعت اور دل بدل بدعت میں بھی جدت واہ - واہ!

اگر قاضی صاحب صفائی اصطلاحات کو جماعتی القابات پہ چھپا کر کے لوگوں کی آنکھوں میں دھول جھونکنا چاہتے ہیں تو ازراہ مہربانی مجھے بتائیں کہ اگر "اہل سُنّت" یا "اہل جماعت" نام کے دو گروہ

حضورؐ کے زمانے میں تھے تو پھر مسلمان صحابہ میں اہل فرقہ اور اہل بدعت والی دو جماعتوں میں کون صحابی تھے کیونکہ وہ زمانہ صحابہ ہی کا تھا ان کا وجود مسلمانوں ہی میں تھا۔ جب ان دو جماعتوں کا وجود نہیں مل سکتا تو پھر ان دو کا وجود کہاں ہوگا؟ اور پھر یہ دونوں اہل سنت اور اہل جماعت الگ الگ گروہ کب ایک پارٹی میں ضم ہو گئے۔ اس تحقیق سے یہی نتیجہ برآمد ہوگا یہ اصطلاحیں شرعی حیثیت سے کردار کی طور پر مستعمل تھیں نہ کہ جماعتی طور پر!

اہل السنت والجماعت جنتی ہیں

مجیب نے اس سرخی کے تحت تفسیر ابن کثیر سے اور در منثور سے روایات نقل کر کے لکھا ہے سفید چہروں والے اہل السنۃ ہوں گے لیکن یہاں بھی مراد متبعین سنت رسول ہیں نہ کہ اہل السنۃ والجماعت اور مشہور حدیث رسولؐ ہے کہ نورانی چہرے والوں کے سردار علیؑ ابن ابی طالب ہیں پس ان روایات کا اطلاق بھی علیؑ اور ان کے شیعوں پر ہے۔ اور شیعہ کی اصطلاح شروع ہی سے بطور مذہبی جماعت ہے جیسا کہ ابن اثیر نے نہایہ میں سیوطی نے خصائص الکبریٰ میں لکھا ہے کہ ابوسعید نے شرف المصطفیٰ میں جعد بن قیس مرادی سے روایت کی ہے کہ اس نے کہا ہم چار اشخاص زمانہ جاہلیت (قبل از اسلام) میں حج کے لئے نکلے یمن کے جنگلوں میں سے ایک جنگل میں گئے جب رات ہوئی ہم ایک بڑے جنگل میں اترے اور ہم نے اپنی سواریوں کو باندھ دیا۔ جب رات کا کچھ حصہ گزر گیا اور میرے ساتھی سو گئے ایک ہاتف نے اچانک اطراف جنگل سے آواز دی کہ اے سوار

شب باش جب ہم حرم اور زمزم کے پاس ٹھہرو جناب محمدؐ کو ہماری طرف سے ہدیہ سلام پہنچا دینا وہ تحفہ جو ہر حال میں ان کے تابع اور شامل ہر قصد سیر و آرام میں رہے اور ان کی خدمت میں عرض کر دینا کہ ہم آپؐ کے "شیعہ" ہیں ۔ ہم کو عیسیٰؑ ابن مریمؑ کی بھی وصیت ہے ۔

(خصائص کبریٰ جلد ۱ صفحہ ۱۰۹ مطبوعہ دکن)

پس شیعہ کے لقب کی مذہبی حیثیت نہ صرف زمانہ اسلام میں مسلمہ ہے بلکہ قبل از اسلام بھی یہ لقب رائج تھا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اصل مذہب شیعہ ہی ہے ۔ یہی مذہب خدا کا پسندیدہ ہے خدا کے رسولؐ کا فرمودہ اور آئمہ اہل بیت رسول کا تعلیم کردہ ہے اسی لقب کو حضرت نوحؑ کی نسبت کے ساتھ صاحب ملت خلیل خدا حضرت ابراہیمؑ کے لئے پسند کیا اسی لقب کو فلک النجاۃ کے سواروں کے لئے تجویز کیا گیا اس ہی لقب کو خدا رسولؐ نے اپنے وصی حقیقی کی نسبت سے اہل الجنۃ کے لئے استعمال کیا جس طرح خدا نے اپنے پیارے نبی حضرت خلیلؑ کو شیعہ نوحؑ کہا اسی طرح خدا کے محبوب رسولؐ نے اپنی عترت و اہل بیتؑ کو سفینۂ نوحؑ سے تشبیہ دے کر اس میں سوار ہونے کی ہدایت جاری کر کے شیعہ بننے کی تلقین فرمائی چنانچہ ارشاد ہے کہ

"پس ہم نے نوحؑ کو اور جو ان کے ساتھ بھری ہوئی کشتی میں سوار تھے ان سب کو نجات دے دی اور جو پیچھے باقی تھے ان سب کو ہم نے غرق کر دیا ۔ (سورہ شعراء پ ۱۹ ع ۶)

اور خاتم النبیین سید الصادقین فخر المرسلین حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ

مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا کہ

"خبردار ہو جاؤ کہ میرے اہل بیتؑ کی مثال کشتی نوحؑ جیسی ہے۔ جو بھی اس میں سوار ہوا اس نے نجات پائی اور جو بھی پیچھے رہ گیا وہ غرق ہوا۔ (ہلاک ہوا)"

(مشکوٰۃ شریف فضائل اہل البیت ص۵۶۵)

پس چونکہ شیعہ ہی ایسا مذہب ہے جو مالکِ سفینۂ نوحؑ ہے۔ اس لئے ناجی و محفوظ ہے۔ جبکہ اہل السنۃ نے اہل بیتؑ کی کشتی میں سوار ہونا پسند نہیں کیا ہے۔ اور سُنّت رسولؐ اور جماعت سواران فلک النجات سے تخلف کیا ہے پس ان کا انجام بمطابق فرمان رسول غرقابی اور ہلاکت ہے۔

کشتی نجات

لہٰذا ہر وہ شخص جو نجات اخروی کا متمنی ہے اس پر لازم ہے کہ وہ رسولؐ کی بتائی ہوئی کشتی میں سوار ہو کر غرقابی و ہلاکت کے خطرے سے بچ جائے اور نجات پا جائے کیونکہ وہ کشتی ہے جو ہر حالت میں پار لگائے گی اس کے ملاح اس قدر حاذق و جوہند ہیں کہ موج طوفان ان کا نام سُن کر سمٹ جاتی ہے۔ بڑے بڑے تلاطم پانی پانی ہو جاتے ہیں۔ اس کشتی میں ایسے ملاح ہیں کہ سورج ان کے اشارے سے پلٹ جاتا ہے چاند دو ٹکڑے ہو کر دنیا ختم کرتا ہے۔ اس کے ملاحوں میں حسنؑ جیسے صابر ناخدا بھی ہیں اور حسینؑ جیسے شجاع بھی ہیں جو شیطانی طوفان کی آنکھ میں آنکھ ڈال کر کہتا ہے کہ یہی پوری قوت تو بروئے کار لا۔ میرے پیران سال مجاہد تو رہے ایک طرف اگر کوئی نہ رہے گا تو شیرخوار

شیر خدا بھی چپو ہاتھ میں لے کہ اس کشتی کو کنارے لگا دے گا۔ اور اگر ضرورت ہوگی تو ہم سواروں کو یقین دلاتے ہیں کہ مخدرات کی چادروں کے بادبان بھی بنانے کی ضرورت پیش آ گئی تو اس سے بھی دریغ نہ کیا جائے گا نبیؐ کے گھرانے والے اس کشتی کو آنچ نہ آنے دیں گے خواہ ان کو ایک ایک مورچ سے خود ٹکرانا پڑے۔ زہر پینا پڑے گردن کٹوانا پڑے، گھر بار لٹانا پڑے۔ قیدی بننا پڑے۔ گالیاں سننا پڑیں۔ طعنے سہنا پڑیں۔ ہر مصیبت برداشت کریں گے۔ مگر کشتی ضرور پار لگائیں گے۔

ضمانت نجات

پس جیسی اخروی نجات کی ضمانت شیعہ مذہب میں ملتی ہے ویسی کسی دوسرے مسلک میں دستیاب نہیں ہے اور اہل السنت جس طبقہ کو اپنے امام اور پیشوا مانتے ہیں خود ان کا اپنا مستقبل یقینی نہیں ہے۔ شیعہ کے حق ہونے کی صرف یہی دلیل کافی ہے کہ اس مذہب کے امام اوّل کو سند رسولؐ حاصل ہے کہ وہ حق کے ساتھ ہے اور حق اس کے ساتھ ہے جبکہ سُنّی مذہب کے امام اوّل کے ایمان کی شہادت دینا تو درکنار پیغمبرؐ نے شرک خفی کا طعن کیا ہے۔ شیعہ کے امام دوم کو رسولؐ خدا نے جنت کے جوانوں کا سردار کہا ہے۔ جبکہ سُنّی امام دوم بار بار رسولؐ حضرت حذیفہؓ اور ام المومنین حضرت اُمّ سلمہؓ سے راز منافقت اگلوانے کی کوشش کرتے تھے۔ شیعہ کے تیسرے امام کو رسولؐ نے کہا "یہ مجھ سے ہے اور میں اس سے ہوں" مگر سُنّیوں کے تیسرے امام کو زوجہ رسولؐ بی بی عائشہ نے کہا یہ نعثل کافر ہو گیا ہے اس کو قتل کر دو۔ الغرض شیعہ کے امام

پاک و معصوم ہیں۔ سُنیوں کے امام ولید یزید و پلید ہیں۔ سُنیوں کے امام زاد
نے یزید ملعون کی بیعت کو خدا و رسولؐ کی بیعت کہہ کر لوگوں کو یزید لعین
کا مطیع بنایا۔ شیعوں کے امام زادوں نے اپنا خون دے کر اسلام
کے نونہال کو پروان چڑھایا۔ شیعوں کے اماموں نے علم کے دریا بہائے
عرفان کے خزانے لٹائے۔ سُنیوں کے اماموں نے بے گناہ خون کے دریا
بہائے اور بے جرم و خطا لوگوں کی مال و متاع کو لوٹا۔ شیعہ کے امام نے
سر کٹوا کر نوک نیزہ پر تلاوت قرآن کر کے قرآن کو سر بلند کیا۔ سُنیوں
کے امام نے قرآن کو نذر آتش کر کے قفل اکبر کر جلایا۔ الغرض سُنیوں نے
"اہل سنت والجماعت" کا لبادہ اوڑھ کر سنت کو مسخ کرنے کی کوشش
کی اور جماعت کا قلع قمع کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا مگر
شیعوں نے ہر قدم پر سنت رسولؐ کی حفاظت کی اور جماعت کا نام
زندہ رکھا۔ یہ شروع سے فتوحات کے ترانے مسحور کن دھنوں
میں گا گا کر لوگوں کے سروں پر تلوار مسلط کرتے رہے۔ مگر شیعوں
نے دلوں کو فتح کیا۔ بلا تاج و تخت اپنے کلمے پڑھوائے۔ سُنیوں نے
حق و باطل کی شناخت کرنے پر مذہبًا پابندی لگا دی اور سب
اچھے برے برابر کر کے "کلھم عدول" کا پُر فریب نعرہ لگایا۔
جب کہ شیعوں نے اہل باطل کو ترک کر کے سدا حق کی اطاعت
گزاری کی۔ اب عقلاً ایسا مذہب کبھی حق پر ہونے کا دعویٰ نہیں
کر سکتا ہے جو برے کو بُرا کہنے پر ممانعت وارد کرتا ہو یہی دلیل مذہب
سُنیہ کو باطل قرار دینے کے لئے کافی ہے کہ اس میں اچھے برے سب
برابر ہیں کسی کی پیروی کر لینا ہدایت یافتہ ہونے کے لئے کافی ہے

اس لئے مذہب شیعہ ایک ایسا معقول مذہب ہے جس میں اچھائی اور برائی کا امتیاز کرکے برائی کو چھوڑ دینے یعنی بُرے پر تبرّا کرنے کی تعلیم ہے لہذا یہی مذہب حق ہے یہی مذہب فطری ہے ۔یہی مذہب دین اسلام ہے جو آدم سے خاتم تک جاری ہے ۔

قاضی صاحب کے شائع کردہ میرے دس سوالات کے جوابات کی نقل اور اپنا جوابی تبصرہ میں خدمت کیا گیا باوجود کوشش کے پابندی اختصار نہیں ملحوظ رکھ سکا اس کے لئے معذرت خواہ ہوں ۔میں نے قاضی صاحب کے جوابات کو لفظ بلفظ نقل کیا ہے تاکہ محققین کو نتائج حاصل کرنے میں آسانی رہے ۔سید باقر حسین صاحب سبزواری اور ان کے دو ہزار ہمخیال حضرات قاضی صاحب کے جوابات اور ان پر ہماری والی گذارشات پر خوب غور و فکر فرمائیں اور قاضی منظر حسین صاحب کو اپنے طور پر مطلع کردیں جبکہ احقر عرض گذار خود براہ راست بھی یہ معروضات قاضی صاحب کی خدمت میں تحفۃً ارسال کررہا ہے ۔ گر قبول افتد زہے عز و شرف

باقر شاہ صاحب اور ان کے احباب کو دعوت غور و فکر

باقر شاہ صاحب اور ان کے عالی قدر احباب کی خصوصی توجہ کا طلبگار ہوں اور دیگر قارئین کرام کو عموماً دعوت غور دیتا ہوں کہ میرے دس سوالات کو بار دیگر شرف معائنہ عطا کریں ۔اور اپنی غیر جانبدارانہ تحقیق کی روشنی میں منصفانہ فیصلہ دیجئے کہ کیا قاضی صاحب نے میرے کسی ایک بھی سوال کا جواب مطابق سوال دیا ہے ؟

۱۔ میں نے پہلے سوال میں کتب صحاح ستہ سے حضرات ثلاثہ کی زبان سے "میں سُنی ہوں" یا میرا مذہب اہل سنۃ والجماعۃ ہے" کے جملے سننے کی تمنا کی تھی۔ مگر اصل سوال کو چھوڑ کر قاضی صاحب نے ضمنی مباحثوں کو چھیڑ دیا۔ جبکہ سوال اپنے مقام پر لاجواب ہے۔

۲۔ دوسرے سوال میں شاہ عبدالعزیز کی عبارت کے تحت میں نے افعال قبائح کو قدرت دیکر بندے سے پیدا کرنا خدا کا کام ہے۔ والے عقیدۂ سنیہ کا عقلی جواب پوچھا مگر قاضی جی نے کوئی تسلی بخش جواب نہ دیا بلکہ اس عبارت کو کتابت کی غلطی فرض کر گئے۔ مگر اصلی و صحیح عبارت پیش نہ کر سکے اور نہ ہی اس غلطی کو غلط قرار دینے کی جرأت کر سکے۔ بلکہ الٹا اس غیر معقول عقیدہ کی تائید میں نامعقول دلائل دیئے۔ اور اس نام نہاد غلطی کو تقویت بخشی۔ اب مطلوب سوال اپنی جگہ تشنۂ جواب ہے۔

۳۔ "رنگیلا رسول" نامی کتاب میں منقولہ کوئی ایسی عبارت پیش کرنے کا مطالبہ سائل نے اپنے تیسرے سوال میں کیا جو کسی شیعہ کتاب سے ہو۔ مگر قاضی صاحب ایک جملہ بھی نقل نہ کر سکے۔ جو اس کتاب کے مصنف نے کسی شیعہ کتاب سے اخذ کیا ہو بلکہ جواب دہ کارہ مہیا کرنے کی بجائے الزامی مطاعن سپرد قلم کر کے دل کی آگ بجھانے کی کوشش کی۔ اور سوال تاہنوز منتظر جواب ہے۔

۴۔ چوتھے سوال میں ہم نے دریافت کیا ہے کہ صحاح ستہ میں سے کوئی مرفوع و متواتر حدیث مروی از یکے از حضرات ثلاثہ بتائی

جائے جس میں انھوں نے کہا ہو کہ آیت استخلاف ہماری خلافت کی دلیل ہے۔ بلکہ مجیب ایک بھی روایت اس مطلب کی نقل نہ کر سکے۔ بلکہ الزامی اور ظنی تو استدلالوں سے دفع وقتی کر گئے۔ جبکہ سوال ابھی تک محتاج جواب ہے۔

۵۔ پانچویں سوال میں آیت قرآنی کے حوالہ سے پوچھا گیا ہے کہ نماز میں کوئی شخص قنوت میں کھڑا نظر نہیں آتا لہٰذا بتائیے کہ آپ کی نماز بمطابق قرآن کیوں نہیں تو قاضی صاحب نے جواب دینے کی بجائے الٹا سائل سے "قانتین" کے معنی پوچھنے ہی کو جواب سوال خیال کر لیا۔ حالانکہ امر مطلوبہ کے ذیل میں ایک لائن بھی لکھی لہٰذا پانچواں سوال بھی حل طلب رہا۔

۶۔ چھٹے سوال کے جواب میں مجیب نے اصلی سوال سے یہ کہکر جان چھڑائی کہ اصلی عبارت پیش کی جائے کہ حضرت عثمان نے بمطابق اتقان سیوطی موجودہ قرآن میں غلطیاں تسلیم کر کے ان کو درست کرنے سے روکا ہے۔ چنانچہ میں نے مجیب کا مطالبہ پورا کر دیا ہے۔ اصل عبارت مع چار مترجمین کا اردو ترجمہ مع حوالہ لکھ دیا ہے۔ اب دیکھئے قاضی جی کیا جواب دیتے ہیں۔؟

بہر حال سوال تا حال لاینحل ہے۔ اور اس میں مندرجہ حوالہ صحیح ہے۔ معلوم نہیں قاضی صاحب نے کیوں لاعلمی کا اظہار کیا۔ خیر اب جبکہ مکمل عبارت مع ترجمہ لکھدی ہے۔ اس پر دیانتدارانہ اپنی قیمتی رائے کا اظہار کریں۔

۷۔ ساتویں سوال میں ہم نے پوچھا کہ اگر شیطان غائب نہ کر

گمراہی پھیلا سکتا ہے تو عالم غیبت میں ہدایت کا سلسلہ جاری کیوں نہیں رہ سکتا۔ لیکن اس سوال کا جواب بھی قاضی صاحب نے نہ دیا بلکہ الزامی سوالات کر کے اپنا دامن چھڑا گئے۔ لہذا سوال اسی طرح مجیب کا منہ تکتا رہ گیا۔

۸۔ البتہ آٹھویں سوال کا انھوں نے اعترافی جواب دیا ہے کہ حضرات شیخین جنازہ رسولؐ بلا دفن چھوڑ کر چلے گئے۔ اور حضرت علیؑ یا حضرت عباسؓ سے کوئی مشورہ نہ کیا۔

(۹) اسی طرح نویں سوال میں "متعہ" کا ترجمہ "زنا" انھوں نے غلط قرار دیا حالانکہ ان کے والد صاحب کا تخنا لہ ایسا ہی ہے۔

(۱۰) مجیب قرآن مجید میں ایسا کوئی حکم دکھانے میں بھی ناکام رہے جس سے ماتم شبیرؑ کرنا حرام ہو۔

المختصر مجیب مولوی قاضی مظہر حسین صاحب بانی تحریک خدام اہل سنت پاکستان میرے سوالات کا تو کوئی غلط یا صحیح جواب مطابق سوالات نہ دے سکے بلکہ غیر متعلقہ اور خارج از موضوع باتوں کو الزامی مباحث کا حربہ اختیار کیا۔ چنانچہ اس راقم ناتواں نے حسب توفیق مجیب کو اس کے ہر جارحانہ قدم پر منہ توڑ جواب دیا۔

قاضی صاحب نے سوال گندم جواب جو کے مترادف اپنے نامکمل غیر کافی اور غیر تسلی بخش جوابات کے بعد اپنی طرف سے بعض سوالات پیش کئے ہیں۔ دعویٰ تو تین سوالوں کا کیا ہے مگر سوال اتنے طویل ہیں کہ اگر میرے جیسا کم علم شخص ان کو پوچھتا تو شاید تین سو سوالات

بنا کر دریافت کرتا تاکہ مجیب کو اور قارئین کو آسانی رہتی ۔ قاضی صاحب کا پہلا سوال صفحہ ۵ سے شروع ہو کر صفحہ ۸۷ پر ختم ہوتا ہے اور دوسرا سوال صفحہ ۸۷ سے صفحہ ۹۶ تک پھیلا ہوا ہے اور تیسرا سوال صفحہ ۹۶ سے صفحہ ۱۲۲ تک لکھا گیا ہے پھر خلاصہ بحث صفحہ ۱۲۲ تا صفحہ ۱۲۶ تک شائع کی گئی ہے۔

ان گورکھ دہندہ قسم کی عبارتوں میں نہ ہی کوئی ربط ہے اور نہ ہی تسلسل جو بھی قاضی صاحب اپنے دل کی بھڑاس نکال سکتے تھے انھوں نے نکال کر اپنے ہم مسلکوں کو نذر میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے اگر قاضی صاحب کی یہ عبارتیں لفظ بلفظ نقل کروں تو کتاب کی ضخامت بڑھنے کا اندیشہ ہے۔ لہذا بہتر یہ ہے کہ اس کو ملخص طور پر نقل کیا جائے اور تمام امور کا جواب دیا جائے اس لئے ہم "عرض حال،، میں قاضی صاحب کے منقولہ سوالات کو بحیثیت سوال نقل کرتے ہیں۔

قاضی مظہر صاحب کے سوالات کا جواب

(۱) شیعہ مذہب کی اصح الکتب اصول کافی کی احادیث میں امام جعفر صادق وغیرہ آئمہ کے صریح ارشادات مذکور ہیں کہ امر دین کا چھپانا فرض ہے اور جو شخص دین کی اشاعت کرتا ہے وہ خدا کے ہاں ذلیل ہے اور جو شخص دین کو چھپاتا ہے جو خدا کے ہاں عزت پاتا ہے اور یہ کہ تقیہ یعنی اظہار خلاف حق میں دین کے ۹ حصے ہیں وغیرہ تو جو شیعہ علماء شیعہ مذہب کی تبلیغ و اشاعت کرتے ہیں وہ اپنے مذہب کے اصول پر اپنے معصوم اماموں کی نافرمانی اور مخالفت کرتے ہیں

راقم پر نکتہ چینی کا جواب

اس سوال کے وضاحت کرتے ہوئے قاضی صاحب نے میری تبلیغی کوششوں پر کڑی نکتہ چینی کرتے ہوئے تحریر کیا ہے کہ میں نے جو شیعہ مذہب کی تائید و نصرت کا طریق کار اختیار کیا ہوا ہے اس کی بناء پر قاضی صاحب موصوف کا یہ دعویٰ ہے کہ میں شیعہ مذہب اور آئمہ معصومین کا شدید ترین دشمن ہوں اور شیعہ مذہب کو بدنام کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور خرچ کر رہا ہوں۔

مجھے قاضی صاحب کے ان ریمارکس پر سخت تعجب ہے کہ ان کو مذہب شیعہ حقہ اور آئمہ اطہار سے کیونکر ہمدردی اور خیر خواہی ہوئی۔ اگر میں شیعہ مذہب کا دشمن ہوں تو قاضی صاحب کو مجھے خراج تحسین پیش کرنا چاہیئے اور شیعان مرتضےٰ کو میرے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنا چاہیئے مگر شیعان حیدر کرار تو مجھے اپنا دوست سمجھتے ہیں جبکہ قاضی جی "تو کون میں خواہ مخواہ" کے مصداق بنکر اپنی سفیانی چالوں سے میرے مشن مقدس میں رکاوٹ پیدا کرنے کی مذموم حیلہ جوئی کر رہے ہیں۔ بھئی اگر میں شیعوں کا دشمن ہوں تو شیعہ جانیں اور میں جانوں آپ کو اس میں ٹانگ اڑانے کی دعوت کس نے دی ہے؟

مجھ پر شیعہ دشمنی کا بے بنیاد الزام عائد کر کے قاضی صاحب اپنے اس غلط دعویٰ کے کچھ دلائل دیتے ہیں جن کا اول یہ ہے کہ "شیعہ مذہب کی تبلیغ و تشہیر ممنوع ہے اور جو شخص شیعہ ہونے کا مدعی بنکر شیعہ مذہب کی تبلیغ کرتا ہے اس کو اللہ تعالیٰ ذلیل و رسوا کرتا ہے اور جو شیعہ اپنے دین و مذہب کی تبلیغ نہیں کرتا بلکہ اس کو چھپاتا ہے اس کو بارگاہ الٰہی میں عزت و وقا

ملتا ہے "۔ قاضی صاحب نے اپنے اس دعوی کے ثبوت میں اصول کافی کی روایت کی یہ عبارت لکھی ہے۔

"فرمایا ابو عبد اللہ (یعنی امام جعفر صادق) علیہ السلام نے اے سلیمان تم اس دین پر ہو کہ جس نے (اس کو) چھپایا خدا نے اسے عزت دی اور جس نے ظاہر کیا اللہ نے اسے ذلیل کیا۔" (اصول کافی جلد ۲ ص۲۲۵)

قاضی جی شیعہ مذہب کی تبلیغ سے خائف کیوں ہیں؟

میں قاضی صاحب سے پہلے یہ دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ آخر ان کو شیعہ مذہب کی تبلیغ اور نشر و اشاعت سے کیا خوف لاحق ہے جو وہ اس روش کو اختیار کئے ہوئے ہیں کہیں ان کو یہ ڈر تو نہیں کہ اگر شیعہ مذہب سے دنیا واقف ہو گئی تو کوئی شخص اپنے مذہب پر قائم نہ رہ سکے گا بھیے بھائی اگر شیعہ کے لئے تبلیغ و تشہیر ممنوع ہے تو اس کی جواب دہی شیعہ پر اور وہ اپنی ذلت و عزت کا خود ذمہ دار ہے۔ آپ کو شیعوں سے کیوں ہمدردی ہو گئی ہے۔ ساری عمر تو آپ نے شیعوں کی مخالفت میں گزاری اور آج ان کی خیر خواہی کا جامہ پہن کر سامنے آ رہے ہیں۔ اور آپ کے خلوص و دیانت کا یہ حال ہے کہ جو دلیل آپ اپنے دعوی میں پیش کر رہے ہیں وہ بھی محرف اور خود ساختہ ہے۔

راز کا چھپانا

قاضی صاحب اگر آپ میں کوئی دینی تحقیق کا ایماندارانہ جذبہ ہوتا تو آپ ہرگز اس روایت کو اپنے دلائل میں تجزیہ نہ کرتے کیونکہ یہ روایت "اصول کافی" کی کتاب الایمان والکفر کے باب عشرہ سے جس کا عنوان ہے "راز کو چھپانا"، اور اس روایت کا

ترجمہ سرکار ادیب اعظم مدظلہ العالی نے الشافی جلد ۲ کے ص ۲۴۵ پر اس طرح کیا ہے۔

"فرمایا ابوعبداللہ علیہ السلام نے اے سلیمان تم اس دین پر ہو کہ جس نے چھپایا خدا نے اسے عزت دی اور جس نے ظاہر کیا اللہ نے اسے ذلیل کیا۔"

روایت میں یا ترجمے میں دین کو چھپا کے رکھنے کا ذکر موجود نہیں ہے بلکہ راز کو چھپانے کی نصیحت کی ہے۔ قاضی صاحب نے ترجمہ میں (اسکو) کا اضافہ کر کے اس روایت میں معنوی تحریف کا ارتکاب کیا ہے حالانکہ اس بات کا عنوان اس کا مفہوم بتا رہا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ راز کا چھپانا کسی بھی ضابطہ میں معیوب نہیں ہے اب چونکہ اس روایت کا تعلق تبلیغ دین سے نہیں ہے لہذا دلیل نا قابل قبول ہے۔

اسی طرح اصول کافی کا امام زمانہ سے مصدقہ ہونا امر مسلمہ نہیں ہے بلکہ عند التحقیق ہے لہذا بار بار ایک غیر مسلمہ امر کا اعادہ کرنا بے سود ہے۔

مسلمہ مستحسن ہے

بین الاقوامی ثقافت و تمدن میں رازداری ایک مستحسن امر ہے اور راز کا چھپا کے رکھنا امانت داری ہے جس کی تعلیم آئمہ اطہار نے دی ہے اور قاضی صاحب کو یہ بات قابل اعتراض معلوم ہوئی ہے شاید اس لیے کہ دو ممدوحہ خواتین نے ایک دفعہ راز رسول فاش کر کے قرآن سے ٹیڑھے قلوب ہونے کی تادیب پائی تھی۔ لہذا ان کو اب راز فاش کرنا ہی اچھا لگتا ہے۔ اور راز کو چھپانا برائی دکھائی دیتی ہے۔

آئمہ کی تعلیمات سائنٹیفک ہیں

کیا اس تعلیم سے آئمہ اطہار کے ارشادات سائینٹفک ثابت نہیں ہوتے ہیں کہ انھوں نے ایسے معاشرتی وسیاسی پہلو پر روشنی ڈالی جس کی اہمیت ہر دور میں یکساں رہتی ہے مثلاً ہدائی اعتبار سے یہ بات ثابت ہے کہ راز کو محفوظ رکھنے والا معزز ہوتا ہے اور راز فاش کرنے والا ذلیل۔ اس میں دین کی تبلیغ پر پابندی کہاں ہے حالانکہ تبلیغ رازداری سے بھی ہو سکتی ہے۔

پس ایک ایسا مذہب جو اس قدر اہم اور مفید اصول کا مخالف ہو وہ اس قابل نہیں ہے اُسے دُنیا کے سامنے پیش کیا جائے اس لئے شیعہ مذہب حق ہے کہ وہ "رازداری" کی تعریف کرتا ہے اور "افشاءراز" کی مذمت۔!

دوسری روایت بھی قاضی صاحب نے "اصول کافی" کے اسی باب سے نقل کی ہے اور اس میں بھی رازداری ہی کی تعلیم ہے۔ نہ کہ تبلیغ کی ممانعت اور تیسری روایت بھی اسی باب کی ہے آپ نے "امر خاص" کو چھپانے کی ہدایت کی ہے نہ کہ دین کی تبلیغ کرنے کو منع فرمایا ہے۔

یہ تینوں روایات عنوان "راز کو چھپانا" کے ذیل میں درج ہیں۔ قاضی صاحب نے تعصب وعناد کے باعث ان کو تبلیغ دین کی ممانعت کے اثبات میں پیش کر کے عدل وانصاف کے تقاضوں پر دن دہاڑے ڈاکہ ڈالا ہے۔ اور مجھے دھمکایا ہے کہ "امام جعفر صادق کے اس فرمان کی روشنی میں مولوی مشتاق صاحب اپنا انجام معلوم

کر سکتے ہیں جو شیعہ دین کی اشاعت و اعلان کی بدولت نصیب ہوگا۔"
میں تو یہی عرض کروں گا میں اپنے انجام بالخیر پر مطمئن ہوں کیونکہ امام جعفر صادق نے کبھی بھی دین کی اشاعت و اعلان کرنے پر ممانعت کا حکم صادر نہیں فرمایا۔ بلکہ انجام کی فکر قاضی جی کریں جنہوں نے ایک صادق فرد آل محمد پر جھوٹ باندھا ہے۔

اچھائی کو برائی سمجھنے کا کوئی علاج نہیں

بعض لوگوں میں اس قدر بغض ہوتا ہے کہ انھیں دوسرے کی اچھائی بھی برائی ہی نظر آتی ہے۔ کچھ اسی قسم کے لوگوں میں جناب قاضی مظہر حسین صاحب ہیں کہ ایک معقول بات کو قابل اعتراض سمجھتے ہیں۔ انھوں نے اصول کافی کی مندرجہ ذیل روایت نقل کی ہے اور اعتراض فرمایا کہ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے مفترض الطاعۃ ہونے کا اقرار نہیں کیا بلکہ انکار کر دیا اور جن مریدوں نے آپ کے امام مفترض ہونے کی تبلیغ کی تھی ان کے متعلق فرمایا کہ میں نے ان کو ایسا کہنے کا حکم نہیں دیا۔

اصول کافی کی یہ روایت کتاب الحجت باب ۳۳ میں زیر عنوان "رسول اللہ صلعم کے ہتھیار اور سامان سے آئمہ علیہم السلام کے پاس کیا تھا" میں اوّلاً درج ہے کہ۔

"سعید روغن فروش سے روایت ہے کہ میں ابوعبداللہ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر تھا کہ زیدیہ فرقے کے دو آدمی آپ کے پاس آئے اور حضرت سے کہنے لگے کیا تم میں کوئی امام مفترض الطاعت ہے حضرت نے (مصلحت وقت پر نظر رکھ کر) کہا۔ کوئی نہیں۔ انھوں نے کہا

ہمیں معتبر لوگوں سے خبر ملی ہے کہ آپ فتوے دیتے ہیں۔ اقرار کرتے ہیں اور قائل ہیں۔ اگر کہو تو ہم ان کو انہوں کے نام بتا دیں۔ وہ فلاں فلاں ہیں جو جھوٹ بولنے والے نہیں اور صاحب زہد و ورع ہیں حضرت کو غصہ آیا فرمایا میں نے ان کو ایسا کہنے کا حکم نہیں دیا۔ جب ان دونوں نے آپ کو غضبناک دیکھا تو وہاں سے چل دیئے۔" قاضی جی نے اپنی مطلب برآری کے لئے روایت کا اتنا حصہ ہی نقل کیا ہے جبکہ اس سے آگے یہ ہے کہ "حضرت نے مجھ سے پوچھا کیا تم ان لوگوں کو جانتے ہو میں نے کہا ہاں یہ ہمارے بازار کے رہنے والے ہیں اور زیدیہ فرقہ کے ہیں وہ گمان کرتے ہیں کہ رسول اللہ کی تلوار عبداللہ بن حسن (ابن امام حسنؑ) کے پاس تھی فرمایا وہ دونوں جھوٹے ہیں۔ خدا کی ان پر لعنت ہو۔ الخ"

معاہدۂ حدیبیہ کی تحریر سے امام صادقؑ کی تقریر کا جواب

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ امامؑ کے پاس جو دو افراد آئے تھے ان کا تعلق مخالفین سے تھا اور وہ تبرکات رسولؐ کو حاصل کرنے کے خواہشمند تھے۔ ان کو معلوم ہوا کہ رسول اللہ کی تلوار اب امام جعفر صادق علیہ السلام کے پاس ہے تو وہ اس کی طمع میں آئے اور بالکل لٹیروں کی طرح سوال کیا کہ تم میں کوئی امام مفترض الطاعت ہے حضرت امام علیہ السلام نے معاملہ کی مصلحت کو بھانپتے ہوئے دشمنوں کو جواب دیا کوئی نہیں۔ یہ جواب نہ ہی جھوٹ تھا اور نہ ہی غیر عاقلانہ

کیونکہ فرقہ زیدیہ کے عقیدہ کے مطابق اُن دونوں کے لئے امامؑ پاک مفترض الطاعت نہ تھے اور چونکہ دشمن تھے اور بدعزائم رکھتے تھے لہٰذا اُن سے حفاظت مبنی بر عقل تھی۔ اگر امام معصوم کا مخفی نزاکت حالات کے پیشِ نظر دشمنوں کو یہ کہہ دینا انکار امامت منصوص ہے تو قاضی صاحب جواب دیں کہ جب صلح حدیبیہ میں سرکار سید الانبیاء رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کافروں کے سامنے معاہدہ صلح میں اپنے کو تحریری طور پر ثبت کردہ جملے کے باوجود "رسول اللہ" ہونے کو کاٹ دیا اور محمد بن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تحریر کیا اس تحریری سند کے اعتبار سے معاذ اللہ یہ خیال ہوسکتا ہے کہ آپؐ سرکار نے اپنی رسالت و نبوت حقہ کا انکار فرمایا۔ اگر حضرت رسالت مآبؐ کا مخالفین کو ایسی تحریر حوالے کر دینا ان کی رسالت پر اثر انداز نہیں ہوسکتا تو پھر آپؐ کے فرزند امام جعفر صادق علیہ السلام کا مخفی دشمنوں کو مصلحت کے تحت "کوئی نہیں" کا جواب زبانی دے دینا کیونکر قابل اعتراض بات ہوسکتی ہے۔

خلیفہ اول خالفہ کہکر بھی خلیفہ کیوں ہیں؟

قاضی صاحب پر سخت افسوس اس بات کا ہے کہ اُن کے خلیفہ اول ساری عمر کہتے رہے میں خلیفہ نہیں ہوں بلکہ خالفہ ہوں مگر اُن کی خلافت پر ان قاضی جی کو اس اقرار کے باوجود قبول ہے مگر امام کا ایک معقول جملہ اُن کے لئے قابل اعتراض ہے۔

اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مسلمانوں کی موجودگی میں کفار کے سامنے تحریراً اپنے نام سے "رسول اللہ" کاٹ دینا صحابہ رسول کے لئے مانع تبلیغ نہیں ہوا نیز حضرت ابوبکر کا خلیفہ ہونے سے انکار کرنا اور خالفہ ہونے کا اقرار کرنا اہل یاران کے لئے "نعرۂ خلافت حق چاریار" پر پابندی ثابت نہیں ہوتا۔ تو پھر امام کے مریدوں پر تبلیغ حق کی ممانعت صرف ایک مصلحتی قول بردہ کے عدو کے استدلال پر کیسے جائز متصور ہوسکتی ہے؟

۲۔ اس کے بعد قاضی صاحب نے تین روایات نقل فرمائی ہیں۔ پہلی میں بازاور شکرا کا شکار حرام یا حلال ہے کا ذکر ہے اور دوسری میں ایک ہی نشست میں ایک مسئلہ کے مختلف سائلوں کو مختلف جواب دینے کا واقعہ ہے اور تیسری روایت میں امام جعفر صادق کا فرمان ہے کہ ہم حق بات کرتے ہیں مگر جب ایسی بات سنو جو تمہارے علم میں خلاف حکم خدا ہو تو سمجھ لو کہ بصورت تقیہ ہے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قاضی صاحب کو ہم سنیوں کے ساتھ صرف بغض برائے بغض ہے اور ان کی تحقیق کا علم و دانش سے کوئی رشتہ نہیں البتہ ریاکاری، شرانگیزی اور منافرت خیزی میں ید طولیٰ حاصل ہے چنانچہ ان روایات پر تبصرہ کرتے ہوئے قاضی صاحب لکھتے ہیں کہ

"مندرجہ بالا حدیثوں سے شیعہ مذہب اور شیعہ اماموں کی حقیقت واضح ہو جاتی ہے۔ حدیث (۱) سے واضح ہوا کہ امام محمد باقر اور امام جعفر صادق دو معصوم اماموں نے ایک ہی چیز کے متعلق متضاد فتوے دیئے۔ ایک نے اس کو حلال فرمایا اور دوسرے نے اس کو حرام قرار دیا۔

اور حدیث (۲) سے ثابت ہوا کہ ماشاء اللہ ایک ہی امام معصوم ایک مسئلہ کے ایک ہی نشست میں تین مختلف جواب دیتے ہیں۔ اور اپنے پرانے وفادار شیعوں کو بھی یکساں طور پر حق بات نہیں بتاتے جو اُن کے لئے ہر طرح قربانی دینے کے لئے تیار ہیں۔ اور حدیث نمبر (۳) سے واضح ہو گیا کہ امام جعفر صادق فرما رہے ہیں کہ ہم نہیں کہتے مگر حق لیکن اسی وقت یہ بھی فرما رہے ہیں اپنے مخلص رازداروں سے کہ اگر ہم سے کوئی بات ایسی سنو جو حکم خدا کے خلاف ہو یعنی وہی امام صاحب جو حق ہی کہتے ہیں اگر کبھی حکم خدا کے خلاف بات فرما دیں تو تم انکی سچائی میں شک نہ کرنا۔ کیوں کہ وہ تمہاری جان بچانے کے لئے حکم خدا کے خلاف ارشاد فرما دیتے ہیں۔ العیاذ باللہ۔ یہ ہے شیعہ مذہب کی اصح الکتب میں امام جعفر صادق کی حق پرستی۔ صاف گوئی اور خدا خوفی کا حال جن کا لقب ہی صادق ہے۔ فرمائیے ان احادیث کے باوجود مولوی عبدالکریم صاحب مشتاق یہی اعلان فرما رہے ہیں کہ واللہ آئمہ اثنا عشریہ (بارہ اماموں) کے علاوہ کوئی امام ایسا نہ ملے گا جو راسخون فی العلم کا مصداق ہو۔ ہمارے مذہب کے تمام احکام سائنٹفک اور فطری ہیں۔ جنہیں خلاف عقل نہیں ثابت کیا جا سکتا۔ واقعی حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد میں ایسے کسی زمانے میں معصوم امام نہیں پائے جاتے جو حکم خدا کے خلاف بات فرماتے ہیں اور جو حلال کو حرام اور حرام کو حلال کہنے میں ماہر ہوں۔ اور جو اپنے جانباز شیعوں کو بھی حق نہ بتائیں اور جن کی دین کی خصوصیت یہ ہو کہ اس کو چھپانے سے جنت ملتی ہے اور اس کے ظاہر کرنے سے دوزخ!

اگر مذہب شیعہ یہی ہے تو صحیح عقل و فطرت والا تو اسے ایک لمحہ کے لئے بھی قبول نہیں کر سکتا ہاں اہل تشیع کی عقل و فطرت پر یہ پردہ پڑا ہوا ہو تو اِن کا معاملہ جُدا ہے۔

پیشتر اس کے کہ ہم قاضی صاحب کی توضیحات پر اپنی رائے کا اظہار کریں ضروری سمجھتے ہیں کہ یہ بحث مسئلہ تقیہ پر ہے لہٰذا اس پر مختصر طور پر تمہیدی معروضات پیش کریں اور بعد میں معترض کے مطلوب کی جانب متوجہ ہوں ویسے تو اس موضوع پر مفصل بحث میں نے اپنی کتاب "تقیہ کیوں ضروری ہے؟" میں قلمبند کی ہے اور ضمناً "ہزار تمہاری دس ہماری" میں بھی اس مسئلہ پر سیر حاصل روشنی ڈالی ہے مگر جواب دہی کی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کے لئے مندرجہ ذیل گفتگو لازمی خیال کی جاتی ہے۔

تقیہ ایک معقول حکمت عملی ہے

بے شک تقیہ ہم شیعوں کا شعار ہے تعداد میں کم ہونے کے باعث کٹھن حالات میں قدیم دور میں تقیہ کی حکمت عملی کو اختیار کرنا پڑا اگر ان برے ایام میں شیعوں کو لباس تقیہ میسر نہ آتا تو آج شیعوں کا نام و نشان اس صفحہ ہستی سے مٹ چکا ہوتا ارتقاء مذہب حقہ کے منازل طے نہ ہو سکتے۔ شیعوں کی اس معقول تدبیر کو نہ صرف قرآن مجید اور احادیث شریفہ سے تائید حاصل ہے بلکہ انسانی شعور، فہم، تدبر اور عقلی منشور بھی اس کے مؤید ہیں چنانچہ اسی تقیہ ہی کو آج کے تہذیب یافتہ دور میں انٹیلیجنس جاسوسی، سراغرسانی وغیرہ کے الفاظ سے جانا جاتا ہے۔ اور انسانی

سیاست تمدن اور ثقافت میں اس کی اہمیت و ضرورت کو محسوس کیا گیا ہے تقیہ ہر اعتبار سے فطرت سے ہم آہنگ ہے چنانچہ اسلام میں اس معقول بات کی سند جواز ہے۔ قرآن حکیم کی بہت سی آیات وافی ہدایات رسولؐ علیم کی احادیث متبرکات بلکہ خود معصومین کے اعمال محکمات سے پوری طرح تقیہ کی اجازت ثابت ہے بلکہ اکثر مواقع پر تاکید و اصرار وارد ہوئے ہیں لیکن مخالفین نے اسے محض شیعوں کا شعار سمجھتے ہوئے سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کی بلکہ از راہِ عصبیت تقیہ کا غلط مفہوم بنا کر مذہب شیعہ کو مورد الزام ٹھہرایا اس کو جھوٹ بنا کر جی بھر کر جھوٹا پروپیگنڈہ کیا اور عوام مسلمانوں کے جذبات تنفر کو ہوا دی

تقیہ کا مطلب

تقیہ کا مطلب یہ ہے کہ جان عزت اور مال کی حفاظت کے لئے اپنے مذہب کو جبکہ مذہب ہی خطرہ کی جان و مال ہو پوشیدہ رکھنا اور اگر خطرۂ جان ہو تو کلمہ کفر کہہ دینے کی بھی اسلام اجازت دیتا ہے۔ تقیہ کے یہ معنی ہرگز نہیں ہیں کہ کسی دنیوی منفعت کے حصول، جاہ و منصب کے لالچ، کسب زر و مال، اقتدار دنیا کی خواہش میں مذہب پر پردہ ڈالا جائے بلکہ تقیہ سے مراد یہ ہے کہ حفاظت جان و مال کے لئے مذہب کو چھپانے کی ضرورت پڑ جائے تو اس پر عمل کرنے نہ کہ زیادتی مال و اقتدار یا مطالب دنیوی کے حاصل کرنے کے لئے۔ مثلاً۔

تقیہ کی ضرورت

ایک شریف النفس عالم مسلمان کسی ایسی بستی میں جاتا ہے جہاں کے باشندے دشمنان اسلام ہیں اور مسلمانوں کے جانی دشمن ہیں وہاں اس کی تبلیغ حق مفید

ثابت نہیں ہو سکتی۔ اور نہ ہی اس کے پاس کوئی کرامت ہے کہ جس کے کرشمہ سے لوگوں کو اپنی حق بات منوا سکے تو اس مقام پر اس کا مسلمان ہونا اگر اس کے لئے جانی طور پر مضرت رساں ہے تو ایسے حالات میں اگر یہ مسلمان ہونے سے انکار کر کے اپنی جان بچا کر بچ نکلتا ہے تو کوئی عقلمند اس کی یہ حرکت مذموم نہ سمجھے گا بلکہ اگر وہ ان کے ہاتھوں موت کے گھاٹ اتر جاتا ہے تو اسے ضدی و بے وقوف سمجھا جائے گا کیونکہ اس کی زندگی کے بچ جانے سے ملت کو فائدہ تھا۔ وہ ممکن ہے کئی افراد کو اپنے علم و ہنر سے فیض یاب کرتا جبکہ موت سے بچنے کی تدبیر نہ کرنے سے قوم کو نقصان ہوتا۔ بے شک اگر اس کی موت برموقع واقع ہوتی تو موثر ہوتی۔ مثلاً میدان جنگ یا مذہب کا التقاء قربانی پر منحصر ہے تو اس کی موت شہادت ہے۔

خداوند کریم نے مسلمان کی جان کو بہت قیمتی شے قرار دیا ہے اس نے اس جان کی حفاظت کے لئے سور کا گوشت کھانے کی اجازت دی ہے جبکہ فاقہ سے اس کی جان معرض ہلاکت میں ہو اور خنزیر کے گوشت کے سوا کوئی دوسرا جان بچانے کے لئے میسر نہ ہو۔ جیسا کہ قرآن میں ہے کہ اتنا کھالو جس سے کہ تمہاری جان بچ جائے۔ معلوم ہوا کہ حفاظت جان کے لئے حرام کھانا اور شراب پینا بنص قرآن روا ہے۔ تو پھر مذہب کو چھپا لینا کیونکر حرام ہو سکتا ہے۔

انبیاءؑ کا تقیہ

اسلام دین فطرت ہے اور سائنس اس کی فطرت کے تابع ہے اس کے تمام احکامات مبنی بر دانش و مصلحت ہیں۔ جان انسانی کا اللہ تعالیٰ نے اس طرح خیال

لکھا ہے کہ علیل و معذور کو اپنی خاص عبادتوں میں رعایت دے رکھی ہے
مثلاً روزہ کی چھوٹ، نماز کا قصر وغیرہ وغیرہ پھر قصص الانبیاءؑ
سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کی ولادت
بھی دشمنوں کے خوف سے پردۂ اخفا میں تقیہ کی حالت میں ہوئی
ان حضرات کی پرورش بھی بحالت تقیہ ہی ہوئی خود سرکار دو عالم
صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے بعثت کے ابتدائی تین سال خفیہ تبلیغ
میں گزارے اور کفار مکہ سے تقیہ کئے رہے۔ شب ہجرت بستر خالی نہ
چھوڑا بلکہ تقیۃً علیؑ کو سلا کر روانہ ہوئے تاکہ بستر خالی دیکھ کر فوراً
تفتیش کے لئے روانہ نہیں ہوں۔

حالت مجبوری میں کلمۂ کفر کہنا جائز ہے

اگر یہ سوال کیا جائے کہ نامساعد
حالات میں مذہب کا چھپالینا تو امر شنیع نہیں مگر بوقت خوف مذہب
بدل کر اس مذہب کو برا کہنا غلط ہے اور یہ سوال بھی صرف وہی لوگ کرتے
ہیں جن کو حالات کی سنگینی سے آگاہی نہیں ہے۔ حالانکہ شریعت محمدیہ
میں مذہب حقہ کو چھپا کر کلمات کفر تک کہنا اور خلاف مذہب باتیں
کرنا تک جائز ہیں۔

مثلاً قرآن شریف میں ہے کہ من کفر باللہ من بعد ایمانہ
الا من اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان ولکن من شرح بالکفر
صدرا فعلیہم غضب من اللہ ولہم عذاب عظیم۔
(سورۂ نحل پ ۱۴)

جس شخص نے ایمان لانے کے بعد کفر کیا سوائے اس شخص کے جو مجبور کیا گیا اور اس کا دل ایمان سے مطمئن ہو لیکن جس نے کفر کے ساتھ سینہ کھولدیا تو ایسے لوگوں پر خدا کا غضب ہے اور ان کے واسطے بہت بڑا عذاب ہے۔

قرآن مجید کی اس آیت سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مومن بحالت مجبوری کفر کا کلمہ کہہ سکتا ہے بلکہ کفر کا اظہار قولاً اور عملاً صورت میں کر سکتا ہے چنانچہ اس آیت کی تفسیر میں امام اہلسنت فخر الدین رازی اپنی کبیر میں لکھتے ہیں کہ حالت جبر و اکراہ میں حفاظت جان کرتے ہوئے کلمہ کفر کہنا جائز ہے بلکہ انھوں نے اس جواز پر اجماع کا دعویٰ کیا ہے ملاحظہ ہو تفسیر کبیر جلد پنجم۔

مفسرین اہل سنۃ کی تفاسیر سے یہی بات ثابت ہوتی ہے کہ ایسے موقع پر تقیہ جائز ہے چنانچہ تفسیروں میں ہے کہ یہ آیت حضرت عمار یاسر رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی جب کہ وہ کفار میں پھنس گئے تھے جناب عمار رضی اللہ عنہ نے ایسی باتیں کیں جو بظاہر ایمان کے خلاف تھیں جس سے کفار خوش ہو گئے تھے۔

واقعہ عمارؓ آیت مذکورہ کی تشریح میں علماء نے لکھا ہے کہ مشرکوں نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو پکڑ لیا اور ان کو ایک کنوئیں میں ڈبویا اور نہ چھوڑا جب تک کہ انھوں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی شان میں بظاہر گستاخانہ کلمات نہ کہے اور مشرکین کے معبودوں کی تعریف نہ کی چنانچہ اس پر ان ظالموں نے حضرت عمارؓ کو چھوڑا اور عمارؓ خدمت رسولؐ میں حاضر ہوئے اور عرض

کیا کہ جب میں کفار میں پھنس گیا تو میں نے خلاف ایمان باتیں کہی ہیں حضورؐ نے فرمایا اے عمارؓ تو اس وقت اپنے دل کو کیسے پاتا تھا۔ آپ نے عرض کیا اے اللہ کے رسولؐ میں اس وقت ایمان سے مطمئن تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا اے عمار اگر پھر کبھی ایسا موقعہ آئے تو اسی طرح کہہ دینا پس آیت بالا کا نزول ہوا۔ ملاحظہ کریں۔

تفسیر در منثور جلد ششم علامہ سیوطی مطبوعہ مصر، تفسیر قاضی بیضاوی جلد اوّل صفحہ ۴۵۳ مطبوعہ لکھنؤ، تفسیر معالم التنزیل مطبوعہ بمبئی۔ صفحہ ۵۱۲ امام بغوی تفسیر کشاف علامہ زمخشری جلد اول صفحہ ۵۲، مطبوعہ کلکتہ وغیرہ۔

مخالفین سے تقیۃً دوستی کی اجازت — سورہ آل عمران کی آیت ۲۷

یعنی ہے کہ "مومنین کافروں کو دوست نہ بنائیں سوائے مومنین کے اور جو مومن ایسا کرے گا خدا اس سے کچھ سروکار نہ رکھے گا مگر یہ کہ تم ان سے خوف رکھتے ہو۔ (تو ایسی صورت میں کفار سے دوستانہ تعلقات قائم کرنا گناہ نہیں)

امام بخاری نے اپنی صحیح کے باب القرآن میں لکھا ہے کہ اس آیت میں لفظ "تقیۃ" سے تقیہ کرنا مقصود ہے اسی طرح علامہ جار اللہ زمخشری نے تفسیر کشاف میں اور امام فخر الدین رازی نے تفسیر کبیر میں اس آیت کے تحت لکھا ہے کہ آیت بالا کی رو سے مومنوں کو اجازت دی گئی ہے کہ دشمنان دین سے موالات و محبت کریں اور جب

کوئی مومن کافروں کے درمیان پھنس جائے اور اپنی جان و مال کا ان سے خوف رکھتا ہو تو ان سے ظاہراً محبت و دوستی کرے اور دل میں انکی مخالفت رکھے چنانچہ اہل سنت مفسرین نے ان دونوں آیات کے تحت تقیہ کے جواز پر اتفاق کیا ہے۔ اور بعض نے مال کی حفاظت کے لئے بھی تقیہ کو جائز قرار دیا ہے۔ اور دلیل یہ دی ہے حضورؐ کا ارشاد ہے کہ مسلمان کے مال کی حرمت اس کے خون کی حرمت کی طرح ہے۔

حضرت حزقیلؑ کا تقیہ

اسی طرح سورۂ مومن ہے کہ "آل فرعون میں سے ایک مرد مومن نے کہا جبکہ وہ اپنے ایمان کو چھپا رہا تھا اس مقام پر قابل غور بات ہے کہ سارے مصر میں اس شخص کو کافر سمجھا جاتا تھا مگر اللہ اس کو ایماندار کہہ رہا ہے اور سارا شخص ہی وضاحت بھی موجود ہے کہ وہ اپنے ایمان کو چھپا رہا تھا لہٰذا باوجود ایمان چھپانے اور کفر ظاہر کرنے کے خدا اس کو مومن کہہ رہا ہے۔ معلوم ہوا کہ جان و مال کی حفاظت کے لیے ایمان چھپانا مضر نہیں ہے جیسا کہ مومن آل فرعون حضرت حزقیلؑ برسوں ایمان چھپائے رہے۔

تقیہ سے عناد محض شیعوں کی مخالفت ہے قرآن مجید سے

تو صاف طور پر تقیہ امر حق ثابت ہو گیا ہے مگر ہمارے اہل سنت بھائی عناد کے جذبات سے اس قدر مغلوب ہیں کہ وہ اپنی ہٹ دھرمی کے سامنے قرآن کے حکم کی کوئی حیثیت نہیں سمجھتے جبکہ شارح مسلم شریف امام

اہل سنۃ نووی نے شرح اربعین میں سورہ مومن کی منقولہ بالا آیت کی شرح میں لکھا ہے کہ "تقیہ" کے اثبات اور جائز ہونے میں کوئی مضائقہ نہیں البتہ عوام الناس (سنی) لفظ تقیہ سے نفرت کرتے ہیں کیونکہ یہ لفظ شیعوں کے مستند امور میں سے ہے۔"

سبحان اللہ کیسا من گھڑت مذہب ہے اہل سنۃ والجماعت کا کہ محض شیعوں کی ضد میں احکامات خدا کو ترک کرنا جائز قرار دیتا ہے۔ اور پھر دعویدار ہے کہ "سنی مذہب حق ہے"۔ شاید حق کی تعریف اُن کے مذہب میں یہی ہے کہ خدا اور رسولؐ، آل رسولؐ کی احکامات کی خلاف ورزی۔!

شیعوں کو چھیڑنے کے لئے بعض غیر شیعہ تقیہ کو منافقت تک کہنے سے دریغ نہیں کرتے ہیں حالانکہ منافق کی نشانی یہ ہے کہ وہ زبان پر ایمان کا کلمہ لاتا ہے اور دل میں کفر کو پوشیدہ رکھتا ہے حالانکہ تقیہ میں بالکل اس کے خلاف ہوتا ہے۔ صحیح بخاری جلد ۴ ص ۲۳ طبع مصر میں حسن بصری سے مروی ہے کہ "التقیہ باقیۃ الی یوم القیامۃ" جب تقیہ قرآن مجید اور سنی احادیث سے ثابت ہے تو پھر محض شیعوں کا شعار سمجھ کر اس کی مخالفت کرنا خدا و رسولؐ کی حکم عدولی کرنا ہے شیعہ بیچارے ہمیشہ مظلوم و قلیل رہے ہیں مخالفین کی کثرت تعصب، نفرت اور مظالم نے ہمیشہ شیعوں کا ناک میں دم کئے رکھا ہے اس لئے شیعہ تقیہ کرنے پر مجبور رہے ہیں۔ اور یہ شعار صرف شیعان مرتضوی کا نہیں بلکہ شیوۂ صحابہ کرام اور شعار مسلمین رہا ہے اب جبکہ تقیہ قرآن و حدیث سے جائز ثابت ہے تو پھر امر جائز ہمیشہ حق

ہو گا۔ اور اس کی مخالفت حق کی مخالفت ہو گی۔

متضاد فتووں کا جواب

اَب قاضی صاحب نے جو روایت ابان بن تغلب سے فروع کافی کی نقل کی ہے جس میں باز اور شکرے کے شکار کردہ پرندے کے حلال و حرام کا ذکر ہے اس روایت میں یہ بیان ہے کہ امام محمد باقرؑ بنی اُمیہ سے تقیہ کرتے تھے اور امام جعفر صادقؑ تقیہ میں نہ تھے لہٰذا جب تقیہ کا جواز موجود ہے تو پھر دونوں باتیں اپنے مقام پر جائز ہوں گی حالانکہ یہ روایت متنازعہ ہے مگر ہم اس روایت پر مفصل جرح اپنی کتاب "تقیہ کیوں ضروری ہے" میں کریں گے۔ تاہم ایک ہی شرعی اَمر دو مختلف اوقات میں حرام و حلال ہو سکتا ہے۔ مثلاً حالت روزہ میں "پانی پینا" جائز نہ ہو گا جبکہ بعد از افطار جائز ہو گا۔ ایک شکار حالت احرام میں حرام ہے مگر عام حالت میں حلال ہے لہٰذا جب تک موقع محل و سیاق و سباق کو پیش نظر نہ رکھا جاوے گا محض اختلاف حکم کو سامنے رکھکر جائز و ناجائز یا حلال و حرام کے بارے میں حق و باطل کا فیصلہ کر لینا حماقت ہو گا۔ حالانکہ اس روایت میں صاف ظاہر ہے مقدم حکم حالت تقیہ کا تھا۔ اور مؤخر بلا تقیہ کے۔!

اسی طرح زرارہ کی روایت میں امام کا ایک ہی مسئلہ کے مختلف جواب دُنیا اُن کے علمی تبحر اور فقہی دسترس کی لاجواب دلیل ہے۔ اور جب تک حالات کے پس منظر سے واقفیت نہ ہو جائے یہ نہیں کہا جائے گا کہ جواب غلط دیئے گئے۔ عام مثال ہے کہ اگر کوئی شرابی حالت نشہ میں آکر کسی مذہبی عالم سے نماز پڑھنے کی بابت دریافت کرتا ہے

اور وہ عالم اس کو نماز نہ پڑھنے کا حکم دے گا اسی محفل میں دوسرا شخص صاحب ہوش و حواس نماز پڑھنے کا استفسار کرتا ہے تو اس کو نماز کی اجازت دے گا۔ اور اسی مجلس کا تیسرا شخص جو کہ مسافر ہے نماز کو پوچھتا ہے تو اسے قصر نماز پڑھنے کا حکم دے گا۔ تینوں احکامات میں بظاہر فرق ہو گا لیکن سب اپنے اپنے مقام پر درست قرار پائیں گے۔ اسی طرح امام نے جو کسی سوال کے مختلف جواب دیئے تو اس کی بہترین مصلحت امام اپنے علم وہی سے بہتر جانتے تھے اسی لئے اگلی روایت میں امامؑ نے خبردار کر دیا کہ ہم جو کچھ بھی کرتے ہیں امر حق ہوتا ہے۔ لہٰذا سامع کو چاہیئے کہ اس پر عمل کرے نیز اس بات سے بھی آگاہ کر دیا اگر پُر خطر حالات میں تمہیں کوئی ایسا حکم ملجائے جو بظاہر تم کو خلاف حکم خدا معلوم ہو تو سمجھ لینا کہ اس کو محض تمہاری حفاظت اور بہتری کے لئے تقیۃً صادر کیا گیا ہے یعنی تم اُس بات کو اختیار کرنا جو حکم خدا ہو۔ اور خدا کے حکم کے خلاف کہی گئی بات کو تقیۃً تصور کرنا۔

شیعہ مذہب ہر حالت میں قابل عمل و معقول ہے

پس حقیقی مذہب قابل عمل وہی ہو گا جو تمام ممکنہ حالات دہر میں لائق اتباع ہو اور شیعہ مذہب کا شعار تقیہ ایسا معتدل طریقہ ہے کہ نامساعد حالات میں ملت کے جان و مال کی محافظت کی ڈھال و سپر ثابت ہوتا ہے جبکہ سنی مذہب ایسے حالات میں اس حکمت عملی کی مخالفت کرتا ہے۔ لہٰذا ناقص قرار پاتا ہے۔ انسانی عقل و فطرت

اس بات کی مقتضی ہیں کہ انسان پُرخطر حالات میں اپنا دفاع کرے اور ضرورت پڑ جائے تو اس مصیبت کے پیش نظر اپنے ایمان و عمل کو پردہ اخفا سے ڈھانپ لے۔ ان حقائق کی روشنی میں اس بات کا فیصلہ عقلمند اور انصاف پسند قارئین کرام کے ذوق خداداد پر چھوڑا جاتا ہے کہ آیا شیعوں کا یہ طرز عمل خلاف عقل و نقل ہے یا ان لوگوں کا جبکہ اہل سنۃ کے ہاں جان و مال کی حفاظت کے لئے جھوٹ بولنا تک جائز بلکہ واجب ہے۔

اہلسنت و شیعہ دونوں کے نزدیک تُقیہ جائز ہے

مشہور اہل حدیث علامہ وحید الزماں نے اعتراف کیا ہے کہ "التقیہ اس کو بھی کہتے ہیں کہ آدمی اپنا اعتقاد دعبادت یا جان جانے کے ڈر سے چھپائے یہ اہلسنّت اور امامیہ کے نزدیک جائز ہے"
(انوار اللغتہ پ۵ صفہ۱۵ عنوان "التقیہ")

مذہب حق وہی ہوگا جو "آسودہ حالی" اور "مشکل اوقات" دونوں حالات پر حاوی ہو۔ صاحب عقل سلیم اسی مذہب کو اپنی نجات کا ذریعہ مانے گا جو برے اور اچھے دونوں حالات میں رہنمائی کرے چنانچہ یہ خوبی صرف مذہب شیعہ ہی کی ہے کہ وہ ہنگامی و عمومی دونوں کیفیات میں یکساں طور پر رہبری اور حفاظت کرتا ہے محض ضد اور ہٹ دھرمی کے لئے ہلاکت و بربادی میں مبتلا ہونے سے روکتا ہے مشاہدہ اور مطالعہ تاریخ سے پوری طرح ثابت ہے کہ

شیعوں کو اس حکمت عملی سے بڑے حوصلہ افزا نتائج نصیب ہوئے ہیں اگر وہ اس معقول و معتدل شعار کو سنیوں کی طرح چھوڑ دیتے تو آج شیعت کا نام بھی لوگ اپنے ذہنوں میں محفوظ نہ رکھتے۔

ہمارے آئمہ کو ہماری جانیں و اموال پیارے ہیں

ہمارے آئمہ کی شان یہ ہے کہ اُن کو اپنے شیعوں کی جانیں اور ان کے اموال و ناموس قیمتی و عزیز ہیں اور حقیقی امام وہی ہوتا ہے جو دین و دُنیا دونوں دارین میں محافظ و رہنما ہو لہٰذا ابو الآئمہ امیر المومنین مولا مشکل کشا علی علیہ السلام نے اپنے مربی و مرشد سید الثقلین اشرف الانبیاء محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اپنے شیعوں کو اسی طرح اجازت دی اگر آڑا وقت سامنے ہو تو دل میں ہماری محبت و ولایت کو رکھتے ہوئے ہمیں بظاہر بُرا بھلا کہہ کر اپنی حفاظت کر لو۔ جیسے رسولؐ خدا نے جناب عمار بن یاسر رضی اللہ تعالےٰ عنہٗ کو اجازت دی تھی۔ چنانچہ امام عالی مقام نے قبل از وقت اپنے شیعوں کو آگاہ کر دیا عنقریب ایسے فتنے جنم لیں گے کہ لوگ بزور شمشیر میرے شیعوں کو مجھے بُرا بھلا کہنے پر مجبور کریں گے لہٰذا تم ایسے خطرناک حالات میں مجبوراً ایسا کر لینا مگر دل سے تم میری ولایت کا ایمان رکھنا اور چونکہ میں دین محمدؐ پر ہوں لہٰذا اُن کی ہی سنت کے مطابق تم کو یہ اجازت دیتا ہوں تاکہ میری محبت تمہارے لئے زحمت ثابت نہ ہو۔

تقیہ کی مخالفت غیر معقول ہے

اب اگر کوئی کلمہ گو

امام برحق کے اس قول کو قابل اعتراض سمجھتا ہے تو اس میں انسانی عقل کا کوئی قصور نہیں بلکہ اس کے ذہنی فتور اور بے جا تعصب کا طبعی نتیجہ ہے۔

ایمان و اعمال کا انحصار قلب و نیت پر ہوتا ہے لہٰذا جب شریعت مقدسہ ایسی رعایت و اجازت دیتی ہے تو اس کا انکار کفران نعمت کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔ حضرت علی علیہ السلام کا حضرت ابوبکر کے پیچھے اپنی نیت سے نماز پڑھنا ہم پہلے ہی اپنی کتاب "سو سنار کی ایک لوہار کی" میں تحریر کر چکے ہیں اور واقعہ سازش قتل امیرالمومنینؑ پر سے پردہ ہٹا چکے ہیں۔ قارئین محولہ کتاب میں مطالعہ فرما سکتے ہیں۔ اسی طرح بیعت علویہؑ کی بحث بھی ہم نے "ہزار تمہاری دس ہماری" میں مفصل پیش کی ہے لہٰذا ان خارج از موضوع اعتراضات کا جواب یہاں لکھ کر کتاب کو مزید ضخیم نہیں کرنا چاہئے جسے شوق ہو ان کتابوں میں پڑھ سکتا ہے اسی طرح احتجاج طبرسی کی عبارتوں اور حق الیقین کے منقولہ اقتباسات جن میں حضرت علیؑ کی بیعت طلبی کے واقعات اور حلیہ پر اعتراض کرنے کا قصہ ہے ہم نے مدلل طریقہ سے اپنی کتاب "ہزار تمہاری دس ہماری"، "سو سنار کی ایک لوہار کی" اور "آگ خانۂ بتول پر" میں بیان کر کے تمام شبہات کا ازالہ کر دیا ہے۔ لہٰذا ان باتوں کی تکرار اس مقام پر بے جا ہے۔ کیونکہ اصل موضوع سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

حضرت مبلغ اعظم سے ناروا بدلہ

حضرت مبلغ اعظم مولانا محمد اسمٰعیل صاحب فاضل دیوبند اعلی اللہ مقامہ نے جواب الاستفسار، لدات جدید جو خطبہ حیدریہؑ کا ترجمہ کیا ہے قاضی صاحب نے اس کو محل اعتراض

بنا کر نقل کیا ہے۔ اور شرافت و آدابِ تحریر کی حدود کو عبور کرتے ہوئے اپنے ایک سابق ساتھی فاضلِ دیوبندی کی شان میں "آنجہانی" کا لفظ استعمال کر کے سخت کدورت بلکہ شقاوتِ قلبی اور تعصبِ ذہنی کا ثبوت دیا ہے مرحوم و مغفور مولانا صاحب کا وجودِ باسعادت دشمنانِ مذہبِ حقہ کے لئے آنکھ کا شہتیر رہا۔ اُن کی مادی زندگی میں کسی ماں کے لال کو اُن کے سامنے زبان دراز کرنے کی جرأت نہ ہو سکی۔ اور استعدادِ علمیہ کی بدولت آپ نے ہمیشہ اپنے مخالفین کو نیچا دکھایا۔ اور ایسا مبہوت کیا کہ دشمن اسماعیل کے نام ہی سے بلوں میں گھس جاتے تھے۔ شکست خوردہ ذہنیت کا مظاہرہ اب اگر ان کی وفات کے بعد گندہ دہنی سے کیا جائے تو ہم یہی سمجھیں گے کہ حضرت مبلغ اعظم کا مرحوم والا ڈنڈا جو بیشتر عدو پر استعمال ہوا ہے اُس کی جلن آج تک محسوس کی جا رہی ہے۔ تاہم مولانا مرحوم نے حقائق کی نشاندہی فرمائی ہے لوگوں کی تحریف فی الدین حمید کا راز افشا کیا ہے۔ ان باتوں میں الجھا کر قاضی صاحب اصل موضوعِ سخن سے ہٹانا چاہتے ہیں۔ حالانکہ معترض کو محض یہ مغالطہ ہے کہ حضرت علیؑ نے تقیہ کیا کیونکہ حضرت امیر علیہ السلام نے اپنے حق کو ہرگز نہیں چھپایا بلکہ برملا مجمعِ عام میں اور صحابہ کے اجتماعات میں اپنا حقِ خلافت بیان فرماتے رہے۔ پورے دورِ ثلاثہ میں آپ نے احتجاج کیا اور اپنے حق میں دلائل و براہین بیان کرتے رہے۔ ہاں البتہ تلوار ہاتھ میں نہ لی۔ اور جب برسرِ حکومت آئے تو باوجود تغیرات کے آپ نے دین میں جبر کر کے ناصر و رہی نہ سمجھا مواعظِ حسنہ سے لوگوں کو اصل دین سے متعارف کراتے رہے۔ جب امامؑ نے ان تمام امور کی نشاندہی فرما دی جن کو سابق

حکومتوں نے مسخ کر دیا تھا تو اب یہ عوام کا بنیادی فریضہ ہے کہ وہ صحیح احکام کی پابندی کرے اور غلط و موضوع امور کو ترک کر دے۔ اور میں نے اپنی کتاب "فروع دین" میں اس مضمون پر کافی مبرہن معروضات سپرد قلم کی ہیں۔

کتاب "ہزار تمہاری دس ہماری" میں ہم نے شیعوں کی تعداد امام مہدی اور رسول اللہؐ کی بیعت کیلئے اہتمام پر سیر حاصل بحث کی ہے اگر قاضی صاحب کتاب شائع کرنے سے قبل اس اصل کتاب کا مطالعہ کر لیتے تو شاید ان فضول مطاعن کو ثبت نہ کرتے اب چونکہ ہماری کتاب طویل ہوتی جا رہی ہے لہذا مجبور ہیں کہ ان فرسودہ اعتراضات کو قابل توجہ نہ سمجھیں کیونکہ پہلے ان کی تردید کی جا چکی ہے اور اب ان باتوں کو دہرانا محض تضیع اوقات ہے۔ البتہ "نظام محمد مصطفےٰ" میں ہم سنی و شیعہ آئمہ کا ایک موازنہ پیش کریں گے۔ اور بکمال اشتیاق امت مسلمہ کو بار دیگر دعوت عام دیں گے کہ آئمہ اثنا عشر صلواۃ اللہ علیہم کے علاوہ کوئی امام منصب ہدایت کے اہل نہیں ہے۔

کتمان مانع تبلیغ نہیں

اب جو قاضی صاحب نے سوال کیا ہے کہ شیعہ مذہب کتمان حق پر مبنی ہے تو پھر ہم شیعہ مذہب کی تبلیغ و اشاعت پر زور دے کر اپنے مذہب کی مخالفت کیا کرتے ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ قاضی صاحب نے ایک بھی روایت ایسی پیش نہیں کی ہے جس سے تبلیغ کا کرنا ممنوع ثابت ہوتا ہو اور تقیہ واجب نہیں ہے بلکہ ضرورت کے وقت جائز ہے اور تبلیغ کو مانع نہیں کہ چھپ کر بھی تبلیغ کی جا سکتی ہے بلکہ خفیہ

تبلیغی سرگرمیاں اکثر مفید ثابت ہوتی ہیں۔ اس لئے تبلیغ نہ ہی مذہب شیعہ میں ممنوع ہے۔ اور نہ ہی تقیہ نشر واشاعت مذہب کو مانع ہے اور چونکہ تقیہ "لنفسہٖ امر حق" ہے لہذا اس کی مخالفت حق کی مخالفت ہے۔

سوال ۲

قاضی صاحب کی اوسان خطائی کا یہ عالم ہے کہ "عرض حال" میں انھوں نے دوسرا سوال کلمہ اسلام کے متعلق لکھا ہے مگر کتاب میں دوسرا سوال آیت تمکین اور آیت استخلاف کی روشنی میں تحریر کیا ہے۔ لہذا ہم کتاب ہی کی ترتیب کے مطابق جواب دیتے ہیں۔ اس سوال کا خلاصہ بایں عبارت مرقوم ہے۔

"قرآن مجید کی آیت تمکین اور آیت استخلاف کی روشنی میں دیکھا جائے تو حضرت علی المرتضٰی سے لے کر امام غائب حضرت مہدی تک بارہ امام قرآن کی بیان کردہ صفات کے تحت سچے خلیفہ ثابت نہیں ہو سکتے کیونکہ قرآن کی موعودہ خلافت کے لئے تمکین دین، غلبہ حکومت ضروری ہے لیکن شیعہ مذہب کے تحت سارے امام تقیہ اور کتمان حق کرتے رہے حتّٰی کہ حضرت علی المرتضٰی اپنے دور خلافت میں بھی شیعہ مذہب کلمہ واذان اور شرعی حدود متعہ وغیرہ کا نفاذ نہیں کر سکے اس لئے ان آئمہ میں کوئی بھی حسب مذہب شیعہ کامیاب خلیفہ قرار نہیں دیا جا سکتا اگر سنی مذہب کے عقیدہ خلافت راشدہ کو خدانخواستہ نظر انداز کیا جائے تو پھر قرآن مجید سورۃ النور کی آیت استخلاف میں قادر مطلق خالق کائنات

عزوجل کا وعدۂ خلافت کسی طرح بھی صحیح اور حق ثابت نہیں ہو سکتا۔ کسی مذہب کو پرکھنے کے لئے ہزار دس ہزار سوالات کی ضرورت نہیں صرف بنیادی اصول ہی غور و فکر کی تحقیق حق کے لئے کافی ہوتے ہیں "

مسئلہ خلافت اصولی ہے

اس سوال کو قاضی صاحب نے کتاب کے صفحہ ۸۷ سے صفحہ ۹۶ تک پھیلایا ہے اور ایک سوال میں کئی استفسارات ظاہر کئے ہیں قاضی جی موصوف کی اس بات سے تو ہمیں بہرحال اتفاق ہے کہ کسی مذہب کو پرکھنے کے لئے ہزار دس ہزار سوالات کی ضرورت نہیں بلکہ صرف بنیادی اصول ہی غور و فکر کی تحقیق کے لئے کافی ہوتے ہیں اور اپنے اسی بیان کردہ اصول کی روشنی میں انہوں نے خلافت و امامت کا مسئلہ بطور بحث منتخب کیا ہے اب قاضی جی سے درخواست کی جاتی ہے کہ وہ بتائیں کیا "مسئلہ امامت" ان کے "بنیادی" "اصول دین" میں شمار ہوتا ہے یا نہیں ؟

اگر جواب ہاں میں ہو تو خلاف واقعہ ہے اور اگر نہیں میں ہے تو پھر ان کا یہ سوال ان کے اپنے اختیار کردہ اصول کے خلاف ہے۔ لیکن جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے۔ صدیوں سے جس اصل کا انکار کیا جا رہا ہے آج قاضی جی اسے بنیادی اصولوں میں اعتقاد کرتے ہوئے پیش کر رہے ہیں۔ یہ پیشکش بلاشبہ مذہب شیعہ حقہ کی حقانیت کی دلیل ہے کیونکہ مذہب شیعہ کے علاوہ کسی دوسرے مذہب میں اس عقیدہ کو اصول دین میں شمار نہیں کیا ہے البتہ اب قاضی جی کو

احساس ہوگیا ہے کہ یہ اصل اصول دین میں بنیادی حیثیت کی حامل ہے۔

جارتنقیحات کا جواب

قاضی مظہر حسین صاحب نے اعتقر الناس کو مخاطب کرکے سوال کیا ہے کہ کہ حضور کی بعثت کا مقصد غلبہ دین ہے۔ اس سلسلہ میں انہوں نے چار اقتباسات قرآنیہ بطور نمونہ نقل فرمائی ہیں اور درج ذیل تنقیحات اخذ کی ہیں۔

(ا) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری زمانہ میں بعثت و تشریف آوری کا مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ اپنے دین کو دوسرے تمام باطل دینوں پر غالب کرے۔

(ب) تمام انبیاء و رسل پر اللہ تعالےٰ کے احکام کی تبلیغ فرض ہوتی ہے اور وہ تبلیغ حق کے سلسلہ میں کسی مخلوق سے کبھی نہیں نہیں ڈرتے وہ صرف ایک اللہ کی عظمت سے ڈرتے ہیں۔

(ج) حسب اعلان خداوندی دور رسالت میں اللہ کا دین غالب ہوا۔ اور لوگ فوج در فوج اللہ کے دین میں داخل ہوتے گئے۔ اور اللہ تعالےٰ کی نصرت سے عالم اسلام کا مرکز فتح ہوگیا۔

(د) اس غلبۂ دین اور فتح مکہ اور فتح عرب کے بعد چونکہ سلسلۂ نبوت ختم ہوجانے کی وجہ سے کسی نبی کی پیدائش متوقع نہیں ہوسکتی تھی اس لئے اللہ تعالیٰ نے غلبۂ دین کو باقی رکھنے اور دین حق کو اطراف عالم میں پھیلانے کے لئے اپنی حکمت کاملہ کے تحت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ایسے خلفاء اور جانشینوں کے ہونے کا وعدہ فرمایا جن کے ذریعہ وہ اپنے دین حق کو طاقت دے اور ان کا سابقہ خوف

زائل کر دے جو کفار و مشرکین کی طرف سے ان کو لاحق تھا۔

ان تنقیحات "ا" "ب"، فریقین میں متفق ہیں۔ اور ہم شیعوں کا ایمان ہے کہ اللہ کا دین ہمیشہ غالب رہا ہے اور خدا کے فرستادہ ہادی کبھی خدا کے علاوہ کسی سے خوف زدہ نہیں ہوئے وعدۂ خداوندی حیات پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں پورا ہوا اور آپ نے خود اپنے دست مبارک سے سلطنت اسلامیہ کی بنیاد رکھی۔

غلبۂ دین محتاج حکومت نہیں

لیکن غلبۂ دین کے لئے کسی سلطنت یا حکومت کا ہونا خدا کی طرف سے شرط نہیں ہے قرآن میں سے ایک آیت بھی اس مطلب کی مؤید موجود نہیں ہے کہ غلبۂ دین کے لئے ارضی حکومت ضروری ہے بلکہ اگر اس روئے زمین پر ایک بھی آدمی دین الہی پر قائم رہے تو بھی دین کا غلبہ ہی ہو گا۔ اگر ہم فتوحات ارضی کو غلبۂ دین کی شرط ٹھہرالیں تو پھر گذشتہ تاریخ میں ہم ایک دن بھی ایسا طالع نہیں بتا سکتے کہ اہل حق اہل باطل پر اقتدار ارضی کے اعتبار سے غالب رہے ہوں لہذا یہ ایسی مفروضہ اور من گھڑت قید ہو گی جس سے وعدۂ خداوندی کی تکذیب ہوتی ہے۔

فاضل قاضی صاحب نے حضرات ثلاثہ کے زمانہ کی جن فتوحات کی جانب اشارہ کیا ہے وہ بھی اس معیار پر پوری نہیں اترپاتی ہیں کیونکہ عہد ثلاثہ میں سلطنت اسلامیہ کی حدود اہل باطل کی زیر اثر اراضیات وعلاقہ جات سے بہت ہی کم تھیں یعنی زمین پر اہل باطل ہی غالب تھے اور محدود خطہ ہائے ارضی پر مسلمانوں کی حکمرانی تھی غلبہ حق

سے مراد فتوحات ممالک نہیں ہے بلکہ تعلیم حق کی فوقیت ہے۔ اور اسلام کی یونیورسل تعلیمات ہی اس کو غیر مسلموں پر فوقیت و برتری بخشتی ہیں۔ لہٰذا اگر یہ وعدہ ہم صرف بعد از رسولؐ برسر اقتدار حکمرانوں کی فتوحات پر تطبیق کریں گے تو ایک تو یہ وعدہ محض وقتی و عارضی ثابت ہوگا کہ کچھ ہی عرصہ بعد مسلمان مغلوب ہو گئے۔ اور دوسرے یہ غلبہ خاص حدود دائرہ تک محیط رہے گا جبکہ کثیر رقبہ ارض میں اہل باطل کا غلبہ تسلیم کرنا پڑے گا۔ پس وعدہ خداوندی کی صداقت کو محفوظ رکھنے کے لئے ضروری ہے فتوحات ثلاثہ کو اس وعدہ کی تعبیر قرار نہ دیا جائے مسلمانوں کو اہل مکہ اور اطراف کے کفار و مشرکین ہی کا خوف تھا جو فتح مکہ کے بعد آنحضرتؐ کی حیات طیبہ ہی میں رفع ہو گیا اور مسلمان بے خوف و پُر امن شہریوں کی طرح زندگیاں گزارنے لگے۔ پس ثلاثہ کی وسعت سلطنت ہرگز اس وعدہ خداوندی کے ماتحت قرار نہیں پا سکتی۔

بحث مِنکُم

قاضی صاحب موصوف نے اپنے اس بیان کی عبارت تحت الباءؔ میں قلمبند کی ہے کہ آیت استخلاف میں لفظ "مِنکُم" سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ وعدہ خلافت ان مومنین صالحین سے ہے جو اس آیت کریمہ کے نزول کے وقت موجود تھے اور سورہ حج پ ۱۷ ع ۱۱ کی آیت تمکین سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ خلافت اور تمکین کا وعدہ ان مہاجرین صحابہ سے ہے جن کو گھروں سے نکالا گیا۔ چنانچہ فرمایا (عربی حذف) ان لوگوں کو جن سے جنگ کی جاتی ہے اس لئے اجازت دی گئی ہے کہ ان پر ظلم کیا گیا تھا اور بے شک اللہ ان کو مدد دینے پر پوری پوری قدرت رکھنے والا

ہے جو اپنے ملک سے صرف اتنی بات کہنے پر نکالے گئے تھے کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے۔ وہ وہ لوگ ہیں جن کو اگر ہم زمین میں تمکین دیں گے تو وہ (باقاعدہ) نماز پڑھیں گے اور زکوٰۃ دیں گے اور نیک کاموں کا حکم کریں گے اور بدی سے مانع ہوں گے اور تمام کاموں کا انجام اللہ ہی کے ہاتھ ہے۔

مندرجہ دونوں آیتوں یعنی آیت استخلاف اور آیت تمکین سے یہ لازم آتا ہے کہ اللہ تعالےٰ مہاجرین صحابہ میں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ اور جانشین بنائے گا اور ان کی اس موعودہ خلافت میں ان کو اسی دین اسلام کی طاقت دے گا۔ جو اس نے ان کے لئے پسند کیا ہے۔"

حکومت ثلاثہ کیلئے استدلال عبث ہے میری گذارش

یہ ہے کہ چار یاری جماعت کا آیت استخلاف سے اصحاب ثلاثہ کی حکومت پر استدلال کرنا عبث ہے کیونکہ اس کا مطلب یا تو خلافت کلی ہوگا یا جزئی اور ہر دو صورتوں میں سنی مقصد پورا نہیں ہوتا کیونکہ اگر معنی خلافت کلی لئے جائیں تو مطلب یہ ہوگا کہ روئے زمین پر آباد تمام اہل باطل پر اہل ایمان کا تسلط قائم ہو جائے جب کہ ایسا خلاف واقعہ ہے اگر خلافت سے مراد غلبۂ جزوی ہے تو پھر یہ وعدہ عہد نبوی میں پورا ہو گیا۔ اور اگر یہ وعدہ عہد ثلاثہ پر منطبق فرض کیا جائے گا تو ماننا پڑے گا زمانۂ رسول میں غلبۂ دین نہ تھا۔ میں نے اپنی کتب "ہزار تمہاری دس ہماری" میں اور "وصی رحمت للعالمین"

میں اس آیت پر تمام پہلوؤں سے گفتگو کی ہے۔ اگر قاضی جی نے مطالعہ کر لیا ہوتا تو مجھے اس تکرار سے بریت حاصل ہو جاتی بہرحال یہ وعدہ جزوی طور پر آنحضرت صلعم کے عہد مبارک میں پورا ہوا اور کلّی طور پر زمانہ آخر میں پورا ہوگا جب تمام دنیا پر حق کا پرچم لہرائے گا اور باطل کی قندیلیں بجھ جائیں گی۔ قاضی جی کی نقل کردہ آیت کے الفاظ "لیظہرہ علی الدین کلہ" یعنی دین الٰہی کو ہر قسم کے دین پر غلبہ حاصل ہوگا ہمارے مختار کی تائید کرتی ہے کہ تسلط کلیہ اور غلبہ کاملہ جملہ اہل باطل پر بوقت ظہور امام قائم علیہ السلام ہی ہوگا کیونکہ تادم تحریر ایسا ہرگز وقوع پذیر نہیں ہوا ہے۔ دین اسلام کو جملہ ادیان پر بلحاظ اقتدار اراضی غلبہ حاصل ہوا ہو۔ عہد نبوی سے آج تک گذشتہ تاریخ میں ایک لمحہ ایسا نہیں مل پاتا چنانچہ اکابر مفسرین اسلام نے متفقہ طور پر لکھا ہے کہ یہ وعدہ بوقت نزول عیسیٰ عہد امام مہدی علیہ السلام میں پورا ہوگا کہ جمیع ادیان مخالفہ پر دین محمدیہ صلعم کا غلبہ ہوگا پس کوئی فرد دوسرے کسی دین پر باقی نہ رہے گی مگر اسلام میں داخل ہو جائیگی، تفسیر جلالین، تفسیر ابن کثیر، تفسیر فتح البیان وغیرہ میں اس آیت کے ذیل میں یہی مضمون سپرد قلم کیا گیا ہے۔ اہل جماعت سنیہ کے مقتدر محدثین و مفسرین نے تحریر کیا ہے کہ اس آیت استخلاف کا شان نزول یہ ہے کہ جب صحابہ نے کہا ہم ہمیشہ خوف زدہ رہیں گے اور کبھی کوئی ایسا زمانہ بھی آئے گا کہ ہم (حفاظتی) ہتھیار اتار کر رکھیں گے۔ (یعنی صحابہ امن کا زمانہ دریافت کرتے تھے اس پر اللہ نے ان کو تسلی دی اور یہ وعدہ فرمایا کہ تم کو کفار مکہ پر تسلط ملے گا۔ اور تم امن سے وقت بسر کرو گے اور یہ زمانہ حضور صلعم کے دور مقدس ہی میں آیا اور اللہ کا وعدہ جو ان صحابیوں سے کیا تھا پورا ہو گیا) ملاحظہ ہو تفسیر خازن جلد ۳

ص۳۷، تفسیر ابن جریر جلد ۱۸ ص۱۰۱، تفسیر درمنثور جلد ۵ ص۵۵ وغیرہ۔

پس ہم کہتے ہیں کہ یہ قول ہماری تائید کرتا ہے کہ زمانہ رسول خدا میں فتح مکہ کے بعد یہ عہد پورا ہو گیا چنانچہ اہل سنت کے جھگڑالو مفسر علامہ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس وعدے کو پورا کر دیا اور اس کے لئے حمد الٰہی اور شکر ہے کہ نبیؐ کے انتقال فرمانے سے قبل ہی خدا نے مکہ و خیبر و بحرین کو آنحضرتؐ کے لئے فتح فرما دیا۔ اور باقی جزیرہ عرب و زمین یمن کامل فتح ہوئی مجوس ہجر سے اور بعض اطراف شام سے جزیہ لینا گیا اور نبیؐ کے پاس بادشاہ روم ہرقل اور مصر و اسکندریہ کا حاکم مقوقس۔ والیٔ عمان اور بادشاہ حبشہ نجاشی نے حضورؐ کی خدمت اقدس میں ہدیہ اور تحائف بھیجے۔

سنی مفسرین نے "لیستخلفنہم فی الارض" کے ذیل میں تحریر کیا ہے کہ اس وعدہ میں پوری امت مسلمہ شامل ہے۔ اور صحابہ سے اس کی وابستگی کے لئے کوئی وجہ (خصوصیت) نہیں ہے کیونکہ ایمان اور اعمال صالحہ کچھ اصحاب ہی کے ساتھ مخصوص نہ تھے بلکہ اس کا واقع ہونا امت کے ہر فرد سے ممکن ہے۔ چنانچہ صاحب ترجمان القرآن اور فتح البیان نے بالوضاحت یہ لکھا ہے کہ "اس شخص کا قول بہت بعید ہے جو کہتا ہے کہ یہ وعدہ خاص ہے خلفاء اربعہ کے ساتھ یا یہ کہ ارض سے مراد ارض مکہ ہے۔ اور تو پہچان چکا کہ اعتبار الفاظ کے عموم کا ہوتا ہے نہ سبب خاص کا" (ترجمان القرآن ص۱۰۷۵، فتح البیان جلد ۶ ص۳۳۶ نواب صدیق حسن بھوپالی)۔

قاضی صاحب کا یہ گمان کہ آیت استخلاف میں "منکم" سے تابعین

ہوتا ہے کہ یہ وعدہ خلافت ان مومنین صالحین سے ہے جو اس آیت کریمہ کے نزول کے وقت موجود تھے لاعلمی۔ کوتاہ فہمی یا تفسیر بالرائے پر منحصر ہے کیونکہ علماء اہل سنت کی رائے یہ ہے کہ اس آیت میں مستعمل "من" تبعیضیہ نہیں بلکہ بیانیہ ہے۔ چنانچہ تفسیر کشاف، تفسیر بیضاوی اور تفسیر فتح البیان میں ہے کہ "الخطاب للرسول والامتہ اولہ ومن معہ ومن للبیان" (بیضاوی جلد ۲ صفحہ ۸۵ مطبوعہ لکھنؤ) یعنی اس آیت میں خطاب رسول کریم سے ہے اور "من" تبعیضیہ نہیں بلکہ بیانیہ ہے۔ علامہ نواب صدیق حسن خان صاحب نے لکھا ہے۔ "الخطاب للنبی صلعم ومن معہ" (فتح البیان جلد ۶ صفحہ ۳۳۵)

مندرجہ بالا اثبات سے معلوم ہوا کہ یہ وعدہ عہد پیغمبر میں پورا ہوا الہٰذا اس آیت کو خلافت سے جدا کرنا محض ظنی بات ہے اس رائے کو قبول کرنے کی صورت میں ایک سقم نمایاں ہوتا ہے۔ کہ لفظی اعتبار سے اگر یہ وعدہ موجود بوقت نزول آیت صحابہ سے تھا تو یہ غیر مومنوں اور نیکوکار لوگوں ہی سے تھا لہٰذا ضروری ہے کہ جب کبھی بادشاہ ہو وہ نیک و صالح مومن ہو لیکن ایسی صورت میں دو اشکال پیدا ہوتی ہیں پہلی یہ کہ جب۔۔۔ وعدہ صاحبانِ ایمان اور صالحین سے ہے تو پھر کیا جو لوگ حکومت اصلی سے محروم رہے کیا وہ ظالم بدین بے ایمان و بدکار تھے یا تھے تو وہ صاحبان ایمان و صالح مگر اللہ نے اُن سے ایفائے عہد نہ کیا بلکہ صرف دو تین افراد کو سلطنت دیکر باقی لوگوں کو نظر انداز کر دیا۔ اس شکل کی دونوں صورتیں مضر ہونگی۔ دوسری شکل یہ ہے کہ جب وعدہ مشروط ہے ایمان و نیکوکاری کے ساتھ تو پھر ضروری ہے کہ عہد کا لحاظ رکھا جائے اور

غیر صالحہ و ناقص الایمان افراد تخت کے قریب آ گئیں لیکن کیا وجہ ہے کہ جلد ہی خدا بھول گیا مومن و صالح لوگوں کی گدی پر یزید اور ولید جیسے فاسق و فاجر اشخاص کو اس عہد کا فائدہ پہنچنا شروع ہو گیا اب یا تو یہ مانیے کہ یہ عہد آپ کی مزعومہ خلافت سے متعلق نہیں یا سرا سر غلط کا انکار کر کے قرآن مجید کی تکذیب کیجئے یا پھر خدا کو وعدہ خلاف ٹھہرائیے۔ ثلاثہ میں جس ایک کو بھی اختیار کریں گے ہلاکت میں پڑ جاؤ گے لہٰذا چوتھی ممکنہ صورت صرف وہی رہ جائے گی جسے شیعوں نے اختیار کیا ہے۔

میں نے مولوی دوست محمد قریشی صاحب کے اسی قسم کے اعتراض کا جواب اپنی کتاب "ہزار تمہاری دس ہماری"، ص۱۱۶ پر یوں لکھا ہے کہ علم کے دروازے سے دور رہنے کا یہ نتیجہ ہے کہ اہل سنۃ علماء ایسی توضیح کر کے اپنی جہالت کا بیّن ثبوت دیتے ہیں۔

محترم قاضی صاحب! "مِنکُم" جمع حاضر کا صیغہ ہے۔ نزول آیت کے وقت اس مخاطب حاضر صحابہ تھے مگر حکم عام ہے کوئی تخصیص نہیں پائی جاتی البتہ "مِنکُم" سے محض شرط ایمان و اعمال صالحہ کی تمیز ہو سکتی ہے مگر حاضر صیغوں سے اور ایسے خطابات سے اگر بقول شما عوام اُمت یعنی مومنین کو خارج کر دیا جائے تو پورے دین کا شیرازہ بکھر جاتا ہے۔ اسلام کے احکام کے مکلف صرف صحابہ رہ جاتے ہیں اور ان کے بعد پوری اُمّت مسلمہ آزاد ہو جاتی ہے۔ جو کسی صورت میں قابل تسلیم نہیں ہو سکتا ہے۔ اس لئے ماننا پڑے گا کہ "مِنکُم" سے مراد تمام اہل ایمان ہیں۔ غور کریں اور واحد جمع حاضر کے صیغوں کو دیکھیں مثلاً حرمت علیکم امھاتکم و بناتکم واخواتکم

وعدکم - الخ میں ضمیر جمع حاضر مذکر ہے - آپ کے زعم باطل کے مطابق
اگر یہ خطاب صرف ان مومنین کے لئے مان لیا جائے جو بوقت نزول آیت
موجود ہیں تو پھر اُن کے بعد کی نسلوں پر مائیں بہنیں وغیرہ سب حلال
ہو جائیں گی اسی طرح کوئی ایک حکم بھی ایسا نہ رہے گا جسے ترک نہ کرنا
پڑے کہ وہ سب کچھ اُس وقت کے موجود اصحاب کے لئے نازل ہوا
تھا لہٰذا یہ مغالطہ پورے دین کا بوریہ بستر گول کر دے گا۔

تمکین کیلئے حاکم ہونا لازم نہیں

آیت تمکین جو سورہ الحج سے نقل کر کے قاضی جی نے کہا

تمکین دین کا وعدہ اُن مہاجرین صحابہؓ سے ہے جن کو گھروں سے نکالا
گیا تھا۔ مجھے اس سے اتفاق ہے مگر اس تمکین ارض سے مراد تخت نشینی
یا غلبہ اقتداری نہیں ہے۔ اگر قاضی صاحب اس سے مطلب حصول
حکومت ارضی لیتے ہیں تو پھر یہ آیت بھی العیاذ باللہ جھوٹی ہوگی کیونکہ
آیت کے مطابق تمکین کا وعدہ اُن حضرات سے ہے جن پر کفار نے
ظلم و سختیاں کی ہیں۔ ان کو مقاتلہ کی اجازت دی گئی ہے ان ہی کو
مدد دینے کا وعدہ کیا گیا ہے کیونکہ اُن کو محض اس بات پر اپنے دیار
سے نکالا گیا کہ انھوں نے اللہ کی ربوبیت کا اقرار کیا لہٰذا وہ ایسے برگزیدہ
نفوس ہیں کہ اللہ اُن کو زمین میں تمکین دے گا تو وہ نماز قائم کریں
گے۔ زکوٰۃ دیں گے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کریں گے۔

اب اس آیت میں تمکین سے مطلب اگر حکومت ارضی ہے تو
پھر ہم دیکھتے ہیں کہ وہ عالی قدر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم جن کو

کفار کی اذیت ناک سختیاں برداشت کرتا پڑیں وہ تو محروم تاج و تخت رہ گئے اور جن کا بال تک بیکا نہ ہوا وہ مسند حکومت پر جلوہ افروز ہو گئے۔
اگر حکومت دینے ہی کا وعدہ تھا تو پھر حضرت بلال رضی اللہ عنہ، حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ، جیسے مظلوم اصحاب کو اس کا موعود کیوں نہ بنایا گیا جن پر ستم و ستم کے پہاڑ توڑے گئے اور ان مخلص اصحاب وفا نے صرف خوشنودی رب العزت کی خاطر تمام مصائب جھیلے مگر ایمان کا دامن نہ چھوڑا اس کے برعکس جو لوگ بادشاہ بن گئے ان کی ہجرت فی سبیل اللہ ثابت ہو جائے تو بھی مکہ میں ان پر کفار کے مظالم کی کوئی دردناک داستان دستیاب نہیں ہوتی نہ ہی اُن کو گھروں سے زبردستی نکالا گیا اور نہ ہی وہ مقاتلہ میں مجروح ہوئے۔ تاریخ سے گواہی ملتی ہے کہ کفار مکہ حضور کے دشمن تھے۔ آپ کے کنبہ سے کینہ و عداوت رکھتے تھے۔ اور ان غریب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر ظلم کرتے تھے جو آپ کی نصرت فرماتے تھے۔ چنانچہ جب ہم وہ خونیں داستانیں پڑھتے ہیں تو رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اُن احباب کی اولالعزمی کس بلندی پر تھی۔ لیکن باوجود اس قدر مصیبتوں کے برداشت کرنے کے وہ مکرم رفقاء، رسول تاجداری کے اہل نہ سمجھے گئے اور ان افراد نے حکومت پر قبضہ جمالیا جن پر نہ ہی کوئی ظلم ہوا اور نہ ہی ان کو زبردستی گھر سے نکالا گیا۔ بنی ہاشم کو جب شعب ابی طالب میں محصور کیا گیا تو تاریخ گواہ ہے کہ حضرات ثلاثہ میں سے کوئی ایک صاحب اس جلاوطنی پر مجبور نہ کیے گئے۔ اور اس قسم کے تفصیلی کلام میں نے "ہزارہ تمہاری دس ہماری" میں کر کے مخالفین کے منہ بند کر دیئے ہیں۔

پس اگر تمکین سے مراد خلافت و حکومت ارضی ہے تو پھر یہ وعدہ اہل افراد کی بجائے نااہل افراد کے لئے ثابت ہوتا ہے اور اگر اس سے مراد زمین میں امن و امان اور بے خوفی سے تمکین ہے تو پھر یہ وعدہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے عہد میں پورا ہو گیا۔ اگر اس تمکین کو ثلاثہ سے منسوب کر لیا جائے تو پھر یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ زمانہ پیغمبرؐ میں تمکین نہ تھی جو خلاف واقعہ ہے۔

عہد ثلاثہ کو دورِ تمکین کہنا محض عقیدت ہے

تاریخی لحاظ سے عہد ثلاثہ کو دورِ تمکین قرار دینا خوش عقیدگی کے سوا کچھ نہیں ہے کیونکہ تمکین حالت امن کی مقتضی ہے جبکہ عہد ثلاثہ پورے کا پورا زمانہ جنگ تھا اور ایام جنگ کو ہنگامی دور کہا جاتا ہے اس لئے دورِ ثلاثہ کو بنظر انصاف تمکین کا زمانہ ہرگز نہیں کہا جا سکتا کیونکہ اس دور میں لوگوں نے ہتھیار اتارنے کی بجائے ہتھیار لٹکائے رکھے۔ اگر اسلام کی تاریخ میں کوئی وقت تمکین ہو سکتا ہے تو وہ صرف حضور اکرمؐ کا زمانہ ہے۔ جب فتح مکہ کے بعد مسلمانوں کو سکھ کا سانس نصیب ہوا اور کوئی قابل ذکر فتنہ نہ اٹھا۔

پھر عہد ثلاثہ میں ایسے حادثات رونما ہوئے جو اس وعدہ کے خلاف ہیں مثلاً فتنہ زکوٰۃ وارتداد زمانہ حضرت ابوبکر میں رونما ہوا۔ آیت میں وعدہ "زکوٰۃ دینے والوں" سے ہے مگر مانع زکوٰۃ موجود نے "زکوٰۃ دی"، اور اس آڑ میں کئی سو مسلمانوں کو تہ تیغ کر لیا

گیا۔ خاندانِ رسولؐ کے حقوق کو پامال کیا گیا لوگوں کو زبردستی اپنی بیعت کا جبہ پہنایا گیا اور ایسی ایسی ریشہ دوانیاں کی گئیں کہ اُن کے اثرات بطورِ خمیازہ آج تک بھگتے جا رہے ہیں۔ اور آئے دن اسلام اپنے ہی خون میں نہاتا رہتا ہے۔ اگر اسی کو تمکین کہتے ہیں تو پھر فساد فی الارض کسے کہا جاتا ہے۔

لہٰذا آیت استخلاف یا آیت تمکین کسی سے بھی یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ اللہ نے ثلاثہ کی خلافت کا وعدہ کیا تھا۔ اگر یہ آیات فی الحقیقت حضرات ثلاثہ کی شان میں نازل ہوئی ہوتیں تو پھر نہ ہی ہنگامہ سقیفہ نمودار ہوتا اور نہ ہی یہ اصحاب اپنے محسن رسولؐ کا جنازہ بلا دفن چھوڑ کر چلے جاتے۔ ہزاروں صحابیوں میں سے کوئی ایک صحابی ان آیتوں کو بیان کر کے ثلاثہ کی خلافت موعودہ پر مہر شہادت و تصدیق ثبت کر دیتا یا خود ثلاثہ اتمام حجت کے لئے یہ آیات پیش کر کے حاکم بن جاتے کسی بیعت طلبی کی ضرورت تھی نہ کسی اجماع و شوریٰ یا نامزدگی کی۔ کیونکہ خدائی عہد ایسے امور کے محتاج نہیں ہوتے ہیں۔

اگر ساڑھے بائیس لاکھ مربع میل سے زیادہ وسیع زمین پر مسلمانوں کا تسلط تمکین دین اور خلافت موعودہ ہے تو پھر سکندر اعظم کی فتوحات کا رقبہ اس سے زیادہ تھا لہٰذا وہ غلبہ بھی خلافت الٰہیہ کے ماتحت مانئے۔ تاج برطانیہ کی زرنگیں حکومت کا یہ حال تھا کہ ان کی سلطنت میں کبھی سورج نہیں ڈوبتا تھا۔ تو کیا یہ عیسائیوں کا غلبہ جو ثلاثہ کے مقابلہ میں بہت بڑا تھا ان کی حکومت و غلبہ کی موجودگی میں دلیل حق ہو سکتا ہے اگر یہ فتوحات ان کی معیار خلافت الٰہیہ نہیں ہیں تو

پھر محدود اسلامی فتوحات کس دلیل پر حقانیت پر مبنی قرار پا سکتی ہیں۔ واضح ہو کہ اللہ کے وعدے سچے، دائمی اور پائیدار ہوتے ہیں اگر یہ فتوحات خدائی وعدوں کے مطابق تھیں تو پھر چند سالوں بعد مسلمانوں کے ہاتھوں سے کیوں نکل گئیں اور جلد ہی اہل باطل کو غلبہ حاصل ہو گیا جو آج تک جاری ہے۔ یہ نہ کہا جائے کہ مسلمانوں کے اعمال خراب ہو گئے لہٰذا اُن کو زوال کیونکہ یہ بات ہا تھ نہ پہنچے کھوکر وجی کے موافق ہے جبکہ اہل غلبہ کے اعمال ہم مسلمانوں سے کہیں زیادہ خراب ہیں۔ ہم میں کم سے کم ایمان کی رمق تو موجود ہے اور کسی وقت خوف خدا بھی آ ہی جاتا ہے جبکہ وہ لوگ جو اس وقت دنیا پر چھائے ہوئے ہیں ان کے اعمال تو شنیع ہیں ہی مگر ایمان کا قطعی فقدان ہے اور بعض سرکش طاقتور اقوام تو خدا کا نام ہی اس دُنیا سے مٹا دینے پر تلی ہوئی ہیں۔

پس اگر ہم حکومت ثلاثہ کو موعودہ خلافت اعتقاد کریں گے تو پھر اسلام کی تکذیب اور قرآن و خدا کے وعدوں کی خلاف ورزی بھی تسلیم کرنا پڑے گی۔ اب یا تو حکومت ثلاثہ کی حفاظت کر لیجئے جو گذر چکی ہیں یا پھر اپنے دین کی حفاظت کر لیں کیونکہ غیر مسلمانوں کو جواب دینے کے لئے آپ کی عقیدت کافی نہیں ہو سکے گا۔

کلی وعدہ کے موعود امام مہدیؑ ہیں

ہم شیعان اہلبیتؑ کے مطابق حکومت مستمرّہ خلافت الٰہیہ ہے ہی نہیں ہے اس لئے ہم حضرت علی علیہ السلام کی ظاہری حکومت کی بنیاد پر اُن کو اس آیت استخلاف یا آیت تمکین

کا مصداق نہیں سمجھتے بلکہ ان آیات کی جزوی تعبیر زمانہ رسولؐ سے منطبق کرتے ہیں اور کلی وقوع زمانہ امام مہدیؑ سے منسلک کرتے ہیں یہی ایک ایسی معقول راہ ہے جسے اختیار کرنے سے خدا کا کلام، اللہ کا رسولؐ اور دین الٰہی سب کچھ حق و سچ ثابت ہو سکتا ہے۔ اس کے خلاف راہ پر باطل نتائج برآمد ہوتے چلے جائیں گے۔ "مِنْکُمْ" کی بحث میں ہم نے بیان کیا کہ مراد اس سے تمام اُمت ہوتی ہے جیسا کہ علمائے اہلسنت نے لکھا ہے لہٰذا امام مہدی علیہ السلام کا بوقت نزول آیت غیر موجود ہونا اس وعید کے لئے مفر و مانع نہیں ہے۔ اور جب تک امام مہدیؑ کو اس آیت کا مصداق نہ مانا جائے گا۔ عملاً اور واقعتہً اس آیت استخلاف کی تفسیر بمعنی حکومت ارضی ثابت نہ کی جا سکے گی لہٰذا معقولیت صرف یہ ہے کہ ایسا غلبہ و تمکین فی الارض کلی اعتبار پر حضرت امام مہدی کے لئے مانا جائے۔

سورۂ محمدؐ کی پیشگوئی

قرآن مجید اور احادیث نبویؐ کی روشنی میں خلافت ثلاثہ بر سر باطل ثابت ہوتی ہے کیونکہ سورۂ محمدؐ میں ارشاد ربانی ہے کہ "وہ وقت بالکل قریب ہے کہ تم لوگ حاکم بن جاؤ گے ارض پر فساد برپا کرو گے اور اپنے رشتے منقطع کر لو گے۔ ایسے لوگوں پر اللہ کی لعنت ہے اور ان کے کانوں کو بہرہ کر دیا ہے۔ اور آنکھوں کو اندھا کر دیا گیا ہے۔

(سورۂ محمدؐ آیت ۲۳ - ۲۲)

ان دونوں آیتوں میں صیغے حاضر جمع مخاطب کے استعمال ہوئے ہیں اور اوّل مخاطبین اصحاب موجود ہیں اور لفظ "ولیتم" بولا گیا ہے جو

جو بہت وسیع المعنی ہے۔ اس آیت سے صریح طور پر ثابت ہوتا ہے بہت قریبی وقت میں مسلمانوں میں سے ایسے حاکم برسرِ اقتدار آجائیں گے جو زمین پر فساد و خونریزی برپا کر کے اپنے رشتے (رسولؐ و عترت) سے منقطع کر لیں گے۔

اب ان آیات کے موافق احادیث ملاحظہ فرمائیے۔

"حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ نبیؐ نے فرمایا۔ اے علیؓ تمہارا اس وقت کیا حال ہوگا جبکہ لوگ آخرت کے مفاد سے قطع نظر کر کے منافع اور مال و دراثت کو بلا تمیز حلال و حرام کے جمع کر کے کھائیں گے اور مال کو نہایت گہری محبت سے محبوب سمجھیں گے اور خدا کے دین کو مکر و فریب کا ہتھیار بنائیں گے۔ اور خدا کا مال غنیمت سمجھ کر آپس میں تقسیم کریں گے۔ (جناب امیرؑ فرماتے ہیں) میں نے عرض کیا میں ان کو مع اس چیز کے جس کو انھوں نے پسند کیا چھوڑ دوں گا۔ اور میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ اور دار آخرت کو پسند کروں گا۔ اور دنیوی مصائب اور اس کی آزمائشوں پر صبر کروں گا حتیٰ کہ انشاء اللہ (بعد موت) آپؐ کو آملوں گا۔ آپؐ نے فرمایا تو نے سچ کہا "یا اللہ تو اس (علیؓ) کو اسی طرح بنا (کہ یہ آخرت کو پسند کرے اور صبر پر قائم رہے)"۔

(کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۶۹)

"حضرت اُمِ سلمہؓ سے مروی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا تمہارے اوپر ایسے اُمراء اور سردار ہوں گے جن کے اعمال کو تم ناپسند کرو گے پس جس نے ناپسندی ظاہر کی وہ ان سے بیزار ہوگا۔ (تبرا کرے گا) یعنی اُمراء اس کو تکلیف دیں گے۔ اور جس نے دل سے ناپسند کر کے سکوت

کیا وہ اُن کے شر سے بچ جائے گا لیکن گناہ اس کا سمجھا جائے گا۔ جو برے اعمال پر راضی ہو کر ان امراء کی متابعت کرے گا۔ صحابہ نے عرض کیا کیا ہم ان کے ساتھ جنگ نہ کریں؟ آپؐ نے فرمایا نہیں جب تک وہ نماز پڑھتے رہیں۔" (مشکوٰۃ باب الامارۃ صد۳۱)

حیاتِ علیؑ میں امراء کون تھے؟

ان روایات میں یہ بات قابل غور ہے کہ بعد از رسولؐ حضرت علی علیہ السلام کے جین حیات تک ایسے کون امراء و حاکم ہیں جن پر قرآن و حدیث کی پیشگوئی صادق آتی ہے۔ رسول اللہ کے فوراً بعد کون لوگ برسراقتدار آئے کہ انھوں نے زمین پر فساد برپا کیا۔ خونریزیاں کیں اور زمانہ رسولؐ والے رشتے اخوت و محبت و مودۃ اور ولایت کے ان لوگوں نے منقطع کیے اور پھر یہ کہ اُن پر لعنت خدا بھی ہوتی ہے۔ احادیث کے مطابق وہ ایسے لوگ ہیں کہ انھوں نے ورثہ کو بلا تمیز حلال و حرام جمع کر کے خود دبا دیا لیعنی اُمت سے زکوٰۃ زبردستی بٹوری اور سادات کا خمس ہضم کیا دین اسلام کو ذریعہ مکر و فریب اغراض نفسانیہ کا بنایا خدا کے اموال پر ناجائز تصرف کیا اور جناب علیؑ نے اُن کے مقابلہ میں حسب تعمیل ارشاد نبویؐ صبر فرمایا۔ مجھے تو بجز ثلاثہ کے ایسے صفات کا متصف حضرت علیؑ کی ظاہری زندگی میں کوئی دوسرا حاکم نظر نہیں آتا ہے ورثہ رسولؐ اللہ کو جس طرح حضرات ثلاثہ نے اپنے تصرف میں لیا اور اقربا رسولؐ خدا کو محروم رکھا اور اپنے اقربا اور حامیوں کی صلہ رحمی کی اور خلافت کے بارہ میں بظاہر

انتخاب اور وصیت بلاحق کا نمونہ بنا کر حقیقی جانشین رسولؐ کو محروم کیا۔
پس آیت استخلاف اور آیت تمکین میں بیان شدہ صفات
کہ حضرات ثلاثہ پر ثابت نہیں ہوتی ہیں بلکہ سورۂ محمدؐ کی پیشگوئی
ان حضرات پر پوری طرح فٹ ہوتی ہے۔

آیت استخلاف میں "وعداللہ" بصیغۂ ماضی

خدا کی پہلی سنت شرط وعدہ ہے

ہے اور وعدۂ استخلاف اُن مومنین صالحین سے مشروط بایں شرط
ہے کہ اللہ ایسے ہی خلیفہ بنائے گا جس طرح اس نے پہلے لوگوں کو بنایا
اور یہ بات اظہر من الشمس ہے ایک کم ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء میں
سے کسی ایک کا خلیفہ کبھی اُمت نے خود منتخب نہیں کیا بلکہ خلیفہ
منصوص ہوا ہے اسی لئے اس آیت کے حقیقی مصداق امام مہدی
کو اُمت اپنی رائے شماری سے حاکم نہیں چنے گی بلکہ وہ خدا کی طرف
سے ہوں گے۔ اگر یہ آیت ثلاثہ کی شان میں ہوتی تو اس آیت
کی تشریح بزبان رسولؐ ضرور ثابت ہوتی کہ اس استخلاف
سے مراد ثلاثہ کی حکومت ہے اگر رسولؐ نے یہ وضاحت اخفاء میں
رکھی ہے تو یہ اُن کی رسالت کے فرض منصبی کی معاذ اللہ کوتاہی
ہوگی۔

خلافت الٰہیہ محتاج تخت حکومت نہیں

استخلاف الٰہیہ محتاجِ اقتدارِ ارضی نہیں ہے کیونکہ ہر نبی خدا کا خلیفہ

ہوتا ہے۔ لیکن بہت کم انبیاءؑ صاحبانِ سلطنت ہوئے ہیں۔ خدا نے اپنا پہلا خلیفہ حضرت آدمؑ کو بنایا لیکن وہ بادشاہ نہ ہوئے حضرت ہارونؑ کو کبھی خلافت ملی مگر بادشاہت حاصل نہ ہوئی ایسے نظائر موجود ہیں کہ خدا کے خلیفے مستحق حکومت ہونے کے باوجود محروم حکومت رہے فرعون و نمرود جیسے غاصب و سرکش تخت پر متمکن ہوئے مگر ابراہیمؑ و موسیٰؑ جیسے اللہ کے خلیفے بلا تاج و تخت اُن پر غالب آ گئے۔

خلیفہ حامل امر کن فیکون ہوگا

ہمارے عقیدہ کے مطابق خدا کا مقرر کردہ خلیفہ ساری زمین پر متصرف ہوتا ہے صرف اُن حدود تک اس کی خلافت محدود نہیں ہوتی جو اس کی زیر سلطنت ہوں بلکہ اس کا کنٹرول ارض و سما پر ہوتا ہے کیونکہ اُس نے نیابتِ الٰہیہ کے فرائض سرانجام دینا ہوتے ہیں لیکن ہوس ملک گیری میں جارحانہ فتوحات خلیفۃ اللہ کے لئے کوئی اعزاز اور فضیلت کا موجب نہیں۔ اگر خلیفہ کے لئے وسعت حدود سلطنت ضروری ہے تو پھر بتائیے کہ ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام نے جو علاقے فتح کئے ان کا حدود اربعہ کیا تھا اور کس بادشاہ کے خلاف انھوں نے جنگ کی؟ جب اللہ کا مقرر کردہ پہلا خلیفہ ارضی فتوحات کے بغیر خلیفہ ہے تو پھر آئمہ اطہارؑ کی خلافت سے کیسے انکار ہو سکتا ہے۔

حقیقی خلفاء آئمہؑ اطہار ہیں

اگر آیت استخلاف کے حقیقی

معنوں میں سمجھا جائے گا تو آئمہ اطہار کے علاوہ تاریخ اسلام میں آپ کو ایک شخص بھی ایسا نہیں مل سکے گا جو اس کا صحیح مصداق ہو۔ وہ حضرات اس قدر مطمئن بے خوف اور نڈر رہتے کہ سب سے بڑے بے خوف "موت" کو شہد سے شیریں سمجھتے تھے وہ موت سے اس طرح مانوس تھے جس طرح شیر خوار ماں کے دودھ سے ہوتا ہے۔ مگر ان سے خوف دور کر کے ان کو نڈر و بے خوف نہ بنا دیا ہوتا تو کس طرح اقتدار سے ٹکر لیتے اور ملوکیت و تاج و سلطنت ظاہری کی ابھی حکومت کا سکہ ہر خاص و عام کے دل پہ بٹھاتے۔ تاریخ شاہد ہے کہ حکومتیں ہمیشہ ان سے خوف زدہ رہیں اور انھوں نے کبھی استبدادی طاقتوں سے ڈر نہ کھایا بلکہ اگر وقت آیا تو بے خطر طاغوتی قوتوں سے ٹکرا کر حیات دوام کے جام نوش فرما لیے۔ جن لوگوں کو آپ ان آیات یا برکات کا مصداق ٹھہراتے ہیں ان کو ظاہری سطوت و غلبہ و حکمرانی تو ضرور حاصل ہوئیں مگر مرتے دم تک وہ ہمارے خلفاء سے خائف ہی رہے انھوں نے لوگوں کو لوٹ مار اور لشکر کشی میں مصروف کر کے زر پرستی کا شکار بنا دیا جبکہ اصلی ائمہ نے علم و حکمت کے جواہر لٹائے انھوں نے تلوار کو سرمایہ اسلام بنایا۔ انھوں نے قلم علم کی متاع عظیم سے دنیا کو روشناس کرایا۔ اور ان کے غلبہ کی شان یہ ہے کہ آج دوست دشمن سب ان کو پیشوا مانتے ہیں ان کی نذر و نیاز میں لاکھوں روپیہ صرف کرتے ہیں لیکن آپ کے بادشاہوں کے نام پر ایک پائی کی خیرات بھی سائل کو نصیب نہیں ہوتی اب انصاف کریں اصلی حکومت، غلبہ صحیح، تسلط ان بے تاج خدائی تاجداروں کا ہے یا ان سلاطین کا جن کی سلطنتیں آثار قدیمہ بن چکی ہیں خدائی خلیفوں کے غلبے کا سب سے بڑا ثبوت فی الحال یہ ہے کہ کروڑوں کی تعداد میں

لوگ اُن کے نام کے کلمے پڑھتے ہیں زبان سے جو نہیں پڑھتے وہ اس کے سوا کوئی چارہ نہیں پاتے کہ نہیں ان کی محبت جزو ایمان ہے جمہوری دور میں اگر آپ کے خلیفوں اور میرے خلیفوں کی حقانیت کا ریفرنڈم ہو جائے تو میرے خلفاء کے حق میں آپ کبھی ووٹ دیں گے اور نہ شیعہ بھی بلکہ آپ کے ثلاثہ کو صرف آپ ہی کے ووٹ ملیں گے۔ لہٰذا حقانیت کا جمہوری فیصلہ میرے اماموں ہی کے لئے مفید ہوگا۔ پس آیت استخلاف یا آیت تمکین کو کسی طرح کا بھی واسطہ ثلاثہ کی حکومت کے ساتھ نہیں ہے۔

تین مسلّمہ امور کا جواب

قاضی جی نے حسب معمول خلاف موضوع اس سوال میں تین امور مزید وضع کئے ہیں جو ان کے نزدیک کتب شیعہ میں مرقوم روایات کی روشنی میں اس بات پر مستدل ہیں کہ آیت استخلاف حضرت علی علیہ السلام کی خلافت کے لئے دلیل نہیں ہے یہ امور مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) "جس کتاب خداوندی کا انھوں (علیؑ) نے نظام حق جاری کرنا تھا اور جو انھوں نے بڑی محنت و کاوش سے مرتب کی تھی اسی (اصلی قرآن) کو تو آپ نے انتہائی غصہ سے مغلوب ہو کر بالکل ہی غائب کر دیا اور قرآن کے بعد پھر بارہویں امام بھی بالکل غائب ہو گئے۔"

علیؑ وارث و محافظ کتاب ہیں

خلیفہ رسول خدا ہونے کے سبب اور وارث کتاب

ہونے کے باعث کتاب الٰہیہ کی حفاظت حضرت علیؑ کے فرائض منصبی میں تھی لہٰذا انھوں نے اس کی حفاظت کے لئے مناسب قدم اٹھایا متخلفین ثقلین کو اس کی زیارت سے محروم رکھا۔ اس لئے کہ اس کو چھونے کے لئے طہارت کی شرط ہے۔ لہٰذا علم کا کل خزانہ نا اہل افراد کے حوالہ کرنا انتہائی حماقت تھا اس لئے قرآن ناطق نے قرآن صامت کو مطہرین کے حوالے کیا اور منکرین قرآن کو اس کے قریب بھی آنے نہ دیا۔ اتمام حجت کے لئے برسر عام اعلان کر دیا کہ بروئے حدیث ثقلین ہم ہی قرآن کے دائمی ساتھی ہیں جن میں جدائی ممکن نہیں ہے۔ اگر ہدایت درکار ہو تو ہماری طرف رجوع کرو۔ البتہ جبری بیعت، اکراہی دعوت اور متشددانہ کارروائیوں سے گریز کرکے اپنے صابر و مطیع پیغمبرؐ ہونے کا ثبوت دیا۔ اس مسئلہ پر مفصل بحث دیکھئے ہماری کتاب "حقیقت تحریف قرآن" میں اور بارہویں امامؑ کی غیبت پر فریقین متفق ہیں۔ لہٰذا بحث بیکار ہے۔

(۲) "خلفائے ثلٰثہ کے دور خلافت میں شیعوں کے خلیفہ بلافصل حضرت علیؑ اتنے بے بس اور مغلوب تھے کہ مہاجرین و انصار میں سے (جو رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی مخصوص فیض یافتہ جماعت تھی اور جنہوں نے ہجرت کے بعد آٹھویں سال سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں مرکز اسلام مکہ کو فتح کر لیا تھا جس جماعت کے ذریعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات طیبہ میں حکومت الٰہیہ قائم فرمائی تھی اور جن پر اللہ تعالیٰ نے اپنے راضی ہونے کا اعلان فرما دیا تھا۔) صرف تین صحابہ نے حضرت علیؓ کی خلافت کی

حمایت کی یعنی مقدادؓ ۔ سلمانؓ فارسی ۔ اور ابوذر غفاریؓ اور دوسرے صدیقی
ہیں ہی سے خیرخواہ اس قدر مغلوب ہو چکے تھے کہ خاتونِ جنت (حضرت
فاطمۃ الزہراؑ) نے بڑا سخت طعن دینے کہ آپ کو اٹھانا چاہا لیکن
آپ تحفظ خلافت کی خاطر میدان میں آنے کی جرات نہ کر سکے ۔
اس میں محلِ طعن کا کوئی جواز نہیں

حوادث بمطابق خبر

ہے کہ قلت کو کثرت پر مدح و توصیف
حاصل ہے حضرت موسیٰؑ کی عارضی غیبت کے بعد ان کے قائم مقام
حضرت ہارونؑ کے ساتھ بھی یہی حالات پیش آئے اور ان سب حوادث
کی خود خدا نے سورۂ محمدؐ کی آیت میں پیشنگوئی کر دی اور رسولؐ نے
حضرت علیؑ کو آگاہ کر دیا ۔ چنانچہ ابن حجر مکیؒ نے صواعق محرقہ میں
لکھا ہے کہ " تحقیق اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیؐ کو اس امر کی اطلاع دی تھی
جس کے ساتھ حضرت علیؑ بعد رسولِ خدا کے مبتلا ہوئے ۔"
(صواعق محرقہ صہ ۲)

اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے ازالۃ الخفا جلد اوّل صہ ۱۲۵ پر
اعتراف کیا ہے کہ حضرت علیؑ نے کہا " بتحقیق منجملہ ان کے جو نبی نے میرے
ساتھ عہد کیے ایک یہ ہے کہ امت قریب زمانہ میں نبیؐ کے بعد مجھ سے
متنفر ہو جائیگی اور علامہ سیوطی نے خصائص کی جلد ۲ صہ ۱۳۵ پر لکھا
کہ علیؑ نے فرمایا مجھے خبر ملی ہے کہ بعد نبیؐ کے بہت جلد امت مجھے ناپسند
کرے گی ۔

پس یہ ایسے امور ہیں جنکو قبل از وقوع ہی بیان کر دیا گیا اور
حضرت امیرؑ کو صبر کی تلقین کر دی گئی ۔ لہٰذا ان عوارض سے نہ ہی خلافۃ

کی حکومت کو سند خلافت الٰہیہ نصیب ہو سکتی ہے۔ اور نہ ہی آئمہ اطہارؑ کی خلافت حقہ کو ضعف آسکتا ہے۔ کیونکہ حکومتی غلبہ شرط خلافت ہی نہیں ہے۔ بی بی پاک سیدہ طاہرہ کے بارے میں جس طعنے کا ذکر معترض نے کیا ہے۔ وہ ہمارے ہاں ثابت نہیں اس کے قطعی اثبات "سو سنار کی ایک لوہار کی" اور "ہزار تمہاری دس ہماری" میں دیکھیں۔

سنی کتب صحاح میں کتاب الفتن، اور کتاب الحوض والی روایات جن میں اصحاب کا دوزخ میں داخل ہونا مرقوم ہے اس بات کی شاہد ہیں کہ بعد از رسولؐ صحابہ نے دین میں رخنہ اندازی، شریعت میں تبدیلی اور منصب حقہ میں احداث پیدا کئے۔ مگر حضرت امیرالمومنینؑ اور دیگر آئمہ اہلبیتؑ نے ان کی نشاندہی کر کے عوام الناس کو صحیح تعلیمات سے روشناس کرایا۔ لیکن چونکہ جبری نفاذ شریعت میں روا نہیں لہٰذا بزور طاقت ان اصلی تعلیمات کی نشر و اشاعت نہ کی گئی بلکہ مواعظ حسنہ کا موثر طریقہ استعمال کیا گیا حضرت علیؑ کو جب حاکم بنایا گیا تو انہوں نے بدعات و منہیات کی روک تھام کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا۔ اور لوگوں کو ان امور سے مطلع کیا جن کو ان سے قبل حکومتوں نے اپنی مرضی سے دین میں داخل کئے تھے۔ ہدایت و گمراہی میں امتیاز پیدا کیا لیکن ان مفاسد و قبائح کا فوری طور پر سدباب طاقت کے بل بوتے پر کرنے سے اجتناب کیا کیونکہ اصلاح معاشرہ بتدریج مراحل وار سودمند ہوتی ہے اور سالہاسال کی عادات کو فی الفور بدلنے کی کوششیں

حماقت سمجھی جاتی ہیں۔ اگر حضرت علیؑ ان امور کی نشاندہی نہ کرتے جو بعد از رسولؐ حکمرانوں نے رواج دیئے تھے تو پھر آج ہم کو ان سے واقفیت کیسے ہوتی۔ آپ کا دور حکومت اندرونی خلفشاروں کی نذر رہا۔ اور اس مختصر دور اقتدار ظاہری میں آپ نے افہام تفہیم، تعلیم و تعلم اور وعظ و نصیحت کو ذریعہ تبلیغ دین بنائے رکھا۔ اور اپنی رائے اور تعلیمات کو لوگوں کے سر زبردستی نہ تھوپا۔ یہی وجہ ہے مذہب آل محمدؐ کو آج تمام دیگر مذاہب پر برتری حاصل ہے۔ ورنہ مسلمانوں کے پاس اس الزام سے بچاؤ کا کوئی طریقہ نہ تھا کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے امیرالمومنین، اسداللہ الغالب، غالب علی، کل غالب جیسے شہ زور تلوار زن نے تلوار پھینک کر میدان تبلیغ میں قلم اور کلام کے ہتھیار سنبھالے اور یہی راہ آپ کے جانشینوں نے اختیار کی۔ پس یہی ان حضرات کے خدائی خلیفہ، حقیقی امام اور ہادی برحق ہونے کی یکتا دلیل ہے کہ انھوں نے بلا تاج و تخت، بغیر فوج و لشکر اور بے زر و جواہر لوگوں کی پیشانیوں کو اپنے سامنے خم کرنے کو مجبور کر دیا۔ ثلاثہ نے تلوار کے ذریعہ حکومت کی جبکہ علیؑ اور ان کے فرزندوں نے علم و شرافت کے سہارے اپنے نام کے سکے رائج کئے۔ پس ہم تلوار کی فتوحات کے قائل نہیں ہیں۔ بلکہ قلبی فتح مندی کے داعی ہیں۔ ہم اس خلیفہ کو خلیفۃ اللہ مان سکتے ہیں جو میدان حرب و علم و فنون میں یکساں طور پر غالب رہے۔ مسند ہدایت پر ہو تو منبر سلونی بنا دے۔ میدان جنگ

۱؎ آنحضرت کی حدیث متفق ہے کہ میں نے تنزیل قرآن پر جنگ لڑی ہے علیؑ تاویل قرآن پر جنگ لڑے گا۔

میں آئے تو لوگ اُس کے نام کے نعرہ ہی سے لرز جائیں۔ اگر سر کٹ بھی جائے تو نیزہ پر بلند رہتے ہوئے قرآن حق کی آواز بلند کرے۔ حق کا بول بالا کرے اور سر فراز ہو۔ اب خود فیصلہ کیجئے کہ جو کامیابی اور تسلط و غلبہ میرے اماموں نے بلا تاج و تخت حاصل ہوا۔ وہ آپ کے ثلاثہ کو صاحبان حکومت ہو کر بھی نصیب ہوا؟ میرے اماموں پر درود پڑھو گے تو نماز قبول اور آئمہ ضالین و ظالمین و غاصبین سے جب تک برات کا اقرار نہ کرو گے تو قیام کی قرأت صحیح نہ ہو گی۔ پس خداوند سبحان نے نماز میں آل محمدؐ پر درود پڑھنے کو واجب قرار دیکر ان کی حکومت الہیہ پر مہر تصدیق ثبت کر دی ہے جب تک مسلمان ان کا کلمہ عماد الدین عبادات میں نہ پڑھے گا اس کی نماز قبول نہیں اور یہ عمل کم سے کم ہر روز پانچ مرتبہ ہر کلمہ گو کو کرنا ضروری ہے ورنہ گنہگار و جوابدہ ہے جبکہ نام نہاد خلیفوں کو اس شرف سے محروم رکھا گیا ہے۔

علیؑ ولی اللہ خلیفۃ الرسول اللہ کا تسلط

جملہ کائنات پر ہے!

یہ جواب قاضی جی اپنے تیسرے پیرائے بیان کا وصول کریں جس میں انھوں نے حضرت علیؑ اور آئمہؑ کی مقبولیت کے بارے میں طنز کیا ہے۔ اور سید باقر حسین صاحب بھی نوٹ فرما لیں کہ احقر الناس عبد الکریم مشتاق

جواب دیتا ہے کہ علیؑ کی خلافت اس قدر کامیاب خلافت ہے کہ ان کا تصرف و غلبہ دیکھ کر لوگوں نے اُن پر خدا ہونے کا شبہ کیا ہے۔ شیعوں نے مظہر خدا مانا ہے۔ سُنیوں نے سید الاولیاء تسلیم کیا ہے۔ نظام شمسی پر اُن کا کنٹرول ہے کہ سورج ایک انگلی کا اشارہ پاتے ہی پلٹ آتا ہے۔ ثلاثہ اُن سے ہدایت لینے پر مجبور نظر آتے ہیں اور اعتراف کرتے ہیں کہ یہ نہ ہوتا تو ہم ہلاک ہو جاتے۔ مگر وہ دعویدار ہے کہ پوچھ لو مجھ سے جو چاہو قبل اس کے کہ مجھے نہ پاؤ۔ میں زمین کی نسبت آسمان کے راستوں کو زیادہ جانتا ہوں۔ پس میرے مولا کی خلافت اس قدر کامیاب ہے کہ آج بھی اس کا نام لیتا بگڑی بنا دیتا ہے جس نے کہا علیؑ اس کی بلا ٹلی۔ کامیابی اس کو کہتے ہیں جو دائمی ہو۔ عارضی کامیابیاں کسی اہمیت کی حامل نہیں ہوتی ہیں۔ علیؑ کا نعرہ آج بھی بلند ہے جبکہ ثلاثہ میں کسی کا نعرہ رائج ہی نہ ہوا۔ تو آپ انصاف سے بتائیے۔ میرا خلیفہ کامیاب ہے کہ نہیں جس کا نعرہ آج بھی زبان خاص و عام پر ہے۔ باقی دنیوی بادشاہت کسی گنتی میں نہیں کہ ثلاثہ سے کہیں بہتر ان سے پہلے اور ان کے بعد سلاطین برسر اقتدار آتے رہے۔ اور آتے رہیں گے۔ لیکن جس شان کی خلافت حقیقی خدائی خلیفوں کو حاصل ہوئی ہے کسی تاجدار و تخت آور کے حصے میں نہیں آئی ہے۔

پس کتاب و سنت کی روشنی میں اگر خلافت ثابت ہوتی ہے صرف آئمہ اطہارؑ کی جو بظاہر گو دنیا سے گئے۔ آزمائش میں مبتلا رہے لیکن اس کارخانہ ہست و بود کی ہر شئے پر اُن کا تصرف رہا اور

ہے۔ یہی نیابت خداوندی، وصایت نبوی اور خلافت الٰہیہ کا خاصہ ہے کہ مادیت و روحانیت دونوں پر تصرف ہے۔ خلیفہ صاحب امر کن فیکون ہو۔ ہر شے اس کی مطیع ہے۔ اور سوائے خلفاء اہل بیتؑ کے یہ خوبیاں کسی بھی بڑے بادشاہ میں موجود نہیں ہیں۔

امن خونریزی سے بہتر ہے

القصہ مختصر زمانہ منقول کی نسبت معقول کی طرف راغب ہے لہذا ہم بھی معقولیت کے تحت بلا امتیاز مذہب و ملت دنیا کے ہر ذی مکتب کو دعوت عام دیتے ہیں کہ فیصلہ کرے کہ خونی انقلاب بہتر ہوتا ہے یا یہ امن انقلاب ذہن و قلب کو متاثر کرنے والی فتح بلا ہتھیار اعلیٰ ہوتی ہے یا بندوق و اسلحہ سے زیر نگیں غلبہ؟ کوئی بھی امن پسند شہری ڈنڈے کے زور کو شفقت محبت کی تھپکی پر فضیلت نہیں دے سکتا یہی وجہ ہے خدا نے اپنے خلیفوں کے لئے اجر رسالت مودہ و محبت قرار دیا اور غاصب امراء کے لئے مفسد فی الارض اور قاطع الارحام ہونا مقدر کیا۔ اب ہم اسی بنیادی اصول پر غور و فکر کرکے بڑی آسانی سے اس نتیجہ پر پہنچ سکتے ہیں کہ باوجود نامساعد حالات کے آئمہ اہلبیتؑ کی معقولیت و عقیدت جو اہل اسلام میں موجود ہے وہ کسی مادی طاقت غلبہ یا تسلط کی مرہون منت نہیں ہے اور ان کے مخالفین کی مدح سرائی کے قصائد صرف قلم کی بجائے نوک تلوار سے شائع کی جاتی ہے۔ اب تمکین و خلافت موعودہ کے مصداق وہی خلفاء برحق ہوں گے جن کی خلافت کا اقرار ہر نمازی پر بوقت نماز واجب قرار دیا گیا

ان کی حقانیت کی ایسی وزنی دلیل ہے جس کو توڑا نہیں جا سکتا ہے پس شیعہ خلفاء کی کامیابی کے لئے اُن پر نمازیں درود کا پڑھنا
اس کے برعکس اگر خلفاء اہل سنت کو مصداق آیات تمکین و استخلاف ٹھہرایا جائے تو اُن کی حکومت کو حق ثابت کرنا تو دور کی بات ہے۔ ماخذ دین قرآن المبین کی حقانیت مشکوک ہو جاتی ہے۔

سوال نمبر ۳

قاضی صاحب کا سوال ۳ صفحہ ۹۶ سے لے کر صفحہ ۱۲۶ تک یعنی اکتیس صفحات پر مشتمل ہے اور اس کا خلاصہ انھوں نے عرض حال میں ان الفاظ میں لکھا ہے اور ہم نے اسکو سوال ۲ کے تحت تحریر کیا ہے۔

"شیعوں کا کلمہ اسلام و ایمان جس میں علی ولی اللہ وصی رسول اللہ و خلیفہ بلا فصل کے الفاظ ہیں بالکل من گھڑت ہے۔ رسول امین رحمت للعالمین حضرت محمد رسول اللہ صلی (اللہ علیہ و آلہ وسلم) نے کسی شخص سے بھی کلمہ اسلام میں توحید و رسالت کے اقرار کے ساتھ حضرت علی کے خلیفہ بلا فصل ہونے کا اقرار نہیں کرایا اور نہ ہی حضرت علی المرتضیٰ حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ سے اس کا ثبوت ملتا ہے۔

(ب) اسی طرح شیعوں کی مروجہ اذان بھی بے بنیاد ہے جس میں علی ولی اللہ وصی رسول اللہ و خلیفہ، بلا فصل اعلان کیا جاتا ہے۔ شیعہ علماء اس کا کوئی ثبوت پیش نہیں کر سکتے تو جس مذہب شیعہ کا کلمہ اسلام و ایمان اور جس مذہب کی اذان کا کوئی ثبوت حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد و عمل سے ثابت

نہیں ہو سکتا وہ مذہب کیونکہ حق ہو سکتا ہے اور اس مذہب کی دعوت کیونکہ صحیح ہو سکتی ہے"۔

"اس سوال کی وضاحت کرتے ہوئے قاضی جی نے لکھا ہے کہ دین کا اصل الاصول کلمۂ اسلام ہے۔ تمام ملت اسلامیہ کا اجماعی طور پر ایک ہی کلمہ اسلام ہے جو دور رسالت اور دور خلافت سے لے کر آج تک متواتر چلا آتا ہے یعنی لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔

شیعہ کو انکار نہیں

کسی شیعہ نے اس بات سے انکار نہیں کیا ہے کہ کلمہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ، کلمہ اسلام نہیں لہٰذا ایک امر مسلمہ کو متنازعہ قرار دینا محض ایک شاخسانہ اور گہری سازش ہے۔

کلمہ قرآن میں نہیں ہے

البتہ یہ کہنا کہ یہ کلمہ قرآن مجید میں مرقوم ہے خلاف واقعہ ہے جیسا کہ قاضی صاحب نے کہا ہے کہ "سواد اعظم اہل السنت والجماعت (اور تمام امت مسلمہ جس کلمہ اسلام وایمان کا اقرار کرتے ہیں اس کے الفاظ بھی قرآن مجید سے ثابت ہیں"۔

قرآن مجید میں یہ کلمہ "لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ" کسی جگہ یہ موجود نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص یہ کلمہ قرآن مجید میں بایں الفاظ لکھا ہوا دکھا دے تو اسے منہ مانگا انعام دیا جائے گا۔ اور اگر یہ ملحوظ کیا جائے کہ اس کے اجزاء بھی علیحدہ علیحدہ قرآن میں موجود ہیں تو اس طرح کی جسارت تحریف فی القرآن ہوگی کیونکہ یہ

دونوں اجزاء بھی علیحدہ علیحدہ قرآن میں موجود نہیں ہے۔ البتہ سورہ محمد میں فاعلم انہ لا الہ الا اللہ کا جملہ ہے جس میں پہلے دو الفاظ کاٹ کر بقیہ حصہ جزو کلمہ ہوگا۔ اور ایسی قطع و برید ممنوع و مقدوح ہے کہ اللہ کے کلام میں کاٹ چھانٹ کر کے اپنے موافق بات لے لی جاوے۔ اسی طرح سورہ فتح میں محمد رسول اللہ ایک جملہ یعنی آیت کا حصہ ہے یعنی باقی بات کو چھوڑ کر صرف اپنی ضرورت کو لیا گیا ہے۔ اس آیت میں تو کم سے کم اتنی بات ہے کہ محمد رسول اللہ کے بعد وقف مطلق ہے یعنی پوری آیت یوں ہے۔

محمد رسول اللہ ط والذین معہ اشداء علی الکفار رحماء بینھم تراھم رکعا سجدا یبتغون فضلا من اللہ ورضوانا سیماھم فی وجوھھم من اثر السجود ط ذلک مثلھم فی التوراۃ ومثلھم فی الانجیل ج کزرع اخرج شطئہ فازرہ فاستغلظ فاستوی علی سوقہ یعجب الزراع لیغیظ بھم الکفار وعد اللہ الذین امنوا وعملوا الصلحت منھم مغفرۃ واجرا عظیما ع

یہ سورہ فتح کی ۲۹ یعنی آخری آیت ہے۔ اور اتنی لمبی آیت سے کلمہ ثابت کرنے کے لئے صرف اس کے ابتدائی تین الفاظ لئے گئے ہیں اور باقی بات نظرانداز کر دی گئی ہے۔ لیکن سورہ محمد کی آیت ۱۹ میں تو وقف بھی نہیں ہے۔ بلکہ بات کے سلسلہ کو کاٹ کر ادھوری بات لی جاتی ہے۔ وہ آیت یوں ہے۔

فاعلم انہ لا الہ الا اللہ واستغفر لذنبک وللمؤمنین والمؤمنت ط واللہ یعلم متقلبکم ومثوکم ع

تحریف ممنوع و مذموم ہے

اب اگر کوئی اس طریقے پر اپنے مطالب کو ثابت کرنا شروع کرے گا تو دین کا شاید ہی کوئی ایسا حکم باقی رہ سکے گا جس کی حرمت و حلت مشکوک نہ ہو جائے۔ ایسے ہی طریقہ پر اگر کوئی کہہ دے کہ چونکہ قرآن کے الفاظ ہیں "لا تقربوا الصلوٰۃ" کہ نماز کے قریب نہ جاؤ لہٰذا نماز پڑھنا ممنوع ہے تو کیا اس توضیح کو صحیح جان لیا جائے گا چلئے کلمہ یہی بات کرتے ہیں جس طرح قاضی صاحب نے آیت میں سے صرف "لا الٰہ الا اللہ" لے کر اپنا کام چلایا ہے۔ اگر کوئی ملحد ان ہی کی پیروی میں کہے کہ میں تو صرف "لا الٰہ" کے قرآنی الفاظ لیتا ہوں اور حلف اٹھاتا ہوں کہ قرآن میں لکھا ہے کہ کوئی معبود (یعنی اللہ) نہیں ہے۔ اس لئے خدا کا تصور ہی غیر قرآنی ہے تو کیا یہ ملحدانہ نظریہ قابل قبول ہوگا۔؟ ہرگز نہیں۔ ایسی نامعقول کتر بیونت سے کوئی شرعی امر بھی موافق نہ رہے گا۔

پس یہ انتہائی مذموم حرکت ہے کہ خدا کے کلام میں لفظی و معنوی تحریف کرکے اپنے مطالب کو تقویت دی جائے اور اس حرکت پر کلام مجید میں متعدد مقامات پر مذمت وارد ہوئی ہے لہٰذا یہ دعویٰ کرنا کہ خدا کے نازل کردہ قرآن میں "لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ" کا کلمہ موجود ہے۔ نہ صرف حقیقت کے خلاف ہے بلکہ خدا پر افترا اور کلام خدا میں تحریف ہے۔

احادیث بخاری میں تحریف

باقی شیعوں نے اس بات سے ہرگز انکار نہیں

کیا توحید و رسالت کا اقرار کر لینا مسلمان ہونے کے لئے کافی ہے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ، کلمہ اسلام ہے۔ قاضی صاحب نے اہل سنت کی احادیث نقل کی ہیں۔ اور دونوں احادیث صحیح بخاری کی کتاب المغازی سے منقول ہیں جس طرح انھوں نے خدا کے کلام میں تحریف کا ارتکاب کیا ہے اسی طرح ان احادیث میں بھی معنوی تحریف کی ہے۔

تین لاکھ روپیہ کمائیے

پہلی روایت میں عربی عبارت فادعھم الی ان یشھدوا ان لا الٰہ الا اللہ وان محمداً رسول اللہ، کا ترجمہ یوں لکھا ہے "اس بات کی دعوت دیں کہ وہ اقرار کر لیں لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ، حالانکہ صحیح ترجمہ یہ ہے کہ دعوت دیں اس بات کی وہ شہادت دیں کہ بے شک اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بالتحقیق محمد اللہ کے رسول ہیں۔ لیکن قاضی صاحب نے شہادت کو زبانی اقرار تک محدود کر کے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھکر دونوں جگہ "ان" کو حذف کیا ہے۔ اور "و" کو نظر انداز کیا ہے۔ اگر قاضی صاحب اس حدیث میں کلمہ "لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ" یا ان الفاظ ثابت کر دیں تو لاکھ روپیہ انعام دونگا اور اگر دوسری روایت میں بھی یہ ثابت کر دیں تو دو لاکھ روپیہ نقد بطور انعام پیش کر دوں گا۔

استدلالی کمزوری

تیسرا ثبوت قاضی صاحب نے مولوی شبلی نعمانی کی سیرۃ النبی سے

سے حضرت عمر کے اسلام لانے کا واقعہ پیش کیا ہے اور وہاں بھی حضرت عمر کا کلمہ "لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ" پڑھنا ہرگز مرقوم نہیں ہے بلکہ لکھا ہے کہ فوراً پکار اٹھے۔ اشھد ان لا الٰہ الا اللہ واشھد ان محمداً رسول اللہ پس ثابت ہوا کہ جو کلمہ توحید و رسالت کے اقرار میں حضرت عمر نے آمنوا باللہ و رسولہ کے حکم کے تحت پڑھا وہ "لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ" نہیں بلکہ "اشھد ان لا الٰہ الا اللہ و اشھد ان محمد رسول اللہ" پڑھا۔ پس کلمہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے الفاظ کا تواتر قاضی جی کی پیش کردہ روایات سے ثابت نہیں ہے مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ کلمہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ، صحیح نہیں ہے بلکہ مقصد صرف استدلالی کمزوری کا اظہار ہے۔

قاضی صاحب کہتے ہیں کہ "شیعہ علماء کہتے ہیں کہ توحید و رسالت کا اقرار کرے۔ یعنی لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہنے سے آدمی مسلمان تو ہو جاتا ہے لیکن مومن نہیں ہوتا۔ مومن ہونے کے لئے اُن کے نزدیک توحید و رسالت کے ساتھ حضرت علیؑ کی ولایت و خلافت کا اقرار بھی ضروری ہے۔ لیکن ایمان کی یہ تعریف ان کی بالکل خود ساختہ اور بے بنیاد ہے۔ جس کا کتاب و سنت میں کوئی ثبوت نہیں ملتا۔"

دریادلی اور سنگدلی

میں عرض کرتا ہوں کہ شیعہ علماء کا یہ کہنا بجا ہے کہ مگر سنیوں کی ہر کل سیڑھی ہے اگر موج میں آتے ہیں تو یہ کہتے ہیں کہ صرف لا الٰہ الا اللہ کہنے

سے جنّت واجب ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ صحیح بخاری میں مرقوم ہے یعنی امام بخاری کے نزدیک محمد رسول اللہ کہنا بھی ضروری نہیں ہے اور اگر غضب پر آتے آئیں تو لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہنے پر بھی کفر کا فتویٰ صادر کر دیتے ہیں۔ مثلاً احمدیوں اور مرزائیوں کے کلمہ پر اعتبار نہیں ہے حالانکہ وہ سنیوں کا متواتر کلمہ "لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ" ہی پڑھتے ہیں تو معلوم ہوا کہ سُنی مسلک کے اعتبار سے کلمہ پڑھنا اصولی طور پر شرطِ ایمان ہی نہیں ہے۔

میرا موقف سخت ہے

میرا موقف کچھ سخت ہے کہ آدمی کروڑ مرتبہ بھی لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ" کہے وہ اس وقت تک مسلمان یا مومن نہیں کہلا سکتا جب تک وہ اتباع و اطاعتِ رسولؐ پر دل سے راضی ہو کر عامل نہ ہو۔ چنانچہ سورۂ احزاب میں ہے کہ

"کسی مومن مرد یا عورت کو یہ حق نہیں ہے کہ جب اللہ اور رسول کوئی فیصلہ کر دیں تو پھر اس مومن مرد یا عورت کو اپنے امر کا کوئی اختیار رہ جائے اور جو شخص خدا و رسول کی حکم عدولی کرے گا وہ گمراہ ترین ہو گا۔"

رسولؐ کے رو برو کلمہ پڑھنا بھی دلیلِ ایمان نہیں

لہٰذا ایمان یا اسلام کے لئے محض لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

کہہ دینا ہرگز کافی نہیں ہے۔ سورۂ منافقون میں خداوند ذوالجلال والاکرام نے اس کلمے کا اقرار حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کبھی مسلمان ہونے کی دلیل نہیں مانا پس شیعہ نے توحید و رسالت کے ساتھ جو ولایت علیؑ کے اقرار کو شرط ایمان قرار دیا ہے تو وہ اس لحاظ سے مفید ترین ہے۔ کہ کلمہ مستند و مقبول ہو جاتا ہے اور لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ قول مردود ہونے سے قطعی طور پر محفوظ رہتا ہے گویہ خدشہ نہیں رہتا کہ یہ کلمہ دلیل ایمان نہیں۔ امیرالمومنین کی ولایت و خلافت کا اقرار اس لئے ضرور ہے۔ یہ حکم کتاب و سنت سے براہین واضحہ سے ثابت ہے۔ میں یہ مفصل اثبات اپنی کتاب "علی ولی اللہ" میں پیش کر چکا ہوں اقرار ولایت علیؑ کو کتب اہلسنت سے مدلل طریقہ پر جزو ایمان ثابت کر چکا ہوں۔

دو ٹوک فیصلہ

اگر کلمہ ایمان لانے کی دلیل ہے تو میں قاضی صاحب کے اعتراف ہی کی اساس پر دو ٹوک فیصلہ پیش خدمت کرتا ہوں۔ قاضی جی نے اپنی زیرِ بحث کتاب کے صفحہ ۲۹ پر لکھا ہے کہ "ان (علی) کی محبت کو ہم جزو ایمان تسلیم کرتے ہیں" یعنی جب تک "ولایت علیؑ" تسلیم نہ کی جائے ایمان کا جزو ایمان سے جدا رہتا ہے اور ولایت علیؑ کے بغیر ایمان ناقص رہتا ہے اگر "ولایت علیؑ" فی الواقع اہل سنت کے نزدیک ایمان کا جزو ہے تو پھر جب تک اقرار کلمہ ایمان میں اس جزو کو شامل نہ کیا جائے گا ایمان اپنے جزو سے محروم رہ کر کامل نہیں بلکہ ادھورا رہے گا۔ واضح ہو کہ اکثر اہلسنت "ولایت" کا مطلب محبت ہی لیتے ہیں۔ پس اگر کلمہ پڑھنے کا مقصد اظہار ایمان ہے تو پھر ضروری ہوگا کہ مکمل ایمان لایا جاوے

ہے کہ ادھورا۔ پس شیعہ بیچارے وہی تعریف ایمان کی کرتے ہیں جس کو آپ نے بھی صحیح مانا ہے کہ ایمان کے لئے "ولایت علی" الٹا انگ ہے لہٰذا اس مختار میں شیعہ کسی غلطی پر نہیں ہیں۔ اب کتاب و سنت سے ثبوت لیجئے۔

ابو سعید خدری کا اظہار افسوس

ہم نے بیان بالا میں عرض کیا ہے۔ کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ" قرآن میں کسی جگہ مرقوم نہیں ہے اور اگر ان الفاظ کے قرآنی ہونے کی خوش فہمی پر کلمہ کو قرآن سے ثابت کیا جائے گا تو یہ دونوں ٹکڑے جن سورتوں کی آیات کے حصے بتائے جاتے ہیں وہ دونوں یعنی سورہ محمد اور سورۂ فتح مدنی سورہ ہیں اور مکی سورتوں میں ان کا ذکر نہیں جس سے مطلب یہ آمد ہوا کہ مکی زندگی میں کلمہ کا وجود قرآن میں نہ تھا لہٰذا یہ بحث کرنا فضول و غیر معقول ہے کہ سنیوں کا کلمہ قرآن میں ہے اور شیعوں کا کلمہ قرآن میں نہیں جبکہ شیعوں کا کوئی ایسا کلمہ نہیں ہے جو "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ" کے خلاف ہو۔ البتہ ولایت علیؑ پر ایمان لانا مستند کتب فریقین سے ثابت ہے۔ مثلاً ابن مردویہ نے مناقب میں ابن ہارون عبدی سے نقل کیا ہے کہ وہ کہتا تھا کہ میری رائے اور اجتہاد خوارج کی رائے کی طرف مائل تھا یہاں تک کہ میں نے صحابی ابو سعید خدری سے سنا کہ وہ کہتے تھے۔

"ھیہات۔ ھیہات۔ لوگ چھ فرضوں پر مامور ہوئے تھے پانچ پر تو عمل کیا اور ایک فرض کو جہالت سے ترک کر کے راہ ضلالت پر

بڑا گئے۔ ایک شخص نے پوچھا وہ پانچ فرض کون سے ہیں۔ جواب دیا کلمہ طیبہ نماز، زکوٰۃ، حج، ماہ رمضان کے روزے۔ سائل نے پوچھا وہ ایک فرض کونسا ہے جس کو لوگوں نے ترک کر دیا۔ ابو سعید خدری نے جواب دیا کہ ولایت علی بن ابی طالب۔"

(مناقب مرتضوی مولانا محمد صالح حسینی حنفی)

حضورؐ نے اقرار ولایت علیؑ کو بہر صحابہ سے بیعت لی!

اسی طرح کتب سنیہ اور شیعہ سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کلمہ ولایت علیؑ ہی پر صحابہ سے بیعت لی۔ چنانچہ "عقبہ بن عامر جہنی صحابی روایت کرتے ہیں کہ ہم نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس قول پر بیعت کی کہ سوائے خدائے وحدہٗ لاشریک کے کوئی معبود نہیں اور محمدؐ اس کے نبیؐ اور علیؑ ان کے وصی ہیں۔ اگر ہم نے ان تین شہادتوں میں سے کسی کو ترک کیا تو کفر کیا"۔

(ینابیع المودۃ ص ۲۴۸ طبع اول۔ امام اہلسنت خواجہ مفتی سلیمان حنفی نقشبندی)

اقرار نبوتؐ انکار ولایت کیساتھ بے فائدہ ہے

حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام خود فرماتے ہیں کہ "جس نے میری ولایت کا اقرار نہ کیا اس کو نبوت محمدیہ کا اقرار کوئی نفع نہ دے گا۔ آگاہ ہو جاؤ کہ یہ دونوں شہادتیں لازم و ملزوم ہیں"۔

(مقدمہ مشکوٰۃ الانوار و مراۃ الاسرار ص ۱۷)

سہیل سلیم
حیدرآباد سندھ، پاکستان

پس شیعوں کا ولایت علیؑ کی شہادت و اقرار پر اصرار بالکل درست ہے اور سنّت نبویؐ سے پوری طرح ثابت ہے اور حضرت امیر علیہ السلام کی نصیحت کے مطابق ولایت علویہؑ کا انکار حضورؐ کی رسالت کا انکار ہے پس مومن کے لئے ضروری ہے۔ اپنے ایمان کو محفوظ و مکمل رکھنے کے لئے ولایت علویہؑ کا اقرار کرے۔

چھ شیعہ روایات کا جواب

قاضی صاحب نے شیعہ حوالوں سے چھ روایات نقل کی ہیں جن میں دو شہادتوں یعنی توحید و رسالت محمدؐ کے اقرار کا بیان ہے ان میں پہلی تین روایات کا تعلق مکی زندگی سے ہے۔ چوتھی فتح خیبر سے متعلق ہے۔ پانچویں غزوۂ خندق کے موقع کی ہے اور چھٹی کا تعلق ہجرت مدینہ کے وقت سے ہے۔ یعنی تمام روایات اس وقت کی ہیں جب دین مکمل نہیں ہوا تھا اور ولایت کا حکم ابھی نازل نہ ہوا تھا۔ لہٰذا اس وقت تک صرف توحید و رسالت کا اقرار کافی تھا پس ان روایات سے "ولایت علی" کے اقرار و شہادت کا عمل کسی طرح متاثر نہیں ہو سکتا ہے جبکہ شیعہ روایات کی کثیر تعداد سے "ولایت علی" کا اقرار ایمان کے لئے ضروری ہے مثلاً امام رضا علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ تفسیر برہان ص ۷۸ پر ہے۔

امام جعفر صادقؑ اور امام رضاؑ کا فرمان

"کلمہ طیب سے مراد مومن کا یہ قول ہے کہ لا الٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ علی ولی اللّٰہ۔ الخ اور یہی ارشاد امام جعفر صادق علیہ السلام کا تفسیر عیاشی میں ہے۔

تمام نبیوں کا علی ولی اللہ پر ھنا

اہل سنت علامہ حافظ نظام الدین نیشاپوری نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ آنحضرت صلعم نے شب معراج انبیاء سلف سے دریافت کیا کہ آپ حضرات کو کس عہد و پیمان پر مبعوث کیا گیا ہے تو اُن حضرات نے جواب دیا کہ ہمیں تین شہادتوں پر مبعوث کیا گیا ہے۔ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ علی ولی اللہ

(تفسیر نیشاپوری جلد ۳ ص ۳۲۹ طبع مصر)

حضرت موسیٰ کی تحریر علی ولی اللہ

اسی طرح محدث اہلسنت حافظ ابن عساکر دمشقی شافعی اور حافظ ذہبی نے محمد بن حماد سے روایت کی ہے کہ مجھے ہشام بن عبدالملک نے شام بھیجا اور میں حجاز سے نکلا اور جب میں مقام "بلقاء" سے گذرا تو وہاں ایک سیاہ پہاڑ پر میں نے ایک تحریر دیکھی جس کو میں نہ جانتا تھا کہ وہ کیا ہے پس میں عمان شہر میں پہنچا اور میں نے کسی ایسے شخص کے متعلق دریافت کیا جو کہ قبروں اور پہاڑوں کی پرانی تحریروں کو پڑھنے کا ماہر ہو۔ پس ایک عمر رسیدہ ضعیف کی طرف میری رہنمائی کی گئی اور میں نے اس کو واقعہ بتلایا۔ اور پھر اس کو اپنے ساتھ گھوڑے پر بٹھا کر اس مقام پر لے گیا۔ جب اس نے تحریر کو پڑھا تو کہا یہ کس قدر تعجب خیز تحریر ہے۔ کیا تیرے پاس لکھنے کی کوئی چیز ہے؟ پس میں نے ایک تختی نکالی جو میرے ساتھ تھی اور اس نے کہا یہ عبرانی زبان کی تحریر ہے۔ جس کا عربی ترجمہ یہ ہے کہ "باسمک اللھم جاء الحق

من ربك بلسان عربي مبين لا اله الا الله محمد رسول الله علي ولی الله وكتب موسىٰ بن عمران بيده "، یعنی میں تیرے نام سے شروع کرتا ہوں ۔ اے اللہ ۔ تیرے رب کی طرف سے واضح عربی زبان میں حق آچکا اس کے بعد یہ کلمات تھے) لا اله الا الله محمد رسول الله علی ولی اللہ (اور اس کے بعد یہ الفاظ تھے) اس کو موسیٰ بن عمران نے اپنے ہاتھ سے لکھا "۔

(تاریخ ابن عساکر جلد ۳ ص ۱۱۹ لسان المیزان علامہ ذہبی جلد ۵ ص ۱۴۱ بحوالہ شہادت ثالثہ)

پس مندرجہ بالا احادیث از کتب سنیہ و شیعہ سے ثابت ہوا کہ ولایت علویہ کا اقرار کتاب و سنّت سے منصوص ہے۔

قاضی مظہر حسین صاحب نے ایک پمفلٹ " پاکستان میں تبدیلی کلمہ اسلام کی ایک خطرناک سازش "، شائع کیا تھا ہماری جانب سے متعدد جوابات شائع کیے گئے اور حقیر راقم الحروف نے اپنی کتاب "علی ولی الله"، میں اس کا تنقیدی جائزہ پیش کیا ہے ۔ جو تا حال لاجواب ہے ۔ نیز مولوی محمد شفیع صاحب جوش اور پیر ابرار محمد صاحب نے جو رٹ لاہور ہائی کورٹ میں دائر کی تھی اس پر بھی اپنا مدلل تبصرہ میں نے اپنی کتاب "علی ولی اللہ"، میں پیش خدمت کیا ہے ۔ لہٰذا قارئین سے گزارش ہے متذکرہ کتاب کا مطالعہ فرمالیں ۔ قاضی صاحب نے مجھ حقیر سے اس بارے میں چند سوالات دریافت فرمائے ہیں ۔ اور پہلا سوال یہ ہے کہ

(۱) " رہنمائے اساتذہ کے مذکورہ دونوں ایڈیشنوں کی تشریح

میں سے کونسی تعریف کلمۂ اسلام کی صحیح ہے ۔ اگر پہلی تعریف صحیح ہے تو کلمہ اسلام کی دوسری تعریف و تشریح کو شیعہ علماء نے کیوں قبول کیا ہے اور اگر دوسری تعریف و تشریح صحیح ہے تو پہلی تشریح جب رہنمائے اساتذہ میں شائع ہوئی تھی تو اس کی تردید کیوں نہیں کی گئی ۔ ؟"

رہنمائے اساتذہ کے دونوں ایڈیشنوں میں تضاد نہیں ہے

پہلا جواب یہ ہے کہ دونوں تعریفات میں کوئی تضاد نہیں ہے ۔ لہذا جب اختلاف نہیں ہے تو کسی کے لئے تردید کس طرح ہو سکتی ہے ۔ صرف الفاظ کا تغیر و تبدل مفہوم و مطالب کی تبدیلی کا ثبوت نہیں ہو سکتا ہے ۔ لہذا جب تک سائل معنوی طور پر دونوں میں فرق ثابت نہیں کرے گا ۔ اس کا جواب نہیں دیا جا سکے گا ۔

(۲) "پہلے ایڈیشن کے مصنف مولوی محمد بشیر آف ٹکسیلا شیعہ مذہب کے چوٹی کے علماء میں شمار ہوتے ہیں جن کا تقیۃ الاسلام وغیرہ کے خاص القاب سے تذکرہ کیا جاتا ہے ۔ اگر آپ (احقر) کو اور ان دوسرے شیعہ علماء کو ان کی مذکورہ تشریح سے اختلاف ہے اور آپ رہنمائے اساتذہ کے دوسرے ایڈیشن کی تعریف کو صحیح قرار دیتے ہیں تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ شیعہ علماء میں کلمہ اسلام کے متعلق بھی یہ اختلاف پایا جاتا ہے بعض کے نزدیک توحید و رسالت کے ساتھ حضرت علی کی ولایت و خلافت کے اقرار کے بغیر کوئی شخص نہ مومن ہو سکتا ہے اور نہ مسلم اور بعض کے نزدیک صرف توحید و رسالت کا اقرار کرنے والا مسلمان

قرار دیا جا سکتا ہے"۔
مجیب کی گزارش یہ ہے کہ سائل کا بیان کردہ "اختلاف"، وجود ہی نہیں رکھتا۔ کیونکہ دونوں تعریفات ایک ہی معنی و مفہوم کے تابع ہیں۔ یہ سوال اسی وقت قابل جواب ہو سکتا ہے جب تضاد ثابت کیا جائے۔

(۳) "کلمہ اسلام و ایمان میں شیعہ علماء کے اس شدید اختلاف سے تو یہ لازم آتا ہے کہ شیعہ مذہب کی بنیاد پر اس امر کا کوئی قطعی ثبوت نہیں مل سکتا کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کس کلمہ اسلام کی تعلیم دی تھی؟ کیونکہ شیعہ مذہب کی کتابوں میں اگر قطعی طور پر حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد فرمودہ کلمہ اسلام و ایمان کا ثبوت مل سکتا تو اس کے متعلق پاکستان کے شیعہ علماء میں اختلاف کیونکر پیدا ہو سکتا تھا۔

علماء شیعہ میں کلمہ پر کوئی اختلاف نہیں ہے

یہ بات قطعی طور پر غلط اور خلاف واقع ہے کہ شیعہ علماء میں کلمہ اسلام و ایمان پر کسی طرح کا کوئی اختلاف ہے۔ مدعیٔ اختلاف کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے دعویٰ کے ثبوت میں کوئی سند پیش کرے کہ شیعہ علماء کے نزدیک کلمہ کا کیا اختلاف ہے یعنی دونوں فریق کا کلمہ کیا ہے لہٰذا ایک جھوٹے الزام کا جواب طلب کرنا بھی کاذب ہونے کی نشانی ہے۔ شیعہ کتب سے قطعی طور پر ثابت ہے کہ مومن کے لئے کلمہ ولایت علیؑ کا اقرار

ضروری ہے بلکہ ہم شیعوں کے ہاں تو یہ بات بھی ثابت ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے عرب و عجم سے ولایت علی پر تحریری عہد لیا ہے چنانچہ مرقوم ہے کہ

رسول اللہ کا علی ولی اللہ، پر تحریری عہد عام!

"ابی حمراء نے روایت کی ہے کہ ایک دن رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے فرمایا کہ جا کر سو آدمی اہل عرب میں سے پچاس اشخاص اہل عجم کے تیس افراد قبطی اور بیس نفوس اہل حبشہ کے بلا لاؤ میں گیا اور حکم کے مطابق ان کو بلا لایا۔ آنحضرت نے پہلی صف میں عربوں کو دوسری میں عجمیوں کو اور تیسری میں قبطیوں کو چوتھی میں حبشیوں کو قطار در قطار کھڑا کیا اس کے بعد حضور نے اللہ کی حمد و ثنا کو اس طرح بیان کیا کہ کسی نے پہلے ایسی نہ سنی تھی۔ پھر ارشاد فرمایا۔ اے عربو! عجمو، قبطیو اور حبشیو! گواہی دو "لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہٗ و ان محمداً عبدہٗ و رسولہٗ و ان علیاً امیرالمومنین و لی اللہ، سب نے اقرار کیا پھر فرمایا الٰہی گواہ رہنا حتیٰ کہ تین مرتبہ اسی طرح فرمایا۔ اس کے بعد حضرت علیؑ کو قلم دوات لانے کو کہا جب علیؑ لے آئے۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا لکھو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ وہ

تحریر ہے جس پر اہل عرب و عجم، قبطیوں اور حبشیوں نے اقرار کیا ہے کہ "لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ وان محمداً عبدہ ورسولہ وان علیاً امیر المومنین ولی اللہ"، حضورؐ نے اس پر مہر لگائی اور صحیفہ حضرت علیؑ کے سپرد کر دیا۔

(مشارق الانوار مطبوعہ دار الفکر حافظ رجب برسی ص۶۲)

گوہ کی گواہی

"حضرت امام حسین علیہ السلام سے مروی ہے کہ ایک اعرابی بغرض قبول اسلام خدمت نبوی میں حاضر ہوا۔ اس کے پاس ایک گوہ تھا جسے اس نے راستے میں آتے ہوئے پکڑا تھا۔ حضورؐ نے اس کو دعوت اسلام دی۔ اس نے کہا اے اللہ کے رسولؐ میں اس وقت تک ایمان نہ لاؤں گا جب تک یہ سوسمار آپ پر ایمان نہ لائے حضورؐ نے اس گوہ سے پوچھا اے سوسمار! میں کون ہوں؟ سوسمار نے جواب دیا آپ محمدؐ بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف ہیں۔ ارشاد فرمایا اے سوسمار! تو کس کی عبادت کرتا ہے؟ اس نے جواب دیا اسی خدا کی عبادت کرتا ہوں جس نے دانہ کو چیرا، حضرت ابراہیم کو خلیل، موسیٰ کو کلیم اور آپ کو مصطفےٰ بنایا۔ پس اس اعرابی نے کہا "اشھد ان لا الٰہ الا اللہ وانک رسول اللہ حقاً"۔ کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ ہی عبادت کے لائق ہے جو وحدہ لا شریک ہے اور آپؐ اس کے برحق رسول ہیں۔ کیا آپ کے بعد بھی کوئی نبی ہے۔ آپ نے فرمایا نہیں بلکہ میں خاتم النبیین ہوں۔ میرے بعد امام ہوں گے۔ جن کے اول علیؑ ابن ابی طالب ہیں وہ میرے بعد امت کے امام اور میرے خلیفہ ہیں۔" (بحار الانوار)

امام حسنؑ کا کلمہ بوقت نزع

حضرت امام حسین علیہ السلام کا دل کرزا اٹھا جب اپنے بھائی (امام حسنؑ) کی طرف دیکھا کہ موت کا پسینہ بھائی (امام حسنؑ) کی پیشانی پر آگیا ہے اور وہ کلمہ شہادت پڑھ رہے تھے۔ کہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ جدی علی ابی ولی اللہ"۔

(ریاض القدس جلد ۱ ص ۲۳۴)

امام مہدیؑ کا کلمہ

جب امام آخر الزمان حضرت مہدیؑ افق عالم پر طلوع اور ظاہر ہوئے تو کلمہ مندرجہ کی تلاوت فرمائی" اشھد ان لا الٰہ الا اللہ واشھد ان محمداً عبدہ ورسولہ واشھد ان علیاً ولی اللہ"

(جلاء العیون جلد ۲ ص ۱۷۷)

پس شیعہ کتب میں اقرار ولایت کی تاکید اس بات کی تردید کے لئے کافی ہے کہ شیعوں میں ولایت علیؑ کے اقرار کرنے میں کسی قسم کا کوئی اختلاف ہے۔

(۴) کلمۂ اسلام اصل اصول دین ہے جس کے اقرار سے کافر دائرہ اسلام میں داخل ہو جاتا ہے۔ اس لئے اس کا قطعی ثبوت ضروری ہے سواد اعظم اہل السنت والجماعت اور تمام امت مسلمہ کا جو متفقہ کلمہ اسلام ہے یعنی لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ (جس میں صرف اللہ تعالیٰ کی توحید اور حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اقرار کیا جاتا ہے۔) اس میں علمائے اہل السنت کا کبھی اختلاف نہیں ہوا۔ اور چونکہ اصولی عقائد کے لئے قطعی الثبوت اور قطعی الدلالت

نفس ضروری ہے۔ اور خصوصًا کلمہ اسلام کے اجزاء کے لئے جو کہ تمام اصول دین کی اصل ہے۔ اسی لئے سُنّی مسلمان جس کلمہ اسلام کو مانتا ہے اس کے دونوں اجزاء قرآن مجید سے ثابت ہیں۔

(۱) لا الٰہ الا اللہ (سورہ محمد) محمد رسول اللہ (سورہ الفتح) اور شیعہ علماء جس کلمہ اسلام و ایمان کو مانتے ہیں یعنی لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ علی ولی اللہ وصی رسول اللہ وخلیفتہ بلافصل۔ یہ الفاظ موجودہ قرآن مجید میں تو کہیں بھی موجود نہیں ہیں۔ نہ یکجا نہ جُدا۔"

قطعی اثبات

بے شک اُصول دین کا قطعی ثبوت ضروری ہوتا ہے لیکن ایسے خود ساختہ اثبات جس طرح کا ثبوت کہ قاضی جی نے کلمہ کی قرآن میں موجودگی کے لئے پیش کیا ہے "قطعی" تو نہیں ہو سکتا البتہ اسے "قطعی و بریدی" کہا جا سکتا ہے جو تحریف فی القرآن کے مترادف ہے۔ اور ایسے ثبوت ہمیشہ مردود قرار دیئے جاتے ہیں کلمہ اسلام "لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ" ہرگز متنازعہ نہیں اور کوئی شخص شیعہ ہو یا سُنّی اس کا اقرار کرنے کا مخالف و منکر نہیں ہے۔ البتہ اختلاف کلمہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پر نہیں اقرار کلمہ ولایت علی ولی اللہ پر ہے۔ شیعہ اس کا اقرار کرنا ضروری سمجھتے ہیں جبکہ سُنیوں کے لئے ضروری نہیں ہے۔ کلمہ ولایت کا تعلق اصولی عقائد سے ہے۔ لہٰذا شیعہ کے پاس قطعی الثبوت اور قطعی الدلالت نصوص موجود ہیں۔ کسی مذہب کے قطعی ثبوت اس مذہب کی کتابوں میں تلاش کئے جاتے ہیں

چنانچہ ہماری کتابوں میں متعدد شواہد اس عقیدہ کے ثبوت میں موجود ہیں مثلاً

۱۔ علی ولی اللہ اور مہر نبوت

جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شانہ مبارک پر واقع مہر نبوت کے ظاہر ہونے کا یہ معجزہ تھا کہ اس پر لکھا تھا

"لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ علی ولی اللہ"

(کتاب شرح العقیدہ الوحیدۃ مبحث النبوۃ آقا سید اسماعیل بحوالہ شہادت ثالثہ صہ ۱۱)

۲۔ پہلی وحی

"ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جب جبرئیل علیہ السلام اوائل دعوت اسلام میں حضورؐ پر نازل ہوئے تو ان کو یہ پیغام دیا۔ "اے محمدؐ اللہ آپ پر سلام بھیجتا ہے اور تحیہ واکرام سے مخصوص فرماتا ہے اور کہتا ہے کہ آپؐ تمام جنوں اور انسانوں کی طرف میرے بھیجے ہوئے رسول ہیں۔ ان کو میری عبادت کی طرف بلائیں اور اس بات کی طرف دعوت دیں کہ وہ کلمہ پڑھیں۔ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ علی ولی اللہ"۔ (تفسیر برہان صہ ۱۲)

۳۔ انبیاء ماسلف اور کلمہ ولایت

حضرت ابن عباسؓ سے اس عہد وپیمان کے بارے میں سوال کیا گیا جو حضرت یعقوبؑ نے اپنی اولاد سے لیا تھا کہ اے میری اولاد اگر تم میرے بیٹے کو نہ لائے تو تم اس نبی امیؐ سے بیزار ہو جاؤ کہ آخری زمانہ میں آئے گا۔ اور اس کی امت حق کی ہدایت کرے گی اور حق ہی کے ساتھ عدل کرے گی۔ اور ان کا عظیم الشان کلمہ

آسمانوں اور زمینوں سے زیادہ عظیم ہوگا۔ اور وہ یہ ہوگا۔ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ علی ولی اللہ۔ (تفسیر برہان جلد ۲ صفحہ ۴۹۵)

۴- فطرت حضرت امام علی رضا علیہ السلام کا قول ہے کہ جس فطرت پر اللہ نے لوگوں کو پیدا کیا ہے وہ یہ قول ہے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ علی امیر المومنین ولی اللہ۔

(تفسیر برہان صفحہ ۸۱۳ اور صفحہ ۸۱۴)

۵- عالم الست کا عہد امام محمد باقر علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ عالم الست میں جس عہد کا اولاد آدم سے اقرار لیا گیا وہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ علی امیر المومنین کا قول ہے۔ (بحار الانوار جلد ۷ صفحہ ۳۴۴)

۶- ابواب جنت کی زینت علی ولی اللہ حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ میں نے جنت کے آٹھ دروازوں پر یہ لکھا ہوا پایا لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ علی ولی اللہ۔

(بحار الانوار جلد ۷ صفحہ ۳۶)

۷- بوقت خلقت ندا امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ جب اللہ نے آسمانوں اور زمینوں کو خلق فرمایا تو ایک ندا دینے والے فرشتے کو حکم دیا کہ وہ ندا دے پس اس نے تین مرتبہ یہ ندا بلند کی۔ اشھد ان لا الٰہ الا اللہ پھر تین مرتبہ اشھد ان محمد رسول اللہ اور پھر تین مرتبہ اشھد ان علیا ولی اللہ حقا۔ (اصول کافی باب ولادۃ النبی)

۸۔ قرارِ عرش

امیر المومنین علیہ السلام فرماتے ہیں کہ عرش نے اس وقت تک قرار نہیں پکڑا جب تک کہ اس پر یہ کلمہ نہ لکھا گیا لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ علی ولی اللہ۔

(بحار الانوار جلد ۷ ص ۲۲۴)

۹۔ اعلان عام

شیخ صدوق علیہ رحمہ نے روایت لکھی ہے کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اجتماع عام میں خطبہ ارشاد فرمایا۔

"اے گروہ عرب وعجم وقبط وحبشہ کیا تم لوگوں نے یہ اقرار کیا کہ اللہ تعالےٰ واحد اور لاشریک ہے۔ اور میں (محمد) اس کا بندہ اور رسول ہوں اور علیؑ مومنوں کے امیر و لی الامر اور میرے بعد خلافت کے وارث ہیں"۔ حاضرین نے جواب دیا۔ جی ہاں! پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین مرتبہ فرمایا۔ اے اللہ گواہ رہنا۔

(امالی الشیخ صدوق ص ۳۲۴)

۱۰۔ جملہ موجودات کی روح تحریک

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ قسم ہے مجھے اس ذات رب العزت کی کہ جس نے مجھے حق کا منیر بنایا۔ عرش وکرسی اس وقت تک قائم نہ ہوئے اور فلک نے اس وقت تک گردش نہ کی اور زمین وآسمان اس وقت تک قائم نہ ہوئے حتیٰ کہ ان پر یہ کلمہ لکھا گیا لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ علی امیر المومنینؑ۔

(بحار الانوار جلد ۷ ص ۲۶)

سنی شواہد

شیعہ کتابوں سے بطور نمونہ دس مثالیں پیش کی گئیں جس سے نہ صرف مجمع عام میں خاتم النبین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اقرار ولایت و خلافت کا اعلان فرمانا ثابت ہے بلکہ آفاق عالم اور جملہ موجودات پر نقش کلمہ ولایت دکھایا گیا ہے لہذا قطعی الثبوت اور قطعی الدلالت القرون کی پیشکش کا مطالبہ پورا ہو گیا۔ اب ایسے شواہد کتب سنیہ سے بھی لطور اتمام حجت نقل کرتا ہوں۔

(۱) مشہور امام اہل سنت خطیب بغدادی تحریر کرتے ہیں کہ

"جنت کے دروازوں پر یہ کلمہ لکھا ہوا ہے کہ

"لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ علی ولی اللہ"

(تاریخ بغداد جلد ۱ صفحہ ۲۵۹)

(۲) حافظ ابن عساکر جو کہ اہلسنت کے مقتدر امام و محدث ہیں اور جنہوں نے وفات ابوبکر کے بعد بوقت تدفین دروازہ روضہ اقدس کا خود بخود کھل جانا روایت کیا ہے۔ لکھتے ہیں کہ جنت کے دروازوں پر لکھا ہے کہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ علی ولی اللہ

(تاریخ ابن عساکر جلد ۳ صفحہ ۱۱۸)

(۳) سنی مفتی اعظم قسطنطنیہ مولوی محمد سلیمان قندوزی حنفی نے علی بن زید اور امام جعفر صادق سے ان کے آبائے طاہرین سے حضرت علی علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب کسی نبیؑ کا انتقال ہوتا ہے تو اللہ اس نبی کو اس بات کا حکم دیتا ہے کہ وہ اپنے رشتہ داروں میں افضل ترین

فرد کے متعلق وصیّت کرے (لہٰذا) اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ تم اپنے چچازاد بھائی علیؑ کے متعلق وصیّت کرو۔ میں نے اس بات کو گزشتہ کتب (سماویہ) میں لکھ دیا ہے اور میں نے ان کتب میں تحریر کر دیا ہے کہ علی تمہارے وصی ہیں۔ میں نے اس بات کا مخلوق سے اپنے انبیاء و رسولوں سے میثاق لیا ہے۔ اے محمدؐ ان تمام لوگوں سے اپنی ربوبیت، تمہاری نبوت اور علی ابن ابی طالب کی ولایت اور وصایت کا میثاق و عہد لیا ہے؟

(ینابیع المودۃ باب ۱۵ حدیث ۲۲)

لفظی مباحثہ کی صورت میں حضرت عمر کا کلمہ پڑھنا ثابت نہ ہو سکا!

پس شیعہ وسنی دونوں مکاتب فکر سے اقرار ولایت علویہؑ کی اہمیت واضح ہونا ثابت ہوئی جس طرح کلمہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ، کا یکجا یا دونوں اجزاء کا جدا جدا ثبوت قرآن میں موجود نہیں بلکہ قاضی صاحب نے تحریف فی القرآن کا ارتکاب کر کے کلمہ کے الفاظ کو قرآنی ثابت کیا ہے۔ ورنہ یہ کلمہ نہ کسی ایک آیت میں ہے اور نہ ہی دو الگ الگ آیات کا مجموعہ ہے اگر الفاظ کی کاٹ چھانٹ کر کے اور قطع و برید سے کام لے کر "قطعی ثبوت"، کا نام دیا جائے تو ایسے قطعی و بدیہی اثبات ہر بات کے وضع کیا جا سکتے ہیں اور علی ولی اللہ وغیرہ کے الفاظ بھی قرآن سے نکال کر دکھائے جا سکتے ہیں۔ مگر ہمیں ایسی مذموم جسارت کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

کہ اپنے مطلب برآری کے لئے خدا کے کلام پر دست درازی کر کے لعنت کا طوق اپنے گلے میں ڈالیں۔ واضح ہو کہ کلمہ کے اقرار کا ایمان سے کوئی مضبوط رشتہ نہیں ہے۔ بلکہ اس کا مفہوم اصل الاصول ہے۔ کلمے کا اقرار کر کے کبھی کلمہ گو غیر مسلم کافر و منافق ہو سکتا ہے جبکہ اس کا مفہوم تسلیم کرنے یا اقرار نہ کرنا کبھی بعض حالات میں دلیل ایمان ہو جاتا ہے پس کلمہ کے الفاظ پر بحث ہی فضول ہے ورنہ اگر لفظی قرار داد سمجھ کر ہم پر بحث ہوگی تو پھر حضرت عمر کی زبان سے بوقت قبولیت اسلام یہ کلمہ "لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ" بعینہ انہی الفاظ میں ثابت کرنا مشکل ہو جائے گا اور ماننا پڑے گا بقول علامہ شبلی نعمانی مطابق نقل قاضی مظہر حسین صاحب حضرت عمر نے اسلام لاتے وقت کلمہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ" پڑھنا نہیں لکھا ہے بلکہ مفہوم کے اعتبار سے موافق اور الفاظ کے اعتبار سے مخالف کلمہ شہادت لکھا ہے پس قاضی صاحب کا یہ مطالبہ کہ "علی ولی اللہ وصی رسول اللہ اور خلیفتہ بلافصل" کے الفاظ قرآن میں موجود نہیں اس وقت قابل توجہ ہو سکتا ہے جب وہ متفقہ کلمہ "لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ" یکجا یا علیحدہ اکمل فقرات سے ثابت کریں ورنہ لفظوں کو قرآن میں سے آگے پیچھے کے الفاظ حذف کر کے اپنے مطالب کی دلیل وضع کرنے کی تحریفی کارستانی کو اپنے مذہبی فتووں سے جائز ثابت کریں پھر مجبوراً ہم بھی مطلوبہ الفاظ قرآن میں سے نکال کر دکھا دیں گے کیونکہ علی، ولی اللہ رسول، خلیفہ وغیرہ سارے الفاظ قرآن میں مستعمل ہیں۔

(۵) شیعہ مذہب کی کتابوں میں کسی صحیح حدیث میں بطور کلمہ اسلام ان الفاظ کا ثبوت نہیں ملتا یعنی شیعہ علماء یہ ثابت نہیں کر سکتے

کہ کسی کافر کو مومن و مسلم بناتے ہوئے رسول اکرم ہادی اعظم سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے ساتھ علی ولی اللہ وصی رسول اللہ و خلیفتہ بلافصل کے الفاظ کا اقرار کرایا۔ میرے رسالہ "پاکستان میں تبدیلی کلمہ اسلام کی ایک خطرناک سازش کے جواب میں شیعہ علماء نے جو رسائل تصنیف کیے ہیں اور جن کا مجھے علم ہے ان میں کوئی شیعہ عالم یہ امر ثابت نہ کر سکا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کافر کو دائرہ اسلام میں داخل کرتے وقت علی ولی اللہ وصی رسول اللہ و خلیفتہ بلافصل کا بھی اقرار کرایا تھا۔ بلکہ ان میں سے بعض نے اس بات کا اعتراف کر لیا ہے کہ زمانہ رسالت میں کلمہ اسلام میں ان الفاظ کا اقرار نہیں لیا جاتا تھا چنانچہ سید عقیل حیدر آف ٹیکسلا نے اپنے رسالہ "کلمۃ المومنین" میں لکھتے ہیں کہ

قاضی صاحب خداوند عالم نے جس قدر انبیاء مبعوث فرمائے ہیں۔ جس قوم و ملک و زمان میں وہ آئے ان کا کلمہ ان تک محدود رہا۔ حضرت آدم کے زمانے والے لا الٰہ الا اللہ آدم خلیفۃ اللہ حضرت نوح کے زمانے میں لا الٰہ الا اللہ نوح نجی اللہ۔ حضرت ابراہیم کے زمانے والے لا الٰہ الا اللہ ابراہیم خلیل اللہ حضرت موسیٰ کے زمانے والے لا الٰہ الا اللہ موسیٰ کلیم اللہ حضرت عیسیٰ کے زمانے والے لا الٰہ الا اللہ عیسیٰ روح اللہ پڑھتے رہے۔ ان کے بعد سلسلہ نبوت جاری تھا اس لیے ان کا کلمہ ان تک محدود رہا۔ لیکن ہمارے نبی آخر محمد مصطفیٰ کے بعد سلسلہ نبوت ختم ہو گیا۔ رسالت مآب کے زمانہ حیات تک لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ اور بعد از حیات لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ علی ولی اللہ وصی رسول اللہ و خلیفتہ بلافصل کا بھی

زبان سے اقرار کیا جانے لگا۔ اور یہ اقرار دلیل ہے سلسلہ نبوت ختم ہے
اور سلسلہ ولایت وامامت شروع ہے الخ صد ۱۲۵۔

شیعہ کتب میں کلمہ ولایت کے اثبات کی کمی نہیں ہے سہیل سکینہ

(ضمیمہ [illegible] نمبر ۸-۱)

شیعہ کتب میں کلمہ اقرار ولایت علویہ کے اثبات کی کمی نہیں ہے ہم نے
مندرجہ بالا بیان میں دس روایات بطور نمونہ پیش کی ہیں اور مزید ثبوت
دیتے ہیں کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ کلمہ طیبہ مومن کا
زبان سے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ علی ولی اللہ وخلیفۃ
رسول اللہ کہنا اور دل سے اس کا اعتقاد رکھنا ہے دیکھئے تفسیر
قمی جلد ۲ صفحہ ۹۷ پ ۲۲ سورہ فاطر۔
تفسیر صافی جلد ۳ صفحہ ۲۷۹ تفسیر عمدۃ البیان جلد ۲ صفحہ ۹۷،
تفسیر برہان جلد ۳ صفحہ ۳۵۹ وغیرہ۔
لہذا کلمہ طیبہ سے مراد لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ علی ولی
اللہ خلیفۃ رسول اللہ ہے باقی اس کی تعبیریں، تفسیریں اور
شرحیں ہیں لفظی وکلامی لحاظ سے افہام وتفہیم ہے جو آئمہ معصومین
اور مجتہدین وعلماء سے مروی ہیں۔
شیعہ کتب کو تو ایک طرف رکھیں کہ ان سے ثابت ہے کہ خدا نے کائنات
کی ہر شے سے ایمان واقرار ولایت علیؑ کا عہد لیا۔ اور اس کے اثبات گذشتہ

اور اس میں گمراہ ہے ہیں مگر خود سُنی کتب سے یہ بات ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین شہادتوں پر صحابہ سے بیعت اسلام لی چنانچہ مرقوم ہے کہ

آنحضرتؐ کا اپنے وصی کی شہادت کا اقرار لینا

"عقبہ بن عامر الجھنی قال بایعنا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) علی قول ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ وان محمداً نبیہ وعلیاً وصی فای من الثلٰثۃ ترکناہ کفرنا۔"

صحابی رسول حضرت عقبہ بن عامر جہنیؓ سے مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم (صحابہ) سے اس قول پر بیعت لی کہ "سوائے اللہ وحدہٗ لا شریک کے کوئی عبادت کے لائق نہیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس کے نبیؐ (رسولؐ) ہیں اور علی (علیہ السلام) ان کے وصی ہیں۔ اگر ہم نے ان تین (شہادتوں) میں سے کسی کو ترک کیا تو کفر کیا۔ (ینابیع المودۃ صفحہ ۲۴۸ طبع اوّل)

صحابہ کے نزدیک علیؑ کی وصایت کا انکار کفر تھا

فرقۂ صحابیہ کو دعوت غور ہے کہ نجم ہدایت صحابی نے کہا ہے کہ ان تین شہادتوں میں کسی ایک کو ترک کرنا "کفر" ہے اور کفر کا اطلاق

ہمیشہ ترک قطعی اعتقاد رہتا ہے پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا صحابہ سے مذکورہ تینوں باتوں پر بیعت لینا ثابت کرتا ہے۔ زمانہ رسولؐ میں خود حضور اکرم نے لوگوں سے خدا کی توحید اور اپنی رسالت کے ساتھ علیؑ کی امامت، ولایت، اور وصایت کا اقرار لیا اور ان میں سے کسی ایک کا بھی انکار صحابہ کی نظر میں کفر تھا۔ اب جبکہ معنی و مطلب، مفہوم و مراد، مقصود و مطلوب پورا ہوگیا تو پھر لفظی عبارت کی آڑ میں کھسیانی بلی کی طرح کھمبا نوچنا محض نہیں مانوں، والی بات ہوگی۔ اور ہٹ دھرمی یا بلا جواز ضد کا کوئی علاج نہیں ہے۔ اگر اس طرح کی ٹیڑھی بحث پیدا کریں گے تو اپنی کتاب میں ص۹۷ و ص۹۸ پر نقل کردہ تینوں روایات میں مندرج کلمہ کو کسی طرح ثابت نہ کرسکیں گے کیونکہ بخاری کی دونوں روایات اور ثعلبی کے حوالے میں ہرگز کلمہ "لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ"، ان الفاظ میں متن کی عبارتوں میں نہیں ہے۔ بلکہ مذکورہ عبارات میں مرقوم الفاظ اور کلمہ "لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ"، میں واضح طور پر لفظی فرق ہے۔

اس بیان میں قاضی صاحب نے ایک حاشیہ چڑھایا ہے اور لکھا ہے "شیعہ جواب سے عاجز ہو کر کہہ دیتے ہیں کہ ہمارا کلمہ عرش پر اور جنت میں لکھا ہوا ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ۔

(الف) عرش اور جنت کی روایت میں بھی یہ الفاظ اسی ترتیب سے نہیں دکھا سکتے اور خلیفہ بلافصل کا تو کہیں وجود ہی نہیں۔

(ب) ہم عرش کی بات نہیں پوچھتے ہیں فرش پر کی بات پوچھتے

کہ فرشتوں کو کونسا کلمہ اسلام کا پڑھایا تھا؟

ہمارا کلمہ عرش و فرش پر رائج ہے!

شیعوں نے ان پیشواؤں کو امام و رہنما تسلیم کیا ہے جو کبھی عاجز نہیں ہوئے بلکہ دعویٰ سلونی بلند کرتے رہے۔ اور بڑے بڑے متکبر سلاطین اُن کی موجودگی میں اپنی زبانوں کو بند رکھنے کا حکم دے کر اعتراف کرتے رہے کہ اگر یہ نہ ہوتے تو ہم ہلاک ہو جاتے۔ اگر "باب مدینۃ العلم" کی جانب رجوع نہ کرنے پر بھی آدمی عاجز رہے تو اس کی بدبختی ہے۔

قاضی صاحب ہمارا کلمہ صرف فرش پر نہیں عرش و فرش دونوں پر لکھا ہوا ہے۔ اور میں نے گزشتہ صفحات میں آفاق عالم اور جملہ موجودات پر نقش کلمہ ولایت علی ثابت کیا ہے۔ اور خدا و رسول کا اس میثاق کے لئے عہد لینا فریقین کی عظیم الشان کتب سے پیش کیا ہے۔ رہی ترتیب الفاظ کی بحث تو میں کہہ سکتا ہوں کہ آپ نے اپنے راشد خلیفہ دوم حضرت عمر بن خطاب کا اسلام لاتے وقت کلمہ ان الفاظ میں ثابت نہیں کیا ہے کہ انہوں نے اسلام لاتے وقت لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ" پڑھا ہو۔ آپ کے فاروق اعظم کا کلمہ اسلام اس کلمہ سے لفظی اعتبار سے نرالا ہے۔ کلمہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ قابل اعتبار ہو سکتا ہے تو پھر شیعوں پر لفظی اختلاف کا اعتراض کرنے کا آپ کو حق حاصل نہیں ہے۔ جو بھی جواب آپ شبلی نعمانی کی منقولہ عبارت

میں کلمہ سے زائد الفاظ کے استعمال کا دیں گے۔ اُسی کو ہمارا جواب سمجھ کر ڈہرا لیجئے گا۔ باقی وہی خلیفہ بلا فصل کے وجود کی بات تو خاطر جمع رکھئے آئندہ یہ بھی ہدیہ پیش کر رہا ہوں۔

فتنہ انگیز کاوش

آپ نے جو فتنہ انگیز کاوش کے تحت رسالہ "پاکستان میں تبدیلی کلمہ کی ایک خطرناک سازش"، لکھا اس کے کئی جوابات میری ملت کے اکابرین نے شائع کئے ہیں ان جوابات میں جس بات کی کمی کا آپ نے ذکر فرمایا ہے وہ حقیر نے اس کتاب میں پوری کر دی ہے۔ کہ رسول اللہ نے لوگوں سے ولایت کا اقرار کروایا اور یہ پیغول تہا دیتیں جلسہ عام میں زبانی اور تحریری طور پر حضورؐ نے مصدق فرمائیں۔ جب دین مکمل ہو گیا تو اس کے بعد ولایت علیؑ پر ایمان لانے کا اقرار اصلاً واجب ہوا جیسا کہ میں نے گزشتہ صفحات میں حضرت ابو سعید خدری سے مروی روایت نقل کی ہے۔

سید عقیل حیدر کی دلیل مضبوط ہے

محترم سید عقیل حیدر صاحب کی تصنیف "کلمۃ المومنین"، خاکسار کی نگاہ سے نہیں گذری البتہ ان کی اس دلیل سے مجھے بھی اتفاق ہے کہ ولایت علی کا اقرار سلسلہ نبوت کے خاتمہ کی مہر ہے۔ اور سلسلہ امامت کے آغاز کی دلیل ہے۔ اس دلیل پر ہم مزید اضافہ لکھتے ہیں کہ

"ہم کہتے ہیں کہ اگر کلمہ اسلام میں حضرت علیؓ کی ولایت و امامت

کا اقرار ضروری تھا تو اس کو سلسلہ نبوت کے ختم ہونے اور سلسلہ ولایت و امامت کے شروع ہونے کی دلیل بنایا جائے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کا اعلان جس طرح قرآن مجید کی قطعی آیت ولٰکن رسول اللہ و خاتم النبیین سے کیا گیا تھا اسی طرح قرآن میں ہی حضرت علیؓ کی ولایت و امامت کے متعلق قطعی اعلان کیا جاتا۔ علاوہ ازیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک بھی اگر یہ ضروری ہوتا تو آپ خود ہی اعلان ختم نبوت کے بعد کلمہ اسلام میں حضرت علیؓ کی ولایت و امامت کا اقرار شروع کرا دیتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی شخص بھی کلمۂ اسلام میں کمی وبیشی کرنے کا مجاز نہیں ہے۔ اگر حضرت علیؓ کی ولایت و امامت کا عقیدہ بنیادی اصول دین میں مثل توحید و رسالت کے ضروری ہوتا تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی توحید اور رسالت کے ساتھ قبول اسلام کے لئے حضرت علی رضی اللہ تعالے عنہ کی ولایت کا اقرار بھی ضروری کرا دیتے"۔

میرا جواب یہ ہے کہ قرآن میں امامت علیؑ کا قطعی اعلان نہ صرف کتب شیعہ سے ثابت ہے بلکہ متعصب سنی علماء تک نے آیت ولایت آیت اطاعت اور آیت تبلیغ وغیرہ کو ولایت و امامت و خلافت علیہؑ کو نصوص قطعیہ تسلیم کیا ہے۔ تفصیلات میری کتاب "علی ولی اللہ" میں دیکھ لیں۔ لیکن جب دلوں پہ قفل لگ جائیں تو ان کا کھلنا مشکل ہوتا ہے۔ خاتم النبیین کی ختم نبوت پر نص قطعی کے باوجود ایک سنی عالم مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنی نبوت کاذبہ کا دعویٰ کر دیا۔ اور

لاکھوں کی تعداد میں سنی لوگوں نے اس قطعی نص کو نظر انداز کرتے ہوئے اس جھوٹے نبی کو مان لیا۔ اسی طرح اگر علی علیہ السلام کا نام لے کر بھی قرآن میں کہہ دیا جاتا کہ ان کی ولایت و امامت کا اقرار کلمہ میں کرنا ضروری ہے۔ تو ہٹ دھرم لوگ تب بھی نہ مانتے اور اپنی قیاسی تاویلات اختراع کرتے لہذا خدا نے نام کی بجائے کام و صفات کے ساتھ ذکر کیا تاکہ کھلبلا بازی نہ ہو سکے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اکمال و اتمام نعمت دین کے بعد خود تقریراً اور تحریراً مطابق کتب شیعہ و سنی حضرت علی علیہ السلام کی ولایت و امامت و خلافت کا اعلان فرمایا اور صحابہ سے اسلام کی تین شہادتوں پر بیعت لی جس میں کسی ایک کا بھی انکار کفر قرار دیا۔ اور اس بات کا ثبوت کہ سرکار ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے توحید خداوندی اپنی رسالت اور اپنے خلیفہ کی ولایت کا اقرار کرایا۔ پچھلے صفحات میں پیش کر چکا ہوں۔ اگر عقیدہ امامت مثل توحید و رسالت نہ ہوتا تو صحابی رسول عقبہ بن عامر ہرگز یہ اعلان نہ کرتے کہ ان تینوں میں سے کسی ایک کا انکار کفر ہے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا صحابہ سے اقرار ولایت کروانا ثابت ہو گیا تو اب ضروری ہے کہ ہر مدعی اتباع رسول اس حکم رسول اور سنت نبوی کی تعمیل و پیروی کرے قاضی صاحب کے دلائل کی ہی روشنی میں کلمہ کا لفظی اعتبار متواتر نہیں ہے بلکہ مفہوم تو اثرات سے ثابت ہے اس لئے ایک ایسے عمل کا لقا صاحب پر معترض خود عامل نہیں ہے۔ نہیں کر سکتا ہے۔

لاکھوں کی تعداد میں سُنی لوگوں نے اس قطعی نص کو نظر انداز کرتے ہوئے اس جھوٹے نبیؐ کو مان لیا۔ اسی طرح اگر علی علیہ السلام کا نام لے کر بھی قرآن میں کہہ دیا جاتا کہ ان کی ولایت و امامت کا اقرار کلمے میں کرنا ضروری ہے۔ تو ہٹ دھرم لوگ تب بھی نہ مانتے اور اپنی قیاسی تاویلات اختراع کرتے لہٰذا خدا نے نام کی بجائے کام وصفات کے ساتھ ذکر کیا تاکہ ٹھیک لا بازی نہ ہو سکے پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اکمال و اتمام نعمت دین کے بعد خود تقریراً اور تحریراً بمطابق کتب شیعہ و سنی حضرت علی علیہ السلام کی ولایت و امامت وخلافت کا اعلان فرمایا اور صحابہ سے اسلام کی تین شہادتوں پر بیعت لی جن میں کسی ایک کا بھی انکار کفر قرار دیا۔ اور اس بات کا ثبوت کہ سرکار ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلمؐ نے توحید خداوندی اپنی رسالت اور اپنے خلیفہ کی ولایت کا اقرار کرایا پچھلے صفحات میں پیش کر چکا ہوں۔ اگر عقیدہ امامت مثل توحید و رسالت نہ ہوتا تو صحابی رسول عقبہ بن عامر ہرگز یہ اعلان نہ کرتے کہ ان تینوں میں سے کسی ایک کا انکار کفر ہے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا صحابہ سے اقرار ولایت کروانا ثابت ہو گیا تو اب ضروری ہے کہ ہر مدعی اتباع رسولؐ اس حکم رسول اور سنت نبوی کی تعمیل و پیروی کرے قاضی صاحب کے دلائل کی ہی روشنی میں کلمہ کا لفظی اعتبار متواتر نہیں ہے بلکہ مفہوم تو اشارات سے ثابت ہے اس لئے ایک ایسے عمل کا تقاضا جس پر معترض خود عامل نہیں ہے۔ نہیں کر سکتا ہے۔

کلمہ میں اضافہ ممنوع نہیں ہے

کلمہ کے الفاظ میں ایسا اضافہ کرنا کہ جس سے مطالب و مفہوم تبدیل ہو جائے جائز نہیں ہے مگر ایسی عبارت کا اضافہ جو تبرکاً اور تشریحاً جائز ہو ممنوع نہیں ہے۔ اگر قاضی صاحب کوئی ایسی روایت اپنے علم میں محفوظ رکھتے ہیں کہ جس میں یہ ظاہر کیا گیا ہو کہ کلمہ کے الفاظ میں ایسی عبارت کا اضافہ کرنا جائز نہیں جس سے مفہوم کلمہ میں کوئی فرق نہ پڑے تو وہ بڑے شوق سے پیش کر سکتے ہیں۔ جبکہ ایسا ہرگز نہیں اگر میں پڑھوں یا لکھوں کہ "بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ" تو کوئی مسلمان میرے اس کلمہ کو غلط قرار دینے یا محرف شدہ کہنے کی جرات نہیں کر سکتا حالانکہ بظاہر میں نے بسم اللہ شریف کا اضافہ کیا ہے۔

اسی طرح حکم قرآنی اور امر متفقہ کے مطابق اگر میں یوں پڑھوں کہ "بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم" تو کوئی شخص مجھے ٹوک کر نہیں کہہ سکتا کہ تم نے بسم اللہ اور درود کا کلمہ میں اضافہ کر دیا ہے، لہذا تمہارا کلمہ غلط ہے۔

پس معلوم ہوا کہ کلمہ کے ساتھ ایسے الفاظ کا اضافہ جو اصل مفہوم و مطلب پر اثر انداز نہ ہوں ممنوع نہیں بلکہ باعث ثواب ہیں بشرطیکہ تعظیماً، تشریحاً اور تبرکاً استعمال کئے گئے ہوں۔

"علیؑ ولی اللہ تحریراً و تقریراً ثابت ہے"

پس جب احادیث سے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حکم عام تحریراً و تقریراً ثابت ہے کہ توحید و رسالتؐ کے ساتھ علیؑ کی امامت و خلافت اور وصایت کا اقرار کیا جائے تو اس تیسرے عہد کو کلمہ میں شامل کرنا عین اطاعت خدا و رسول ہے اور اس کی مخالفت بلا جواز ہے یہی وجہ ہے کہ اس ولایت کو مسلم و منافق میں کسوٹی بنایا گیا اور ترمذی شریف اور دیگر کتب صحاح کی روایات کے مطابق منافق و مسلم کی پہچان بغض علیؑ سے کی جاتی تھی۔

ہم اگر غور و انصاف کریں تو معلوم ہو جائے گا کہ موحد کی پہچان لا الٰہ الا اللہ سے ہوتی ہے۔ مسلم کی پہچان محمد رسول اللہ سے ہوتی ہے اور مومن و منافق میں تمیز علی ولی اللہ سے ہوتی ہے۔

پس سید عقیل حیدر دام اقبالہ نے جو دلیل بیان کی ہے دل کو لگتی ہے کہ اقرار ولایت علویہ کے بعد منافقت کا قلع قمع از خود ہو جاتا ہے لہٰذا کوئی معتقد ولایت یہ سوچ بھی نہیں سکتا کہ حضورؐ کے بعد کوئی دوسرا نبیؑ آ کرے گا۔ بلکہ وہ سلسلہ امامت کو سلسلہ ہدایت سمجھتا ہے مگر جو منکر ولایت ہوتے ہیں کبھی وہ دبے الفاظ میں کہہ جاتے ہیں کہ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو ـــــــ ہوتا"۔ مگر کچھ سال بعد لا الٰہ الا اللہ محمد رسول" کہنے والے نص خاتم النبیین کی پرواہ کئے بغیر غلام احمد جیسے شقی عالم کی نبوت فاسقہ پر ایمان لاکر

برداشتند اما ہمیدا نند کہ ایں حکم منسوخ شدہ کہ مشائخ صحابہ گاہے آنزدر زمان خلافت خود در اذان و اقامت نہ گفتہ اند بلکہ احدے اگر باین امر جرأت میکرد حضرت فاروق او را ادبا دیب شدیدی گرفت لہذا آئمہ بخاری شریف گویند کہ یا علی را بدون اذان ہم فاسد المذہب دانستہ"۔
(ریاض الصادقین بحوالہ اعجاز داؤدی صفحہ ۲۰)

آئمہ اہل بیتؑ سے منقول شدہ احادیث کی تعداد کثیرہ سے ثابت ہے کہ جہاں جہاں بھی توحید و رسالت کا ذکر کیا جائے وہاں شہادت ولایت کا ذکر بھی لازمی ہے چنانچہ حضورؐ سے بہ سند صحیح منقول ہے کہ آپؐ نے حضرت امیرؑ سے فرمایا "یا علی سالت ربی ان تذکر لا حیث اذکر" یعنی اے علی میں نے اللہ سے سوال کیا ہے کہ جہاں جہاں میرا ذکر ہو وہاں تمہارا ذکر بھی ہو"
(زہر الربیع علامہ جزائری جلد ۱ صفحہ ۲۹۶)

حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی حیات میں صحابہ کرام کا اذان میں کلمہ ولایت پڑھنا ثابت ہے اور بزبان رسولؐ اس کی اجازت بھی مصدق و موثق ہے چنانچہ لکھا ہے کہ

"حیات رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم میں کلمہ ولایت کے اذان میں پڑھے جانے کے متعلق یہ روایت موجود ہے جس کو جلیل القدر عالم اہل سنۃ والجماعۃ شیخ عبداللہ مراعی مصری نے کتاب "السلافہ فی امر الخلافہ" میں نقل کیا ہے کہ حضرت سلمان فارسیؓ اذان و اقامت میں شہادت رسالت کے بعد ولایت علیؑ کی شہادت دیا کرتے تھے پس ایک شخص نے جا کر یہ خبر دی پس حضورؐ نے فرمایا "تو نے بھلائی ہی کو سنا ہے" اسی کتاب میں منقول ہے کہ ایک شخص نے جناب رسول اللہ صلعم کی خدمت میں عرض کیا یا رسول اللہ ابوذر غفاری اذان میں

آپ کی رسالت کی شہادت دینے کے بعد "اشهد ان علیاً ولی
الله"، کہتے ہیں پس آں حضرتؐ نے فرمایا تو نے ابوذرؓ سے حق
سنا ہے کیا تو بھول گیا کہ میں نے غدیر خم میں کہا تھا من کنت مولاہ
فھذا علی مولاہ"۔ (الدین بین السائل و المجیب جلد ۱
صد ۱۶ مطبوعہ کویت بحوالہ شہادت ثالثہ صد ۳۴)

مندرجہ بالا منقولہ اقتباسات کی موجودگی میں یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ شیعوں کا کلمہ یا اذان و اقامت کسی کتاب میں نہیں پائے جاتے۔ جبکہ شیعہ کتب تو رہ گئیں ایک طرف سنی کتابوں سے شہادت توحید و رسالت کے ساتھ ولایت کی گواہی پوری طرح ثابت ہے۔

اب چونکہ ہم اپنی مرضی سے کلمہ میں ولایت کا اقرار نہیں کرتے بلکہ بحکم رسولؐ ایسا کرتے ہیں اس لئے یہ سنت کی پیروی ہے اور اس کی مخالفت یا انکار براہ راست رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی مخالفت ہے جو کبھی بھی حق نہیں ہو سکتا ہے۔ علیؑ کے ذکر کو رسول اللہ نے اپنے ذکر کے ساتھ رکھا مگر اور کسی پیغمبر یا ازواج کو یہ شرف نہ بخشا لہذا کیونکہ ان کے لئے نص رسولؐ موجود نہیں لہذا ان کو کلمہ میں شامل نہیں کیا گیا۔ جبکہ ان کا اقرار کرنا ممنوع نہیں ہے پس یہ سوال اب رسول خداؐ سے کیجئے کہ انھوں نے علیؑ کی بجائے کسی دوسرے کو کلمہ میں کیوں شامل نہ کیا۔ دین کے معاملات کا تعلق رسولؐ سے ہے کسی اور سے نہیں۔ امت کا کام صرف اتباع ہے۔

الصلوٰۃ خیر من النوم ثابت نہیں ہے

"الصلوٰۃ خیر من النوم" کا اولیات عمر میں ہونا امر مسلمہ ہے۔ اور مشکوٰۃ کی جو روایت سنن الب

کہ مغضوب علیہم کی راہ کو ترک کرکے اُن کی راہ پر آجاؤں جنکی ولایت کا اعلان کرکے اللہ نے اپنے دین کو کامل کیا اور تمام نعمتیں مکمل کردیں۔ انعام پورا کردیا۔

اہل مکہ و مدینہ کی پیروی حجت نہیں

میں نے دیکھا کہ مکہ و مدینہ کے بارے میں ایسی روایات موجود ہیں کہ فتنے وہاں سے جنم لیں گے اور آج کے دور کا نجدی اقتدار مجھے عباسی دور سے ملتا جلتا نظر آیا کہ تمام مقدس نشانات کو تہ و بالا کردیا گیا ہے۔ مجھے "مکہ" کی تاراجی لشکر سفاح سے یاد تھی "حرہ" کے واقعات بھی ذہن میں محفوظ تھے۔ اور مجھے یہ بھی یاد تھا کہ اہل مدینہ نے کس طرح جنازہ رسولؐ کو لاوارث چھوڑ کر حکومت کی کرسی ہتھیانے کی کوشش کی تھی، حسنؑ کا جنازہ تیروں سے چھلنی ہوا تھا۔ پس ان چیزوں نے مجھے اہل "مکہ" اور اہل مدینہ کو ہدایت کے لئے حجت تسلیم کرنے سے منع کردیا۔ پس ہدایت کی مجھے صرف یہی راہ نظر آئی کہ میں سفینہ نجات میں سوار ہوکر اپنی عاقبت اندیشی کا ثبوت دوں۔ پس بادشاہوں کے محلات کی دیواروں پر سر ٹکرانے کی بجائے میں نے باب علمؑ و حکمت کی چوکھٹ پر اپنا سر نیاز خم کردیا اور نعرہ حیدری "یاعلی" بلند کرکے اس گروہ میں داخل ہوگیا جس کی کامیابی کا اعلان رسول مقبولؐ نے متعدد بار کیا کہ "اے علیؑ تو اور تیرے شیعہ جنتی ہیں"!

میں نے اپنی محکم تحقیق جاری رکھی کسی اور خلیفہ کے لئے ڈھونڈھنے کی کوشش کی کہ رسولؐ نے کسی کو ایسا فرمایا کہ اے فلاں تو اور تیرے "ساتھی" جنتی ہیں۔ مگر بے سود! لہٰذا میں نے شک کو ترک کرکے یقین کا دامن تھام لیا۔ اور سارے در چھوڑ کر حیدرؑ کو جا کے پناہ

تسلیم کر لیا۔ حیدرآباد لطیف آباد، یونٹ نمبر ۸

الغرض میں نے اپنی کتابوں "اصولِ دین" اور "فروعِ دین" میں اُن وجوہات پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے کہ جن کے باعث میں سنی مذہب ترک کر دینے پر آمادہ ہوا۔ اور شیعہ مذہب اختیار کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ قاضی صاحب سے ملتمس ہوں کہ وہ مذکورہ کتابوں کا مطالعہ فرمالیں اور اگر ہو سکے تو اُن پر اپنی جوابی رائے سے مستفیض فرمائیں تاکہ حق و باطل میں فیصلہ کرنے کی قارئین کو سہولت میسر آجائے۔ میں نے کوشش کی ہے کہ قاضی صاحب کی ہر بات کا جواب دوں۔ تاہم اس سلسلہ میں

ولایت حق ہے لہذا شیعہ ہونا پڑا!

مجھے مطمئن کرنے میں کہاں تک کامیابی حاصل ہوئی ہے اس فیصلے کا انحصار قارئین پر ہے مجھے اس بات کا احساس ہے کہ کتاب توقع سے زیادہ طویل ہو گئی ہے مگر یہ طوالت ناگزیر تھی کیونکہ میں نے قاضی صاحب کی مکمل عبارتیں نقل کر کے قارئین کو اُن کی اصل کتاب کے مطالعہ سے بے نیاز بنا دیا ہے پھر قاضی صاحب نے اصل موضوع سے ہٹ کر دوسرے مضامین میں اُلجھانے کی کوشش میں جو زور صرف فرمایا ہے مجھے اس دریا کو بھی روکنا پڑا ہے۔ اب سب سے آخر میں بندہ راقم اپنا اختتامی بیان "سچ"، قرآن کی روشنی میں پیش کر کے حجت تمام کرتا ہے کہ سنی مذہب حق کے خلاف ہے اور صرف شیعہ مذہب ہی حق ہے۔ کلام پاک کی سورہ کہف

پس خدا نے ولایت کو حق کہا ہے کہ "هنالك الولاية لله الحق"،
پس اگر سُنّی مذہب حق ہے تو قاضی صاحب بتائیں کہ اُن کا مذہب
"ولایت"، کا مخالف کیوں ہے؟ حق کا مخالف باطل ہی ہو سکتا
ہے پس چونکہ سُنّی مذہب ولایت کا انکار کرکے کتاب حق، رسول حق
خدائے حق اور ولی برحق کی مخالفت کرنے میں پیش پیش ہے
اور شیعہ مذہب میں ولایت کا منکر ایمان ہی سے محروم ہے۔
اس لئے سُنّی مذہب باطل اور شیعہ مذہب حق ہے۔ سوائے شیعہ
مذہب کے "ولایت"، کو کسی دوسرے اسلامی مذہب نے اصل دین
تسلیم نہیں کیا بلکہ حق تلاوت قرآن کے برعکس عموماً غیر شیعہ اس حق کے
خلاف سینہ سپر رہے ہیں پس حق کا تقاضہ یہ ہے کہ شیعہ مذہب
کی حقانیت کے حق کو ادا کردیا جائے اُسے قبول کرکے حق کا بول
بالا کیا جائے۔

حق کا حق ادا کرنا پڑا

سُنّی مذہب کی تاریخ حق تلفیوں پر مبنی ہے اُنھوں نے ذی القربیٰ
کا حق غصب کیا۔ تلاوت قرآن کا حق ادا نہ کیا آل رسول کی مودت
کے حق کو نظر انداز کیا سادات کے حق خمس کو ہضم کیا اہل بیت
سے تمسّک رکھنے کا حق بھلا دیا۔ رسولؐ کا حق۔ آل رسولؐ کا حق
شریعت رسولؐ کا حق، سنت نبیؐ کا حق، خدا کی کتاب کا حق
اللہ کا حق، اس کے بندوں کا حق، ولایت کا حق، امامت کا حق
خلافت کا حق، انسانیت کا حق۔ شرافت کا حق، الغرض ہر حق کا
یہ احتجاج کررہا ہے کہ سُنّیوں نے اسے ادا نہ کیا۔

لیکن ـــــ بفضل خدا شیعوں نے اس ولی برحق

کی پیروی اختیار کی جسے خدائے برحق کے رسولؐ برحق نے فرمایا۔

"حق علیؑ کے ساتھ ہے۔ علیؑ حق کے ساتھ ہے"
اے خدا پھیر دے حق کو ادھر جدھر علیؑ پھر جائے"

پس شیعوں نے اس امام برحق کو رہنما مان لیا جو جدھر بھی گئے حق اس کی پیروی کرنے پر مجبور رہا۔ پس جیسے حق کے امام کو مان لیا اور حق شیعوں کا "پیر بھائی" ہو گیا۔ جیسے شیعہ علیؑ کے مرید ویسے ہی حق علیؑ کا مرید ہے۔!

لہٰذا حق بات یہ ہے کہ اس کے سوا حق کا وجود ہی نہیں کہ علیؑ کو امام مفترض الطاعت مان کر حق کی اتباع کی جائے سراپا حق علیؑ کے مخالفین کو باطل قرار دے کر حق کی نصرت کی جائے۔ چنانچہ شاہ محمد اسماعیل الملقب شہید دیوبندی نے جو منصب امامت میں کہا ہے کہ روز قیامت سے ولایت علیؑ کا سوال کیا جائے گا۔!

اس بات کا حق حقدار ہے کہ اس سوال کے جواب دینے کے حق کو ہمیشہ یاد رکھا جائے تاکہ خاتمہ بالخیر ہو۔ اور حشر مع خیر البریہ ہو۔ پل صراط کو عبور کرنے کا پروانہ حاصل کرنا آسان ہو۔

ولله الحمد وما علينا الا البلاغ

والسلام والدعا

عبدالکریم مشتاق

گروہِ قاضی کا کلمہ اور درود کو بدلنا

قاضی مظہر حسین صاحب کا تعلق مسلک دیوبند سے ہے۔ انہوں نے ہم شیعوں پر کلمہ تبدیل کرنے کا جھوٹا الزام عائد کیا ہے۔ اور اس مذموم پروپیگنڈے میں ایڑی چوٹی کا زور صرف فرمایا ہے۔ ہمارا کلمہ تو بفضل خدا قرآن و حدیث سے ثابت ہے اور ہم نے کلمہ اسلام "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ" میں نہ ہی کوئی تحریف لفظی کی ہے اور نہ ہی کوئی معنوی تبدیلی مگر مسلک دیوبند کا حال یہ ہے کہ ان کے ہاں "محمد رسول اللہ" کا انکار اور ایک غیر معصوم دیوبندی مولوی کی رسالت کا اقرار پایا جاتا ہے جیسا کہ رسالہ "الامداد" میں درج ہے کہ مولوی اشرف علی تھانوی کے ایک مرید نے کلمے "لا الہ الا اللہ اشرف علی رسول اللہ" کو خود مولوی تھانوی نے خود کو متبع سنت قرار دے کر صحیح مانا ہے۔ طرّہ یہ ہے کہ جو کام مرزا غلام احمد قادیانی جیسے مدعی نبوت نہ کر سکے دیوبندی مولوی اشرف علی تھانوی نے کر دکھایا کہ "اللھم صل علی سیدنا و نبینا و مولانا اشرف علی" جیسے مصنوعی درود کو پسند کیا اور اس کی حوصلہ افزائی فرمائی۔ یہ واقعہ رسالہ "الامداد" بابت ماہ صفر ۱۳۳۶ھ میں تفصیل سے درج ہے اور قارئین ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔ کہ دیوبندی نام نہاد مجدد اور حکیم الامت اشرف علی تھانوی صاحب ان شیطانی وساوس میں ڈوبے کیسے کیسے خواب دیکھ رہے تھے۔

اسی طرح وہابی مولوی ثناء اللہ امرتسری نے اپنے مسلک کے ایک امام عبدالجبار غزنوی اور اُن کے پیروکاروں کے متعلق لکھا ہے کہ:

"ہمارے ہاں میں ایک نئی تثلیث قائم ہوئی ہے جو عیسائیوں کی تثلیث سے زیادہ مضبوط ہے۔ وہ کسی طرح نہیں چاہتے کہ کسی قسم کا کام میں مل کر کام کریں۔

بقول ڈپٹی محمد شریف صاحب امرتسری جب تک کوئی شخص یہ نہ مانے کہ "لا الٰہ الا اللہ عبدالجبار امام اللہ" اس سے ملنا جائز نہیں ۔"

(اخبار اہل حدیث امرتسر ص۱۱ کالم ۲ ، ۵ ر اپریل ۱۹۱۲ء)

ایسے دلسوز واقعات اور اس طرح کی رکیک مثالوں کی موجودگی میں جب ہم اہلِ حق شیعانِ حیدرِ کرارؑ کے خلاف تحریفِ کلمہ کا جھوٹا پروپیگنڈا کیا جاتا ہے تو منصف مزاج لوگ سخت حیران ہو جاتے ہیں۔

بلاشبہ شیعہ آئمہ اطہارؑ کو معصوم و منصوص ہادی اعتقاد کرتے ہیں لیکن دنیا ایسی ایک بھی مثال پیش کرنے سے قاصر و معذور ہے کہ کسی شیعہ نے کسی امام کو رسولِ خاتمؐ کے بعد نبی اللہ کہا ہو۔ یہ اعزاز بد ہمارے مخالفین ہی کے حصہ آیا ہے کہ قتل بھی خود کرتے ہیں اور الزام بھی دوسروں پر دھرتے ہیں۔ جھوٹے کلمے خود پڑھتے ہیں اور نام شیعوں کا لگاتے ہیں۔ قاضی جی کے لئے ان کے امام و رسول اور نام نہاد حکیم الامت مولوی اشرف علی تھانوی صاحب کی تحریر سے ثابت کردہ نئے کلمے اور نئے درود کی تائید اور ترغیب کافی ہوگی۔ اور اگر ان میں شرافت کا مادہ ہوگا تو آئندہ شیعوں سے کلمہ پر گفتگو سے پرہیز کریں گے۔

قاضی مظہر صاحب نے مکہ و مدینہ (حرمین شریفین) میں مروجہ مذہب کو دلیلِ حقانیت قرار دیا ہے۔ سیاسی اعتبار سے اس موضوع پر کچھ لکھنا موجودہ حالات میں مناسب نہیں ہے لہٰذا میں چند معتبر احادیث و روایات کتب اہل سنۃ سے نقل کر کے قارئین کو دعوتِ غور و فکر دینے پر اکتفا کروں گا۔ چنانچہ شیخ الاسلام مفتی حرم علامہ سید احمد بن زینی دحلان مکی اور علامہ جمیل آفندی نے اپنی کتابوں میں لکھا ہے کہ حضورؐ نے فرمایا:

۱۔ آخر زمانہ میں مسیلمہ کذاب کے شہر (نجد) میں ایک شخص ظاہر ہوگا، جو

دین اسلام کو متغیر کر دے گا۔"

۲۔ "نجد سے ایک شیطان ظاہر ہو گا جس کے فتنے سے جزیرہ عرب میں زلزلہ برپا ہو گا۔" (الدار السنیہ صد ۴۹) - الفجر الصادق صد ۲۱)

۳۔ علامہ دحلان نے بحوالہ مشکوٰۃ شریف تحریر کیا ہے کہ:

"آخری زمانہ میں ایسے لوگ ہوں گے جو تم کو ایسی باتیں سنائیں گے جو نہ تم نے سُنی ہیں اور نہ تمہارے باپوں نے سُنی ہیں۔ پس تم اپنے آپ کو ان سے اور ان کو اپنے آپ سے بچاتے رہو۔[۲] کہ تم کو گمراہی و فتنہ میں نہ ڈال دیں"۔ اور بنی تمیم کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ "بے شک وہ جو تمہیں حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں ان میں اکثر بے عقل ہیں اور اللہ نے ان کے متعلق یہ بھی نازل فرمایا ہے اپنی آوازیں اونچی نہ کرو۔ اس غیب بتانے والے نبی کی آواز سے سید علوی مذکور فرماتے ہیں کہ بنی حنیفہ اور بنی تمیم اور وائل کی مذمت میں تمہارے لئے یہی کافی ہے کہ اکثر خوارج انہیں میں سے ہیں اور سرکش ابن عبدالوہاب انہیں میں سے ہے
(الدار السنیہ صد ۵۲ مطبوعہ استنبول)

۴۔ مشرق (نجد) سے کچھ لوگ نکلیں گے جو قرآن پڑھیں گے مگر ان کے حلقوں سے نیچے نہیں اترے گا۔ جب ایک قرن ختم ہو جائے گا اور دوسرا قرن آ جائے گا، یہاں تک کہ ان میں سے آخر مسیح الدجال کے ساتھ ہو گا۔

۵۔ علامہ دحلان مکی نقل کرتے ہیں کہ:

"ایک روایت ہے کہ دو شیطان کے سینگ نکلیں گے۔ بعض علما نے فرمایا" ان دونوں سے مراد مسیلمہ کذاب اور محمد بن عبدالوہاب ہیں۔ بعض ارشادات میں

۱۔ صحیح مسلم ۲۔ سورہ حجرات پ ۲۶

ہے کہ وہاں نجد میں ہلاکت اور تباہی ہے۔" (الدار السنۃ صفحہ ۵۰)

۶۔ مشکوٰۃ شریف میں ہے کہ حضورؐ نے دعا فرمائی:

"اے اللہ ہمارے شام میں برکت دے۔ اے اللہ ہمارے یمن میں برکت دے۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ نجد میں؟ حضورؐ نے فرمایا اے اللہ ہمارے شام میں برکت دے۔ اے اللہ ہمارے یمن میں برکت دے۔ تیسری مرتبہ فرمایا وہاں نجد میں زلزلے اور فتنے ہیں۔ وہیں شیطان کا سینگ نکلے گا۔

(بحوالہ وہابی مذہب)

مندرجہ بالا روایات کی روشنی میں اس بات کا جائزہ لیا جا سکتا ہے کہ اہلیانِ مکہ و مدینہ کا مذہب بحت حنفیت نہیں ہو سکتا ہے۔

عبدالکریم مشتاق کی ایمان افروز تحقیقی کتب

چودہ مسئلے
صدیق اکبر و فاروق اعظم
اصول دین (میں شیعہ کیوں ہوا؟)
تصدیق لفظ شیعہ
ہم متعہ کیوں کرتے ہیں؟
وصی رسولؐ اللہ
علیؑ ولی اللہ
سوسنار کی ایک لوہار کی
فروع دین (میں نے سنی مذہب کیوں چھوڑا؟
وہی مجرم وہی منصف
آگ خانہ بتولؑ پر!
یار رسولؐ اور غار ثور
افسانہ عقد ام کلثوم
واقعہ قرطاس اور کردار عمر

اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا!
اہل بیت اور ازواج میں فرق
انگور کھٹے ہیں!
ہم ماتم کیوں کرتے ہیں؟
ہزار تمہاری دس ہماری
شیعہ مذہب حق ہے
عنوان
فقہ جعفری اور مختلف مکاتب فقہ
چار یار
ایٹم بم کا دوسرا نام انجمن سپاہ صحابہ
چادر انسانیت
بل اور بلا
چراغ تلے اندھیرا
آپ کا کیا حال ہے؟